

**THE BOOK WAS
DRENCHED**

**TEXT FLY WITHIN
THE BOOK ONLY**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188014

UNIVERSAL
LIBRARY

~~Acquired~~ ¹⁹⁷⁵ **OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY**

Call No 45351

Accession No. 2094

Author 6 مری - ک

Title

6 مری سر

This book should be returned on or before the date last marked below.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رُؤُوفِ انڈیا

(ہند کے حکمران)

ماوصوحی سندھیا

مُصَنَّفٌ

ایچ جی کین سی۔ آئی۔ ای، ایم۔ اے
مترجمہ

حکیم سید محمد عبدالسلام صاحب ایم۔ اے ہنشی فاضل

۱۳۴۱ھ ۳۲ مارچ ۱۹۲۳ء

۱۰۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

" یہ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی اجازت سے
جس کو حق کاپی رائٹ حاصل ہے
طبع کی گئی ہے۔ "

فہرستِ امین بادشاہی سندھ

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

نمبر شمار	باب	مضمون	از صفحہ تا صفحہ
۱	+	دیباچہ مصنف	۱ تا ۴
۲	اول	مبادیات	۵ تا ۲۲
۳	دوم	سندھیا اور میدان پانی پت	۲۲ تا ۴۳
۴	سوم	بجالی شہنشاہ سے معاہدہ سالبائی تک	۴۴ تا ۶۷
۵	چارم	سیاسیات ہلی کی حالت شاہ عالم کی بجالی کے زمانے میں	۶۸ تا ۸۲
۶	پنجم	سندھیا کا آغاز حکومت	۸۳ تا ۱۰۵
۷	ششم	سندھیا اور غلام قادر خاں	۱۰۶ تا ۱۱۵
۸	ہفتم	سندھیا اور جنرل ڈوی بائن	۱۱۶ تا ۱۳۰
۹	ہشتم	سندھیا کا عروج کمال	۱۳۱ تا ۱۴۶
۱۰	نہم	آخری زمانہ۔ وفات طرز ماند و بود	۱۴۷ تا ۱۶۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ مصنف

مند بعد ذیل صفحات میں ناظرین کی دہشتی کا سامان ایسے واقعات کو پیش کر کے ہیا کرنگی
کوشش کی گئی ہے جو ہادی النظر میں خاص و لفظی نہیں رکھتے اور موجودہ صورت حالات سے
بہت کم تعلق رکھتے ہیں اس کتاب کی تصنیف کی توجیہ صرف یہ کی جاسکتی ہے کہ یہ بھی فرمانروایان ہند
کے سلسلے کی ایک کڑی ہے اور بس جس شخص کا حال ہم لکھنے والے ہیں وہ ایک ہندوستانی
فرمانروا تھا جسے عظیم الشان مشکلات کے زمانے میں عظیم الشان تغیر قابلیتوں کا اظہار کیا ہے۔
نادر شاہ کے تاراج دہلی سے پہلے شخص پیدا ہوا اور لاڈلیک کے تخیل دہلی کے دس سال کے
پہلے کے زمانے تک زندہ رہا اس لیے اس کا عہد حکومت خاص اُس نازک زمانے سے
منطبق کیا جاسکتا ہے جو شام طوائف الملوکی و بد امنی اور صبح نظم و حکمرانی کا درسیانی وقفہ تھا
اور اس شب تاریک کے کانٹے میں اس شخص کی اتھک کوششوں نے بڑی مدد کی چونکہ
وہ خود نظم و ترتیب کا دلدادہ تھا اس لیے اُس نے جان توڑ کر یہ کوشش کی کہ جنگ
و غارتگری کی بدترین تباہ کاریوں کو صفحہ ہستی سے محو کر دیا جائے اور جولاہی پست اخلاقی
ایسے حادثات سے پیدا ہو جاتی ہے اُس کا قرار واقعی علاج کیا جائے اور
معاشرت کے مسترخ و معطل اعصاب کو بھرپور اصلاح و نظام قبول کرنے کے
لیے تیار کیا جائے ہندوستان (یعنی سلطنت مغلیہ کے شمالی صوبے) ایک زمانے تک
متمدن و خوشحال رہ چکا تھا۔ مشہور سیاح یورنیر ۱۶۱۱ء کے زمانے میں عہد شاہ جہانی پر
ہیں الفاظ تبصرہ کرتا ہے۔

”وہ عظمت والا بادشاہ جس کے عہد میں ملکی حکومت ایسے سخت مضبوطی

پابند تھی اور فاسک شاہراہ عام کی حفاظت و نگہبانی ایسی مقبول تھی کہ کسی

کسی شخص کو قزاقی کی پاداش میں سزائے موت دینے کی نوبت نہیں آتی تھی۔“

لیکن اس کے ایک ہی صدی بعد ملک کی جو حالت ہو گئی تھی اُس کا اندازہ

مندرجہ ذیل الفاظ سے ہو سکتا ہے۔

خانہ جنگیوں نے ملک کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا اور نظام تمدن کے ہرکن
اختلال سے ہر دل درد مند تھا۔ ہر قسم کی بدکرداری کا دور دورہ تھا۔
شرع و قانون کو لکھ کو ب کر دیا گیا تھا اور نہ صرف شخصی تعلق و اتحاد کے
رابطے بلکہ نظام معاشرت و حکومت کے سلسلے بھی ٹوٹ گئے تھے
اور ہر فرد بشریہ سمجھتا تھا کہ اُس کی سکونت کسی بیابان میں ہے
جہاں سوائے درندوں کے اور کوئی نہیں رہتا اور جہاں صرنا اچھے
بل بوتے پر اپنی حفاظت کا انتظام ممکن ہے۔ (منقول از ڈو جس نے
خود ہندوستانی راوی کا حوالہ دیا ہے)

زوالِ سلطنت منلیہ سے بعد اس رنگ کی اخلاقی بُدظنی ملک پر طاری ہو گئی تھی۔ اور
اگر تسلیم کیا جائے کہ برطانوی حکومت نے ان نقوش بُدظنی کو مٹا کر مہر تمدن کو از سر نو ثبت کیا تو
یہ بھی ماننا پڑیگا کہ یہ سندھیہا ہی تھا جس کا احسان رعایائے برطانیہ کو اس لیے ماننا چاہیے کہ
اُس نے اس معراجِ نظم و ترتیب کا پہلا زینہ تیار کرنے میں امداد کی۔
اگرچہ یہ تذکرہ بہت مختصر ہے پھر بھی کسی طرح یہ ممکن نہوا کہ بعض برہمنی اور غیر متعلق واقعات کے
اس میں شامل نکلیا جاتا۔ اگر محض سوانح عمری کا لکھنا ممکن ہوتا تو ایسی خشک کتاب نہ ناظرین کو
کوئی تفریح پہنچا سکتی نہ کوئی سبق دے سکتی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ موجودہ میں مصنفین نے فرانس
کے اصول تاریخ نویسی یعنی محض واقعہ نگاری سے بہت زیادہ فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے۔

مثلاً مسٹر ریل ٹول کی تصنیف موسومہ ایسے آن ملٹن (Essay on Milton) کو
دیکھنے پر یہ رائے قائم کیا سکتی ہے کہ یہ ایک فاضل اہل قلم کی لکھی ہوئی ملٹن کی سوانح عمری ہے
اور بس۔ یعنی تمام صفحات ایک رنگ میں پڑھتے چلے جائے اور وہ رنگ کہیں بھی
واقعات حاضرہ میں ملٹن کے تذکرے یا اُس کے کلام کے تبصرے سے نہیں بدلا گیا ہے اور
ایک قابلِ نقاد نے نہایت صحیح رائے اس تصنیف پر یہ ظاہر کی ہے کہ اس کتاب کا پڑھنا والا
اپنے دل کو صرف یہ کہہ کر سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ موعے بیگوں والا جنہی جس کا حال ہم پڑھ رہے ہیں
منصفیہ شہود پر محض ایک ماثل ہے لیکن جو ڈراما اس وقت پیش کیا جا رہا ہے اُس میں اصل
ہیر و کوآن نظروں اور تماشوں سے تعلق و مطبق کر کے دکھایا گیا ہے جن میں خود اُس نے

صفحہ

نہایت با اثر حصہ لیا تھا۔ زوال پذیر سلطنتِ مغلیہ سے جتنا سندھیا کا تعلق تھا اتنا ہی پرورش و توصلہ مند مرہٹہ لشکر سے بھی تھا اور اُس کی مکمل شخصیت کو جب ان تعلقات کی روشنی میں دیکھا جائے تب اُس کی حقیقت بے نقاب نظر آسکتی ہے۔ سندھیا جیسے انسان کی غموت و جلوت یکساں ہے اس لیے اگر یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ وہ کیا تھا تو یہ یہ دکھانے کی ضرورت پڑیگی کہ اُس نے کیا کیا؟

اس لیے ہم کو سب سے پہلے یہ سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ سلطنت کیا تھی جس کی حالت نزع میں ہمارے ہیرو نے امداد کی اور جس کی فرمانروائی میں اُس نے کچھ عرصے تک حصہ لیا۔ اور ہم کو طوائفِ الملوک کی کسے چند ایسے نمونے تلاش کرنے چاہئیں جن سے اُس نے ہندوستان کو نجات دلائی۔ ساتھ ہی اس کے ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سندھیا ہندوستان خاص کا باشندہ نہیں تھا اس لیے اس کی زادبوم اپنے جنوبی ہند کے اُس پراسرار طبقہ کی شانِ تمدن کا مطالعہ کرنا چاہیے جسے کرناٹ کی مملکت کی کچی غفلت کے پراگندہ اجزا کو اپنے ہاتھ میں لیکر تمام جزیرہ مانے جنوبی کو ایک عالمگیر ہندو سلطنت کی صورت میں مجتمع و متحد کر لینے میں قریب قریب کامیابی حاصل کر لی تھی؟

یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ایک کثیر الواتعات اور مختلف الاوان موضوع پر اس قدر جمل و مختصر تدوین و ترتیب کے سانچے میں ڈھالا جائے کہ تنگ ترین طرف میں اُس کی گنجائش لکھ آئے اور اُس کے لیے صرف یہ غدر کر کے اپنا بیجا جھڑپایا جائے کہ جتنی کسی غیر معمولی مختصر کتاب کے پڑھنے میں الجھن ہوتی ہے اتنی ہی اُس کے لکھنے میں بچ پڑے ہیں۔ ہماری اس چھوٹی سی تعمیر کا کلاؤ زیادہ نہیں ہے مگر بسا بہت ہے، جو لوگ خرید و عیال کا شوق رکھتے ہیں اُن کے استفادے کے لیے ہم مندرجہ ذیل ماخذوں کا حوالہ دے سکتے ہیں جن سے خود ہم نے نقل و اخذ کیا ہے:-

(۱) ہنٹری آف دی مرہٹا زیمینٹ جیمس گرانٹ ڈف۔ ۳ جلد۔ مطبوعہ ۱۸۲۶ء

(۲) میماٹرز آف سنٹرل انڈیا۔ مصنفہ سر جان ملکم۔ ۲ جلد۔ مطبوعہ ۱۸۲۵ء

لے معماروں کی اصلاح میں بنیاد کی گہرائی کو کلاؤ اور اُس کے اندرونی پھیلاؤ کو پسا رکھتے ہیں۔ کلاؤ گلنے کا حاصل مصدر ہے اور پسا پسرانے کا۔ پہلا نقطہ دلدل کے گلنے یا دھنتے جانے سے لیا گیا ہے اور دوسرا ٹیٹھ ہندی ہے جس کے منہ پائوں پھیلا کر بیٹھنے یا لیٹنے کے ہیں۔ ۱۲ متر

- (۳) میاثرز آف کرنل جیمز سکنس سی بی۔ مصنفہ سیلی فریزر۔ ۲ جلد۔ مطبوعہ ۱۸۵۷ء
- (۴) میاثرز ڈیو کاٹی ڈی بائن۔ مطبوعہ ۱۸۵۷ء
- (۵) سیراٹاخرین مصنفہ غلام حسین خاں۔ اس کا ترجمہ ڈاکٹر کے دفتر کے ایک فریسی محرر سسی رینڈ نے کیا ہے۔ ترجمہ کے حاشیے دلچسپ ہیں۔ تین جلد
- (۶) تاریخ مظفری۔ غیر مطبوعہ غیر مترجمہ مسودہ ہے جسے ایک مسلمان اہل قلم نے تصنیف کیا ہے جو بہار کے نائب صوبہ دار محمد رضا خاں مظفر جنگ کا ملازم تھا اور اپنے آقا کے نام پر اپنی تصنیف کو موسوم کیا ہے۔ ان تصانیف کا کچھ حوالہ ڈاولن کی تصنیف موسومہ ایللیٹ جلد ہشتم میں بھی پایا جاتا ہے۔
- (۷) فاسل فریج مشرکس۔ مصنفہ کرنل میلیس۔ مطبوعہ لندن ۱۸۵۷ء۔ اس کتاب میں جنرل ڈی بائن کی کارگزاریوں کی اور بعض کم درجے کے یورپین طالع آزماؤں کی کاہد اونیوں کی پوری تفصیلیں دی گئی ہیں۔
- (۸) اکثر موقعوں پر امپیریل گزٹیر آف انڈیا سے بھی امداد لی گئی ہے۔
- سلسلہ کی جنگبازی کی تفصیل خاص طور سے پنڈت کاشی رائے کے تذکرے سے اخذ کی گئی ہے۔
- [ایشیائیک ریسرچر جلد ۳ شخص نواب اودھ کاشی خاص تھا اور ابتدائی نامہ و پیام میں بھی شریک رہا اور میدان جنگ میں بھی موجود تھا۔ اس کا تذکرہ اس وجہ سے اور بھی قابل ملاحظہ ہے کہ جنگی کارروائیوں کی یہ بے نظیر تفصیل ایک ہندو مصنف نے کی ہے جو خود اہل سیف سے نہیں تھا۔
- (۱۰) فارست کی تصنیف موسومہ انتخاب دستاویزات سرکاری حکومت ہند۔ ۳ جلد۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۹۰ء میں وارن ہیسٹنگز کی یادداشتوں اور مراسلتوں کا ایک نثری قیمت مجموعہ پایا جاسکتا ہے اور اسی سلسلے میں کپتان ٹراٹر کی تاریخ بھی قابل ملاحظہ ہے]

صفحہ (۹)

سلسلہ کی نوکشی کا تفصیلی تذکرہ جس میں اس واقعہ کا اس زمانہ کے دوسرے واقعات سے مقابلہ بھی کیا گیا ہے میری کتاب فال آف دی نعل ایماپٹر (زوال سلطنت مغلیہ) طبع ثالث ۱۸۵۷ء میں پایا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس نقطہ نظر کا اخذ گرانٹ ڈن جلد دوم صفحہ ۱۵۶-۱۶۰ کو سمجھنا چاہیے۔ مگر تصنیف موسومہ راجستان سے کچھ اخذ کی گئی توجہ کرنل کی ضرورت ہے۔ یہ ایک شاندار تصنیف ہے جس میں قیمتی معلومات کا بڑا ذخیرہ ہے اور تمام کتاب ایک پر بلف خوش کے ساتھ لکھی گئی ہے لیکن اس کی ہی قیمت موجودہ مصنف کو محدود قرار دیتی ہے کہ وہ دیگر قبائل ہندو کے راجپوتوں کے ساتھ تعلقات پر تبصرہ کرنے میں اس تصنیف کو استعمال کر سکتا ہے۔

باب اول

مبادیات

ہمارا ہیر جس ہندو تھا دکا کر کن کرین تھا اس کو ایک ایسے ضمنی واقعے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو اس مزمین جہد حیات کے دوران میں پیش آگیا تھا جو اقلیم ہند میں آٹھ سو برس سے ہندوؤں اور ان کے ہم وطن مسلمانوں کے مذہب و معاشرت میں برابر ہوتی چلی آ رہی تھی۔ حقیقتہً ہندو یا مسلمان دونوں میں سے کسی ایک طبقے کو بھی اقلیم ہند کے اعتبار سے ملکی نہیں کہا جاسکتا مگر چونکہ ہندو فاتحین الاؤلون ہیں اور ہند کے اصلی باشندوں کے ساتھ ایک حد تک اپنی معاشرت اور اس کو مخلوط کر چکے ہیں اس لئے اگر کسی طبقے کو ہندی قوم کا لقب دیا جاسکتا ہے تو اس کا استحقاق اس قاعدہ کی رو سے ہندو طبقے کو ہی حاصل ہے۔

سلسلہ میں چنی زائر سی ہیون سیانگ کی سیاحت کے وقت ہمارا اثر ایک ہندو ملک تھی جس کا دار الحکومت کلیانی یا کلیان تھا جو بکئی کے قریب واقع تھا۔ اس ملک کے مغرب میں سمندر واقع تھا۔ شمال میں دریائے نربدا تھا۔ مشرق میں بان نگاندی تھی اور جنوب میں کرشنا ندی تھی۔ سولہویں صدی عیسوی میں پرتگالیوں نے ملک سے ہمارا اثر میں اچھے خاصے قدم جما لئے تھے جن کے نشانات اب تک موجود پائے جاتے ہیں جن میں سے شہر گوا اور اس کے مضافات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہیں۔

اس ملک کے باشندے کچھ عرصے تک اپنے ملک ہی کے نام سے موسوم کیئے جاتے رہے کیونکہ سلطان محمد تغلق جس نے جنوبی ہند پر چودھویں صدی کے وسط میں حملہ کیا تھا تاریخ میں اس قوم کو مرہٹے کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔ اور اس سے کچھ عرصے بعد بھی جہاں اس قوم کا تذکرہ بیجا پور کی مسلمان سلطنت کے سلسلے میں کیا گیا ہے ہم ان کو اسی نام سے موسوم پاتے ہیں۔ عادل شاہی خاندان بیجا پور کے پہلے فرماں روا یوسف عادل شاہ نے ہمارا اثر ہی کے ایک ہندو سردار کو بارہ ہزار پیدل سپاہ کی

قیادت سپہ کی تھی اور اسی خاندان کے دوسرے فرمانرواؤں کے عہد میں یہ قوم آزادی کے ساتھ مناصب جلیلہ پر سرفراز ہوتی رہی یہ لوگ سبک میر سوار کہلاتے تھے اور قرآن اس قیاس کے موجود ہیں کہ انہی نے بجا پور کے مسلمانوں کو تفریقانہ جنگ (گوریلا وافریر) کا وہ طریقہ سکھایا تھا جن میں مہارت حاصل کر کے سلطنت بجا پور اپنے دشمنوں کے حلوں کی دوسو برس تک کامیابی کے ساتھ مدافعت کر سکی۔

اس طرز جنگبازی نے اس قدر شہرت حاصل کر لی تھی کہ سبکل کے تاریخ داں مہاراشٹر کے تمام باشندوں کو بالکل ایک قوم اور ترکتازوں کا ایک قبیلہ سمجھنے لگے ہیں۔ لیکن اصلی واقعات اس خیال کی تصدیق نہیں کرتے۔ غائر نظر ڈالنے پر معلوم ہوتا ہے کہ دیگر ہندو طبقات کی طرح اہل مہاراشٹر بھی مختلف طبقات میں تقسیم تھے۔ ان میں برہمن تھے جو کار بار ملکیت میں سب سے ممتاز تھے۔ ان میں جنگجو قبائل تھے جو راجپوت تارکان وطن کی نسل سے ہونیکے مدعی تھے۔ ان میں کنہی تھے جو زراعت پیشہ تھے۔ اور ان میں ایک پھیل گروہ اہل حرفہ یا پیشہ وروں کا تھا جو ملکی زبان میں شکر جاتی کہلاتے تھے جو غالباً ہندو فاختین اور اصلی قدیم باشندوں کی مخلوط نسل سے تھے۔ ان کی ملکیت میں پنجائستی برادری اور خلکی سلطنت کی دونوں شانیں موجود تھیں یعنی بادشاہ کے مشیر برہمن تھے اور مواضعات کی پنجائستیں اپنے بہترین نوجوانوں کو مقامی فوج میں شریک ہونیکے لیے بھیجا کرتی تھیں۔ ان دھاتی سربازوں کو ان کے لشکر اور نائش ہند مسلمان ہمجشم اس لیے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے کہ نہ وہ لشکر میں کوئی نائشی شوکت رکھتے تھے نہ میدان جنگ میں کوئی مصنوعی آن بان دکھاتے تھے بلکہ ہر جگہ اپنے کام سے کام رکھتے تھے لیکن یہی وہ اوصاف تھے جن کی وجہ سے اہل مہاراشٹر کو اس وقت ابتدائی کامیابیاں حاصل ہوئیں جیکہ اسلامی طاقت کا زوال شروع ہوا۔ اگر مغل کسی طرح اپنی قومی پستی کو نبھال لیتے اور ساتھ ہی ان مرہٹوں کو کاسک یا اہلن قوموں کی طرح اپنے جزار لشکروں میں شریک کر لیتے تو وہ ان کو کئی فتوحات کے حامل کرنے میں یقینی کامیابی کے ساتھ کام میں لاسکتے تھے۔ اور غالباً اس معقول منصوبے میں کامیاب ہو جاتے جس کا حاصل یہ تھا کہ تمام جنوبی جزیرہ نامے ہند کو ایک مستحکم سلطنت کا جزو لازم بنا لیا جائے۔ لیکن سچی مثل یہ شہور ہے گندم از گندم بریدہ جوڑ جو۔ اور جس وقت شہنشاہ

اورنگ زیب عالمگیر کی زبردست مگر غلط تدبیر نے تمام تفسیہ طے کر دیا تو جنوبی ہند کی اسلامی سلطنتوں کی تباہی سے مرہٹہ حوصلہ مندی کے لیے وسیع میدان عمل صاف ہو گیا۔ اب اُن کو وہ موقعہ ہاتھ آ گیا جس کا انھیں عرصے سے انتظار تھا۔ انھوں نے اپنے منصوبوں کو وسیع تر کر کے اپنی شان کو عرب دار بنالیا۔ اور ایک طرف اپنے اصلی مقبوضات کی توسیع شروع کر دی اور دوسری طرف اپنے بالواسطہ اثر کو ہر طرف بڑھانا شروع کر دیا۔ جیسے جیسے یہ توسیع ترقی کرتی گئی ویسے ویسے انھوں نے اس کو اپنا شعار قومی بنانا شروع کر دیا کہ دوسری سلطنتوں کے باشندوں سے بھی خراج وصول کرنے لگے۔ آخر کار اُن کا یہ خراج وصول کرنے کا سلسلہ تمام جزیرہ نما پھیل گیا۔ اُن کی مملکت کو سلطنت نہیں بلکہ فہد سلطنت کہا جاسکتا ہے۔ اُن کا مقصد یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ دوسروں کا کام ہے کہ وہ ملکی انتظام اپنے ہاتھ میں لیں اور اپنی رعایا کی بہبودی و مرہ الخالی کی خبر گیری کریں۔ وہ اُن مکیوں کی طرح ہیں جو اپنے لیے شہد نہیں جمع کرتی ہیں۔ اُن کے نہایت سرسبز و متحول قصبات و مواضعات سے ہم بلا غیر ضروری تشدد و یا نقصان رسانی کے اپنا باقاعدہ طے شدہ خراج پچیس فیصدی کل آمدنی پر وصول کر لینے اور اتنی رقم کسی کی امن و آسائش میں مداخلت سے باز رہنے کے لیے کوئی سخت دھونس بھی نہیں ہے۔ درجہ اپنے حقوق کو نصیحت کرتا ہے کہ اسے رد میں یہ یہ یاد رکھو کہ تم کو تو یوں پر حکومت کرنا ہے۔ برخلاف اس کے مرہٹہ ان وہی کا اصول یہ تھا کہ ”محکوم نہ بنانے کا معاوضہ ضرور وصول کرنا چاہیے۔“ اس عجیب و غریب قوم کی قوت کا عروج شاہجہاں کے عہد میں شروع ہوا اور اسکا سنگ بنیاد شاہجہاں کی اُس غیر معمولی جدوجہد کے دوران میں رکھا گیا جو شاہ موصوف نے بجا پور کو اپنی سلطنت میں ملحق کرنے اور اُس کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لیے کی تھی۔ اس موقع پر ہمیں مملکت بجا پور کی تفصیلی تاریخ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ جنوبی ہند کی ایک قدیم مسلمان سلطنت سے جو خاندان بھٹی کے زیر نگین آئی پندرہویں صدی عیسوی کے آخری زمانے میں بجا پور ایک معمولی موہلی حیثیت سے ایک ترکمان صوبیدار یوسف عادل کی عملداری میں علیحدہ ہو کر خود مختار ہو گیا اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے اس نے ایک مستقل مملکت کی صورت اختیار کر لی۔ شاہجہاں کے زمانے میں اس مملکت کا فرماں روا نابالغ تھا اور ریاست کی ادارت لہا ہی ایک مرہٹہ سردار شاہ جی بھوسلا

صفحہ ۱۵

کے ہاتھ میں تھی جس نے انتظام شاہ احمد نگر کی قوت کے ہاں کرنے میں شاہجہاں کی امداد کی تھی اور یہی شاہجی بیہوش لگا بعد ازاں مشہور خاندان کا بانی ہوا جس کو اس کے بیٹے نے چند روز کے لیے چار چاند لگا دیئے تھے۔ پتا چھٹا شاہجی کا سب سے بڑا استوازی نشان یہی ہے کہ وہ سیوا جی جلیسے متاثر مرہٹہ سردار کا باب تھا کہ

یہ سرب آردہ سردار سیوا جی ابتدائے عمر ہی میں اپنے باپ سے کئی عہد آگے بڑھ گیا۔ اُس نے قلعہ جات پر قبضہ کر لیا۔ پیدل و سواروں کی ایک باقاعدہ خواہ دار فوج ترتیب دے لی اور آخر کار بادشاہ کے فرائض و انتداب اختیار کر لیے۔ اُس نے بیجا پور اور مغلوں کے ساتھ اپنے تعلقات کو توڑ ڈالا اور اُس شدید غماصت و بے مروتاخت کی بنیاد ڈالی جس نے اُس کے جانشین کے زمانے میں اورنگ زیب کے دانت کھٹے کر کر دیئے اور سلطنت مغلیہ کے اندر زوال کے جراثیم پیدا کر دیئے۔ سیوا جی کے پوتے کو نو عمری کے زمانے سے دربار مغلیہ میں نظر بند رہنا پڑا تھا اس لیے اُس نے مغلوں کے اطوار و عادات اختیار کر لیے اور سیوا جی کی مملکت کا انصرام بہمن و زرا کے خاندان کے ہاتھ میں آ گیا جن کے عہد میں ملکی انتظام نہایت باضابطہ ہو گیا اور نوجی نظام نے ترقی پا کر بہت کچھ شان و شوکت حاصل کر لی۔ آخر کار یہہ نوبت آئی کہ سلطنت ہند کا شاہی لباس ایک جامہ زیب ہندو کے جسم کو زینت دینے لگا اور ایسی صورت میں دوسرے ایک بات ہو کر رہی تھی۔ یا تو ایک سلطنت قائم ہوئی تھی جو ہندوستان کے قدیم طریقے کے مطابق عروج پا کر زوال پذیر ہوئی یا ایک آئینہ ہندو کی اجنبی اور غیر ملکی دولت کی حفاظت و حمایت میں پیدا ہو جاتا۔ اس کتاب کا سیر و اس قلب ہیئت کے در کا خاص آدمی تھا جبکہ ابھی تک صورت معاملات نے کوئی خاص رنگ انقلاب نہیں اختیار کیا تھا۔

صفحہ ۱۶

قابل وثوق روایت کے مطابق مادہ ہورا دیا مادہ ہوجی سندھیا اپنے زمانیکہ عہدِ نظم اور سیاہی تھا۔ (ملاحظہ ہو امپریل گزٹیر آف انڈیا۔ جلد پنجم صفحہ ۴۳) اُس نے ہندوستان کی فرمانروائی کے درجے تک ترقی کی اور دو دراز مرہٹہ سلطنت کی طرح سیاسیات سے بھی اپنی وابستگی کم نہونے دی۔ عام طور سے دنیا میں کامیابیاں حاصل کرنے کے لیے ایسی ادنیٰ صفات کی ضرورت ہوتی ہے جیسے کمینہ و اطاعت شعاری وغیرہ گرنہجیا کی کامکاری

ان سے اعلیٰ اور مردانہ صفات پر مبنی تھی۔ اُس نے مخلوق کی عادات میں تبدیلی پیدا کی۔ اُن کے خیالات کو دوسرے رُخ پر پھیر دیا اور انقلاب معاشرت کے لئے مصالحہ تیار کر دیا۔ اُس کے اس طرز عمل کی توجیہ میں یہ کہہ جاسکتا ہے کہ اس کی غایات واضح و متحول تھیں جن پر اُس نے ہر پہلو سے غور کر لیا تھا اور جن کے حصول میں وہ استقلال کے ساتھ سامعی رہا اور انسانی اغراض و مقاصد کے سلسلہ لاتناہی کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم مادھوجی کے واقعات پر نظر ڈال کر اپنے دعاوی کے ثبوت کی کوشش کریں یہ مناسب ہوگا کہ ہم چند الفاظ اُن تماشہ گاہوں کے تعلق بھی کہیں جن میں وہ بھی ایک مثل تھا اور اُن واقعات کا بھی اجمالی اعادہ کر جائیں جو اُس کے منظر عام پر آنے سے پہلے پیش آ گئے تھے۔ مادھوجی کے زمانے میں اقلیم ہند ایک جغرافیائی اصطلاح تھی جیسی کہ خود اُعلیٰ کسی زمانے میں بہت عرصہ تک ایک جغرافیائی اصطلاح رہ چکی ہے۔ جزیرہ نمائے ہند کے کوہستانی اور اس کوہستان کے شمالی اقطاع میں ایسی جغائش تو ہیں آباد تھیں جن کے ساتھ تصادم کرنے سے مادھوجی حتی الامکان پہلو بچاتا رہا۔ دریائے ستلج سے دریائے زربدا تک کا قطعہ دو پہلو واقع ہوا ہے جہاں سے زبردست دریا ایک طرف بحیرہ عرب میں اور دوسری طرف بنگال میں گرتے ہیں۔ اس قطعہ ملک کے مختلف نقاط پر قدیم قومیں رہتی ہیں جو قلعوں، شہروں اور کھیتوں کی مالک ہیں جہاں کاشتکار اور چرواہے اب تک قطعات زمین پر اسی طرح جھگڑتے ہیں جیسے بابل و قبائل کے زمانے میں جھگڑا کرتے تھے۔ زربدا سے آگے پہاڑیوں، میدانوں اور دریاؤں کا ایک دوسرا قطعہ ہے جس میں ایسی قومیں آباد ہیں جو اپنے خصائل کے اعتبار سے کمتر جنگجو اور اپنی معاشرت کے اعتبار سے چند ہی درجہ ہونے کے تمدن و تہذیب سے بہرہ اندوز ہوئی ہیں۔ ہر دو آخر الذکر قطعات میں ہمارا ہیر و کم و بیش ایک قرن تک ہر منصف شہود پہلوہ گر نظر آتا ہے۔

اقلیم ہند کے جن تین قدرتی حصوں کے ہم نے اجمالی حدود بیان کیے ہیں انہی کو زمانہ حال کے مغربی جغرافیہ داں اسی تقسیم تصور کرتے ہیں اور خود باشندگان ملک بھی اسی تقسیم سے واقف ہیں بلکہ وہ تو اس تقسیم میں پھر ہر حصہ کی تقسیم علیحدہ علیحدہ کر کے اُن کو مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ پہلی تقسیم میں گئی ملک ہیں۔ ان میں سے کشمیر

افغانستان اور پنجاب کو ہم اس بڑے نظر انداز کئے دیتے ہیں کہ ہماری داستان کا انہی کوئی تعلق نہیں اور بانی میدان کی قطعات میں سے صرف دو ایسے ہیں جن کا تذکرہ ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ ان میں کا انتہائی شمالی حصہ ہندوستان کہلاتا ہے۔ اکثر مورخ تمام قدیم ہند کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں مگر خود اہل ہند اس قطعہ ملک کو ہندوستان کہتے ہیں جس کی حد شمالی دریائے ستلج ہے اور حد جنوبی دریائے گنجل ہے۔ ہندوستان کا مشرقی ڈھال جو دریائے گنگا و جمن کے درمیان واقع ہے دو آب کہلاتا ہے۔ لیکن اس دو آب میں گنگا پار کے دونوں صوبے اودھ اور بدھلیکھنڈ (کھڑ) بھی شامل سمجھے جاتے ہیں دریائے گنجل کے جنوب میں جانب مغرب ڈھلاؤ کھاتا ہوا سلسلہ اراولی و بندھال کا کہستانی علاقہ ہے جس کے واسطوں میں راجپوتوں کی ریاستیں قائم ہیں جن کا تعلق زمانہ قدیم کی ان جنگجو قوموں سے ہے جو ابتدائی مسلمان حملہ آوروں کے سیلاب سے بٹا لینے کے لئے ان کو ہستانوں میں آسے تھے۔ اس کو ہستان کے مشرق اور غربا کے جنوب میں جو ملک ہے اُسے وسط ہند کہتے ہیں۔ اور اسی میں مالوہ اور گوالیار کے اصلی تعلقے واقع ہیں جن پر سندھیا اور ہلکر خاندانوں نے اٹھارھویں صدی میں قبضہ کر لیا تھا اور اب تک انہی دونوں خاندانوں کی حکمرانی ان پر قائم ہے۔ اور آگے مشرق کی طرف بھوپال اور بدھلیکھنڈ کے صوبہ جات واقع ہیں۔ تیسرا بڑا اور سب سے آخری قطعہ جو دریائے گنجل کے جنوب میں واقع ہے دکن کہلاتا ہے جس میں خود ہند سے صوبہ جات ہیں جن کے حدود میں ہمیشہ ان خاندانوں کے مقبوضات کے اعتبار سے اختلاف پڑتا رہا ہے جو وقتاً فوقتاً فتوحات حاصل کر کے آگے بڑھتے یا شکست کھا کر پیچھے ہٹتے رہے ہیں۔

اس وسیع و متنوع جزیرہ نامائے جنوبی کی تاریخ کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

ملہ یورپ میں لفظ دکن کا استعمال یونانی جغرافیہ دان پطلمیوس کے وقت سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اصل سنسکرت لفظ دکن ہے جس کے معنی جانب راست کے ہیں۔ طلوع آفتاب کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونے سے دست راست جانب جنوب ہوتا ہے اس لئے دکن ہمارا جنوب کے معنی میں متعارف ہوا ہے۔ ۱۲ مصنف

بیاباں کے باشندوں میں ایک خاص سیلان اتحاد و ہمنگی ہمیشہ پایا جاتا رہا ہے۔ اسی تمام اقلیم ہند کی شہنشاہی کے مبالغہ آمیز افسانے اہل ہند کے کانوں میں گونج ہی رہے تھے کہ سرد ملکوں کے حوصلہ مندوں کی فطری طالع آزمائیوں نے مغلوں کو کابل سے جنوب کے گرم ملک کی طرف کھینچا۔ مگر مغلوں کو ہندوستان میں قدم جانے کے لیے دو مرتبہ خطرناک جان جو کم کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی سلطنت مغلیہ نے اکبر اعظم کے عہد میں پورا استحکام بھی نہیں حاصل کیا تھا کہ پھر اقلیم ہند کو ایک چھترے کے سائے تلے لانے کے منصوبہ کی تمام ہندوستان میں از سر نو پخت و پز ہونے لگی۔

ایک مرتبہ حوصلہ مند باجگزاروں اور باغی عاملوں کی سرکوبی کا اتمام ہوتے ہی اس منصوبہ کی تکمیل کی کارروائی جاری ہو گئی۔ اگرچہ دہلی سے بڑے آب و تاب کے ساتھ شہنشاہی جلوہ فرزیاں آگے بڑھیں اور بیرونی قطعات میں شہنشاہی قوت کا استحکام شروع ہو گیا اور شاہی محلات کی تعمیر الہ آباد۔ اجیر۔ لاہور اور کشمیر میں شروع ہو گئی مگر راجپوت سردار جیسے اب بے قید ہیں ویسے ہی اُس زمانے میں بھی اپنے دور راز پہاڑی قلعوں میں خود مختار رہے۔ پھر بھی دور راجپوت ریاستوں نے سلطنت کے ساتھ زبردست دوستانہ مراسم بلکہ باجگزاری تعلقات قائم کر لیے اور اپنی صداقت و مودت کے ثبوت میں اپنے شجاع ترین فرزندوں کو شاہی افواج کی قیادت کیلئے اور اپنی حسین ترین دختروں کو شاہی خاندان کی عروسوں کے طور پر حوالہ کر دیا۔ دکن میں بھی شاہی اسلحہ نے حقیقی پیش قدمی کر لی۔ اس ملک کی پرانی ہندو بادشاہتیں چوہدریاں اور سولہویں صدی کے دوران میں ٹوٹ چکی تھیں اور اُن کی جگہ متعدد مسلمان مملکتیں قائم ہو گئی تھیں اور اُن کو اکبر کے زمانے سے اُس کے بعد تک شاہان مغلیہ بہ برابر توڑتے چھوڑتے چلے آ رہے تھے یعنی پہلے انکو باجگزار بنالیتے تھے پھر محض لمحوہ صوبہ جات کی حالت میں لے آتے تھے۔

مسئلہ میں ایک قدم اور آگے بڑھایا گیا یعنی اکبر کے پوتے شاہجہاں نے احمد نگر کے نظام شاہی خاندان کو بالکل فنا کر دیا اور سلطنت مغلیہ کے ساتھ ایسے مملکت کا الحاق کر لیا جس پر خاندان موصوف گزشتہ دو صدی سے حکمران رہتا جلا آباغلا۔ مسئلہ میں شاہجہاں کے بیٹے اور ننگ زیب عالمگیر کے ہاتھوں ہی ختم ہو کر

عادل شاہی خاندان کا ہوا۔ اور اس کے بعد ہی ۱۷۸۷ء میں جنوبی ہند کی آخری مسلمان مملکت یعنی گولکنڈہ کی قطب شاہی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ ان مفتوحہ ممالک کے مجموعی رقبہ سے سلطنت مغلیہ کا صوبہ دکن قائم ہوا جس کا بڑا حصہ اب بھی سلطنت آصفیہ کے قبضے میں ہے جو ہندوستان کی دیسی ریاستوں میں سب سے بڑی ہے۔

نوٹ ۲

اس جگہ یہ غلط فہمی پیدا نہ کر دینا مناسب ہو گا کہ چونکہ سلطنت مغلیہ کی توسیع ناکافی وسائل کے ساتھ کی گئی تھی اس لیے مرکزی قوت کے کمزور ہوتے ہی اجتماع کا عمل ساقط ہونا شروع ہو گیا اور اس کا ضد یعنی عمل انتشار فوراً ہی شروع ہو گیا اور نہایت سرعت کے ساتھ بڑھنے لگا جس طرح ایک ہزار سال پہلے اسی قسم کی کارائش سلطنت کے ساتھ پیش آیا تھا وہی سلطنت مغلیہ کے ساتھ بھی پیش آیا یعنی سلطنت کی انتہائی توسیع حاصل کر لینے کے دو ہی پشت بعد ہر صوبہ بجائے خود ایک خود مختار قومیت بن گیا۔

ان صوبہ ہاٹ کے تذکرہ میں ایک دوسری نظیر کا بھی خیال آ گیا ہے۔ باعتبار تاریخ کے سلطنت مغلیہ زمانہ موجودہ سے بہت بعید نہیں ہے۔ سویری کے ایک ہم مکتب نے اس سلطنت کو اہلی شان و شوکت میں دیکھا ہے۔ اس کی شان و شوکت کے فسانوں نے ملٹن کے خیال میں تحریک پیدا کر دیا تھا۔ ابھی چند ہی سال گزرے ہیں کہ ان سلطانوں کے دیوان عام و خاص نے تخت بھائیہ کے ولیعہد کی محفل رقص و سرود کا کام دیا ہے۔ اور اس خاندان کے آخری نام لیوانے حال ہی میں انتقال کیا

۱۷۸۷ء میں اپنے بھائی کی شرکت میں بادشاہ ہوا۔ ۱۷۸۷ء میں اپنے بھائی کے مرجانے کی وجہ سے اکیلا بادشاہ رہ گیا۔ اُس نے عظیم الشان فتوحات حاصل کیں۔ ۱۷۸۷ء میں وہ روم کا شہنشاہ منتخب کیا گیا اور پوپ کے ہاتھوں سے اُس کے سر پر تاج رکھا گیا۔ اُس نے اپنی مملکت کے مختلف حصوں کو متحد کرنے میں بہت کوشش کی اور ہر جگہ صلہ و اوصاف کے ساتھ حکومت کر کے اس دامن قائم رکھا۔ قانون سازی میں اُسے بڑا ملکہ تھا اور ترقی کا بہت شوق تھا لیکن اُس سے بہترین شہرت اُس کی توسیع علم سے ہے۔ اُس کی علم پرستی نے اُسکے دربار کو ملکہ و فضلا کا مرجع بنا دیا تھا اور کثیر التعداد مدارس بار بار جاری ہوتے رہتے تھے۔ ۱۷۸۷ء میں اُس نے انتقال کیا اُسکے انتقال پر بہت جلد اُسکی سلطنت کے معصیخہ ہو گئے۔

صفحہ ۲۱

ہے۔ باوصف اس تازگی کے سلطنتِ مغلیہ حقیقتاً زمانہ قدیم کی سلطنتوں کی حقیقی نشانی تھی یعنی سوائے مذہب کے اور ہر شان میں زمانہ قدیم کی بابل و ایران کی زبردست سلطنتوں کی تصویر تھی۔ یہاں بھی زمین بوس رعایا اور عرشِ شین شہنشاہ میں وہی اگلی سی پرہیزگیت دوری قائم رکھی جاتی تھی۔ یہاں بھی جھونپڑوں کی کثافت اور محلوں کی شوکت میں وہی اگلی سی ناپاک تفریق موجود تھی۔ اور یہاں بھی شہنشاہ کے عظمت و جلال پر بیرونی باغیوں اور اندرونی سازشیوں کا خطرہ منڈلاتا رہتا تھا۔ ایسی سلطنت میں کسی بندوبست کے مضابطہ کا یا مجلسِ شوریٰ کے فرائض کا وجود ممکن نہیں۔ بلکہ بادشاہ ہی قہوٹے یا بہت عرصہ کی مطلق العنان خود مختاری کے بعد نشہِ حکومت میں سرشار ہو کر شکبر ہو جاتا ہے یا اول فنا آخر فنا کی دار دئے ہوش پی کر انکسار اختیار کر لیتا ہے۔ صوبے کے صوبے قلاوۃ اطاعت کو اتارتے جاتے ہیں۔ خود مختار بادشاہ اُن کو کچل کر کھیتا ہے یا خود کچل دیا جاتا ہے اور آخر کار وہ یکا یک غائب ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ میدانِ جنگ میں مارا گیا ہو۔ ممکن ہے کہ اپنے محل ہی میں اُسے زہر دیدیا گیا ہو۔ اُس کی جگہ کوئی درباری یا کوئی غلام یا اسی کا کوئی پد کش بیٹا تخت پر بیٹھ جاتا ہے اور وہی ہولناک سلسلہ عمل پھر شروع ہو جاتا ہے۔ ان انقلابات سے سلطنت عموماً کمزور اور اکثر فنا ہو جاتی ہے پھر اسی کھل انداز پر سلطنت کی تعمیر تیار ہو جاتی ہے۔ کچھ پرانے اجزائے کم ہو جاتے ہیں کچھ نئے نائید ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ایک مرتبہ مفتوح قوموں کا مالِ غنیمت اور بے سہارے رعایا سے چھینی ہوئی دولت خود مختار حکمران کی ذات میں اور اُس کے محلات میں جمع ہو جاتی ہے۔ یہ سلطنت ہمیشہ اجتماعِ اعداد کی سیر میں ہی رہتی ہے یعنی ابھی جو شہنشاہ تھا ابھی وہ قیدی بن جاتا ہے۔ ابھی جس کے ہاتھ میں قسمتوں کی ریشیں تھیں ابھی وہ کسی ذریعہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح تار پر حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ لیکن مطلق العنان پیش پندی اور شخصِ ناکشی شان و شوکت کی ناجائز چمک و مک کبھی کم نہیں ہونے پاتی۔ خود سر بادشاہ بھی جو کسی طرح اپنے ادنیٰ ترین دہقان سے کم غیر مطمئن اور حواس باختہ نہیں ہوتا اپنے بوسیدہ ڈھانچہ کو زرتار اور جواہر کار میٹوں سے باندھے رہتا ہے۔ روزانہ تختِ زر میں پر جلوس ہوتا ہے اور اُس کے خوشامدی اہلِ خاندان اور باجگندار شہزادے اُسے چاروں طرف سے گھیرے رہتے ہیں۔ منصف شاہی کے نیچے ترتیب وار مناصب کے ساتھ نہا۔ وزیر

صفحہ ۲۲

مشیران ملکی و جنگی برہمائے ممالک غیر اور ان منصب داروں کے دکل صفت بستہ حاضر رہتے ہیں جو دربار سے غیر حاضر ہوتے ہیں اور کسی صوبہ کی عالمی پر یا کسی فوج کی قیادت پر ممالک غیر کو گھنٹے ہوتے ہیں۔ یہی غیر تغیر تصویر دانیال یہودی کے سامنے قطیبیاس یونانی کے سامنے۔ ثیورنیر فرنیسی جو ہری کے سامنے اور کالبرٹ ڈرہ فرانس کے دوست برنیر سیاح کے سامنے آئی تھی۔ آخر اندکریاح نے تقریباً تمام اسلامی درباروں کا گشت لگایا تھا۔ اُس نے اپنے ملک فرانس کے بادشاہ لوئیس شانزدہم کا دربار دیکھا تھا جو بادشاہوں کا آفتاب کہلاتا تھا۔ اُس نے سلطان شام اور شاہ مصر کے دربار دیکھے تھے اور اس کے مندرجہ ذیل الفاظ سے اُس شان و شوکت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اُس نے مغل اعظم کے دربار میں پائی تھی۔ وہ کہتا ہے۔

بادشاہ اپنے تخت پر دربار عام کے بڑے دالان میں بیٹھا ہوا نظر آتا تھا اور نہایت شاندار لباس زیب تن کئے تھا۔ اس کی صدری سپید شہر کی تھی جس پر شہیں اور زریں کلا ہو کا کام ہو رہا تھا۔ اُس کا عمامہ زرتار تھا اور اُس پر ایک ہرند کی ندیں تصویر بنی ہوئی تھی جو ہر تار سے مشابہ تھا اسکے پنجے فر معمولی جسامت و قیمت کے ہیروں سے ڈھکے ہوئے تھے جن میں ایک بڑا اصل بدخشاں بھی تھا جس کو عظیم النظیر کہا جاسکتا ہے۔ یہ اصل چوٹ سے خورشید کی طرح چمک رہا تھا۔ بڑے بڑے موتیوں کا ایک گنٹھا اُس کے گلے میں ڈرا ہوا تھا جو بالکل اس وضع کا تھا جیسا کہ اس ملک کے مسلمان بھی رکھتے ہیں۔ بادشاہ کا تخت چھ ادبچے پایوں پر قائم تھا جو ٹھوس سونیکے تھے اور جن پر یاقوت۔ زمرد اور ہیرے بڑے ہوئے تھے میں سمجھتا ہوں کہ یا قیمت ان قیمتی جواہرات کے مجموعہ کی نہیں بتا سکتا کیونکہ اتنے قریب رسائی ممکن نہیں جہاں سے ان کو شمار کیا جاسکے یا ان کی آب و تاب اور قیمت کا اندازہ کیا جاسکے میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس میں بڑے بڑے ہیرے کثرت سے ہیں اور اس تخت کی قیمت کا اندازہ چار کروڑ روپے

منو ۳

لے یہ شہا جہاں کا تخت ملاؤں تھا جس کی قیمت برنیر کے تخمینہ کے مطابق چوبیس لاکھ پونڈ انگریزی

کیا جاتا ہے یہاں کا روپیہ اپنے فرانس کے نصف ایکو کے برابر ہوتا ہے۔
فرض یہ کہ یہ تخت چار کروڑ کی لاگت کا ہے جو چھ کروڑ فرانک کے برابر
ہوتا ہے۔ تخت سے نیچے سامنے کو ایک چوتراہ پر زرتار شامیانہ کے تھے
جس میں سنہری جھالکی ہوئی تھی اور جس کے چاروں طرف ایک
نقش نگار تھا شاندار لباسوں میں ملبوس امرائے دربار بیٹھے ہوئے تھے۔
دیوان عام کے ستونوں پر جو پوششیں پڑی تھیں اُن کی زمین سنہری تھی
اور چھت پر زرتار شجر کی جھنگلیاں سُرخ ریشیں ڈوریوں سے بندھی ہوئی
تھیں جن میں ریشم اور کلاتو کے پھندے لٹک رہے تھے۔

یہ ہے وہ حال جو برنیر نے تخت شاہی اور اسکے تعلقات کا بیان کیا ہے۔ پھر وہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ
”یہاں سے بادشاہ نیچے نظر ڈالتا ہے اور اعیان دولت۔ راجگان۔ دلا
و سفر ادب کے ساتھ نقرئی کٹہرہ والے اونچے چوتراہ پر نظر پر قدم دست پر نہ
کھڑے ہوتے ہیں۔ کچھ اور ہٹ کر کچھ کم درجہ کے سردار اسی مودب انداز کے
ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور وہاں سے اور دور ہٹ کر گروسی دیوان عام
کے بقیہ حصہ میں اور اس کے کھلے ہوئے صحن میں عام رعایا کا جو جم نظر
آتا ہے کیونکہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے بادشاہ ہر چاشت کو مایان دیدار کو
درشن دیتا ہے۔“

یہ دربار عام کا موقع تھا اور اس موقع پر بادشاہ نہ صرف اپنے سرداروں کا سلام ہی
لیتا تھا بلکہ پُرانے مشرتی بادشاہوں کا وہ فرض بھی ادا کرتا تھا جو وہ اپنی رعایا کے مان
باپ کی حیثیت سے اپنے غیموں کے دروازوں پر بٹھکر دادرسی کے متعلق ادا کیا کرتے
تھے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس تمام حاضری و جلوس کا بہت سا حصہ شان دربار
سے تعلق رکھتا تھا۔ بادشاہ کا دربار کوئی حقیقی قانونی عدالت نہیں تھا اور خود بادشاہ کو
قانون یا انصاف کے معاملات سے اتنا ہی کم تعلق تھا جتنا ہمارے اپنے زمانے میں
(بقیہ مضمون گذشتہ) ہوتی ہے۔ لیکن ٹیورنیر جو اس فن کا ماہر تھا اس کی قیمت کا تخمینہ اس سے
دو نا کرتا ہے۔ ۱۲ مصنف

لے اس اعتبار سے اُس زمانے کا ہندوستانی مدیہ انگریزی سوا شلنگ کے برابر ہوتا ہے۔ ۱۲ مصنف

ملک معظم کو کنگس بنج یعنی عدالت مرافعہ میں ٹھیکر انصاف و قانون سے تعلق ہوتا ہے۔ مگر بریٹرنے جن امرا اور منصبداروں کا ذکر کیا ہے اُن کو ایک حقیقی نظام کہا جاسکتا ہے جو ایسا تھا کہ اسی میں ترقی کا اہلی تخم موجود تھا۔

امرا سے بریٹر کی سردان درباریوں سے ہے جن پر خاص عنایت کی نظر ہوتی تھی اور اکثر حاضر دربار رہتے تھے اور جو آجکل اہل یورپ کے ہاں ذریعہ حاضر باش ندما کہلاتے ہیں۔ ان کے سردار کا لقب امیر الامرا تھا جو سردار ندما ہوتا تھا اور ضابطہ میں وزیراعظم سے دوسرا درجہ رکھتا تھا مگر اکثر اپنے اختیارات میں اور حقیقتاً اپنے اثر میں وزیراعظم سے بہت زبردست ہوتا تھا۔ منصب دار بھی اعیان دربار ہوتے تھے مگر اُن میں رزی شان واضح تر ہوتی تھی اور ہر ایک کا منصب اتنے سطح سپاہیوں کے اعتبار سے شخص ہوتا تھا جن کی قیادت اُس کے سپرد ہوتی تھی۔ ضابطہ کے کاغذات میں ہر وہ منصب دار بھی امیر کبیر خطاب کیا جاتا تھا جس کا منصب پنچیراری سے اوپر ہوتا تھا۔ پنچیراری سے اوپر کے منصب اعلیٰ ترین منصب شمار کئے جاتے تھے اور صرف شاہی خاندان کے افراد کے لئے مخصوص تھے۔ پنچصدی اور پنچیراری کے درمیان بریٹر کے زمانے میں پانچوہی درجہ تھے اور اس تعداد میں ایکسٹنس ہندو تھے اور چارٹنس میں ہندوستانی مسلمان یا وہ ممتاز غیر ملکی طالع آزمائے تھے جو ایران اور وسط ایشیا سے ترک وطن کر کے آئے تھے اور سب کے سب صحیح یا غلط طریقہ پر نخل کہلاتے تھے۔

شاہی خاندان کے شہزادگان اور امرائے دربار سے نیچے ان منصبداروں کی ایک جنگی برادری تھی جس کو شارمین شاہ فرانس کے پلاڈین یا کرامویل کے پنچر جنرل کی جماعت سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ منصبدار یا موروثی نہیں ہوتی تھیں۔ منصبدار کی کارکردگی میں ملنا سرتی خیالات کے خلاف تھا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کوئی لوہاریا ہشتی درجہ بدجہ ترقی کر کے فوج کی قیادت تک پہنچا ہے۔ اکثر ایک قابل غلام اسی تخت کا مالک ہو گیا ہے جس کے پایہ کے پاس وہ منظر احکام مودب کھڑا رہتا تھا۔ امیروں کے بیٹوں کو غیر معمولی حقوق ملازمت بیشک حاصل تھے مگر یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کوئی بیٹا فوراً اپنے متوفی باپ کے منصب کا مالک ہو جائے۔ بہترین موقعہ جو اُن کو مل سکتا تھا وہ یہ تھا کہ وہ اٹھدی کے لئے یہ دست پنچ سے تنخواہ پانچواں لا غیر ضابطہ کردہ اب بھی اکثر ریاستوں میں موجود ہے اور جگہ جگہ ملک

عہدے سے شروع کریں۔ اہدی ایک غیر ضابطہ سردار ہوتا تھا جس کو گھوڑا رکھنا پڑتا تھا۔ اور بعض اہدی اپنی ہمرکابی میں کچھ سوار بھی رکھتے تھے اور کوئی جو بہت غریب ہوتا تھا کیا لاپی رہتا تھا۔ ان سردار حاضر باشوں کا تعلق پہلے جیب خاص سے ہوتا تھا مگر ان کو پھر چوکی سے اُس وقت تک معاف رکھا جاتا تھا جب تک وہ ترقی کے قابل نہ سمجھے جائیں لیکن اہدیوں کی ایک منتخب جماعت ہمیشہ بادشاہ کے جلوس خاص میں رہا کرتی تھی۔
دربار عام کے حاضرین کا آخری درجہ جو برنیر نے بیان کیا ہے اُس کا فرائضی نام وہ ہے جس کا ترجمہ دکیل کیا جاسکتا ہے۔ یہ دکیل اُن امیروں کے قائم مقام ہوتے تھے جو دوبار سے غیر حاضر ہوتے تھے اور شاہی خدمات پر باہر گئے ہوتے تھے۔ اُس زمانے میں پوری سلطنت پندرہ صوبوں میں منقسم تھی اور ہر صوبے پر ایک صوبہ دار تعین تھا جس طرح انگریزوں پر ملکہ النیر مجتہ کے زمانے میں لارڈ ڈپٹی رہا کرتا تھا یا جس طرح زمانہ قدیم کی سلطنتوں کی طرف سے شہر پر مقرر ہوا کرتے تھے۔ ان میں سے ہر صوبہ دار کا ذاتی دربار علیحدہ ہوا کرتا تھا جو اپنے سلطان کے دربار کا چھوٹے پیمانے پر نمونہ ہوتا تھا۔ لیکن ہر سردار کی اپنے عین حیات میں تبدیلی یا معزلی بھی احکام شاہی کے مطابق عمل میں آسکتی تھی۔ پہلے صوبہ دار دکن سب سے اول صوبہ دار دیکھتے ہوئے تھے اور وہاں سے مالوہ کی صوبہ داری پر تبدیل کر دیئے گئے تھے اور اٹھارہویں صدی کے شروع دو دم سے پہلے یہ کسی طرح ممکن نہیں ہوا کہ وہ صوبہ داری دکن کو موروثی ریاست کی صورت میں تبدیل کر سکیں۔ شاہان مغلیہ کے دربار کے نظام کو دیکھ کر ہمیں انجیل مقدس کا وہ قصہ یاد آ جاتا ہے کہ شاہ اباسرس اپنے شاہی محل شوشن میں تخت پر جلوہ گر ہے اور اُس کے اہل خاندان اور متعلقین سلطنت اس کے گرد و پیش جمع ہیں۔ ایران و عراق کے قائم مقام اور صوبہ جات کے عامل اُس کے حضور میں موجود ہیں اور وہ اپنے متول کی شان دکھا رہا ہے۔ پسید کپڑے کے پردے اور سنہری لٹکوں پوششیں اور خوانی ڈورلیوں کے ذریعے سے تقرنی کڑیوں اور مرمر کے ستونوں (بقیہ مضمون گذشتہ) ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان میں سے چند نام قابل غور ہیں۔

(۱) پچھلا دی جو پراشیوید بنسلیں کا مراد ہے (۲) خواص جو باڈی کارڈ کا مراد ہے (۳) ایکے جو اہدی کا نقلی ترجمہ ہے۔

کچ کل اہدی بُرے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور صرف وہ آدی اہدی کہلاتا ہے جو کام کا نہ کالج کا نہ محلّی برانچ کا۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔

سے لنگ رہی ہیں اور سنگ ساق و سنگ مرمر کے فرش پر سولے اور چاندی کے تخت رکھے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر صوبوں کے عمال حاضر دکھائے گئے ہیں مگر بالعموم انکی غیر حاضری کی صورت میں ان کے وکلا حاضر رہتے تھے پڑ

یہ حالت سلطنت مغلیہ کی انتہائے کمال کے وقت تھی۔ جس وقت برصغیر نے اس ملک کو چھوڑا ہے تو کوئی علامتیں زوال کی نظر نہیں آتی تھیں سوائے اس کے کہ ایک گہری نظر والا مبصر شہنشاہ کے شخصی اوصاف میں ضرور فرق دیکھ سکتا تھا۔ اگرچہ عالمگیر اپنی حوصلہ مند یوں اور ان پر عمل کرنے کے اعتبار سے ان بڑے بادشاہوں میں سے کسی سے کم نہیں تھا جو اس کے مورثان اعلیٰ ہو گزرے تھے پھر بھی بعض اہم پہلو اس کی طبیعت کے ایسے تھے جو اسے کسی طرح اس زبردست دولا ب کے چلائیک اہل نہیں قرار دیتے تھے جو ان بڑے بادشاہوں نے بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔ گزشتہ سلاطین اپنی ہندو بیویوں اور ماؤں کے ساتھ نہایت رواداری بلکہ مذہبی بے تعصبی کا برتاؤ کرتے تھے اور اپنی خانگی زندگی میں نہایت خوش مزاجی برتتے تھے شہنشاہ اورنگ زیب ایک ایرانی ٹیم کے بطن سے تھا جو اپنے عین حیات میں تعصب ظاہر اسانی کی وجہ سے بدنام تھی۔ وہ سب بھائیوں میں چھوٹا تھا اور اس نے تخت سلطنت کو بے باکی بدلتی اور سازشوں کے وسیلے سے حاصل کیا تھا۔ اس کا مزاج نہایت خشک اور طبیعت نہایت جبر پس تھی اس لئے اس نے دربار کے مصارف میں بہت کچھ کٹریونت کر دی تھی۔ اس کی قدیمی شان دشوکت کو بہت کچھ توڑ ڈالا تھا اور ہفتے میں دو بار کا مہرہ کے میں نشست کرنا بھی چھوڑ دیا تھا جہاں سے اس کے مورثان اعلیٰ عام مخلوق کا سلام نیاز قبول فرمایا کرتے تھے۔ سب سے آخر بات یہہ ہوئی کہ اس نے تالیف قلوب کے اجتماعی وسائل کا کافی انتظام کیے بغیر عالمگیر سلطنت کے منصوبے پکانے شروع کر دیے اور ہندوؤں پر جزیہ پھر قائم کر دیا جو اکبر اعظم کے وقت سے منسوخ چلا آ رہا تھا۔ عالمگیر کی اس حرکت پر ہمیں اس کا فرانسیسی مہمصر بادشاہ یاد آ جاتا ہے جس نے ایک کٹ آف ٹائٹل منسوخ

نویس

لے (Edict of Nantes) وہ قانون تھا جو ہنری چہارم شاہ فرانس نے اپنے ان اہل ملک کے راضی کرنے کے لئے شہنشاہ کیس جاری کیا تھا جو شاہ مذکور کے تبدیل مذہب سے ناراض تھے۔ اس سے پروٹسٹنٹ فرقے کو بہت سے سیاسی۔ فوجی اور عدالتی مراعات عطا کئے گئے تھے۔ بعد کے بادشاہوں نے انہیں

کر کے پروٹسٹ فرمے کو بنیاد رکھ دیا تھا۔

غرض یہ کہ اورنگ زیب کی فتوحات دکن نے مرہٹوں کے حوصلے اور بڑھاپے اور دوامی مشکلات کے سامان مہیا کر دیئے۔ حتیٰ کہ جس وقت سندھ میں اُسے مقام اورنگ آباد میں سپرد خاک کیا گیا ہے اُس وقت حالت نزع میں بھی اُس پر انچے بیٹوں کے باہمی تنازعات اور اپنے ملحقات کے انتظامی تفکرات کی وجہ سے تاسف و تشویش کا ایک عالم طاری تھا۔ آخر کار سلسلہ اُس نے صوبے کی حکومت حیدر علی کے ہاتھ آگئی جو بادشاہ گریسیدوں کا ایک فرد تھا۔ حسین علی نے اس صوبے کو اپنے ایک عزیز کے سپرد کر دیا اور خود دہلی میں معاملات سلطنت کا انصرام کرنے لگا۔ ایسے وقت میں اس دور دراز صوبے کے ایک موروثی ریاست میں تبدیل ہو جانے کا منصوبہ نہایت قمرین قیاس تھا۔ عام اس سے کہ وہ ریاست کیسی ہی بیقاعدہ اور بے ضابطہ کیوں نہ ہو مگر رفتار و اوقات کا لازمی مقتضا یہ تھا کہ ایسا ہو کر رہے۔ چنانچہ اس منصوبے پر ایک قابل مدعی عمل پیرا ہو گیا۔ پہلے شخص ایک صوبہ دار تھا جو یورپ کے اُس طبقے کے افراد سے مشابہ تھا جنہیں عالیخانہ ان کہتے ہیں کیونکہ یہ ایک ممتاز ترکمان سردار فیروز خاں کا بیٹا تھا جو نصف صدی تک دکن میں مناصب اعلیٰ پر سرفراز رہ چکا تھا۔ فیروز خاں کے اس قابل بیٹے کا نام قمر الدین تھا جس کو شہنشاہ دہلی محمد شاہ کی وزارت اور آصف جاہ کے خطاب سے سزا ملے میں سرفراز کیا گیا تھا۔ تین سال سے کچھ ہی زائد عرصے میں آصف جاہ نے بدل ہو کر اس عہدہ سے بیکردستی حاصل کر لی جس کے فرائض اپنے اطمینان کے مطابق نوجوان بادشاہ کی تلون مزاجی کی وجہ سے وہ ادا نہیں کر سکتا تھا۔ اب وہ دکن کو واپس گیا اور یہاں پہنچ کر وہ ریاست قائم کر لی جو آج تک محروسات سرکار آصفیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ابتداءً اس کو برائے نام صوبہ ہی رکھا گیا جو پرانی مسلمان ملکوتوں کے

(بقیہ ماضیہ صفحہ گذشتہ) تبدیلیاں پیدا کیں اور آخر کار لوئیس چارلہم مہم عصر اورنگ زیب نے ۱۷۵۵ء میں اس کو بالکل منسوخ کر دیا اور پروٹسٹ فرمے پر طرح طرح کے منغالم توڑے گئے۔ پچاس ہزار سے زائد خاندان ان مظالم کی تاب نہ لا کر بدرجہ مجبوری انگلستان۔ ہالینڈ۔ پرتگیا وغیرہ کو ہجرت کر گئے جس سے فرانس کو طرح طرح کے مناعوں۔ دستکاروں اور دیگر قابل اشخاص سے محروم ہونا پڑا۔ ۱۸۱۱ء مترجم

صفحہ ۲۹

اسٹارٹ شکستہ پر قائم کیا گیا تھا۔ لیکن سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہی یہ صوبہ موروثی اور نیم مختار سا ہوتا گیا پھر سبھی اس کے حکمرانوں نے کبھی اپنے تئیں شاہی کے خطاب سے لقب نہیں کیا بلکہ شاہی صوبہ داری کا قدیم لقب یعنی نظام الملک ہی اپنے نام کے ساتھ لگا رہنے دیا اور ان کی اولاد بھی اب تک اسی لقب سے ملقب کی جاتی ہے۔ نواب نظام الملک آصفیہ دلیہ اور درویش حکمران تھے مرہٹوں کو اس صوبے سے خراج وصول کرنے کی اجازت مل چکی تھی اور اس کا رد کنا نواب نظام الملک آصفیہ کی طاقت سے باہر تھا۔ پھر بھی اس قسم کا کوئی امر طے ہو گیا تھا کہ خراج کی تحصیل نواب نظام الملک آصفیہ کے ملازمین کرتے تھے اور محبوبی رقم خزانہ نظامی سے مرہٹوں کو دیدی جایا کرتی تھی چنانچہ اس قرارداد سے ایک تودہ دستوری بند ہو گئی جو مرہٹہ محصل بطور معاوضہ خدمت کے طلب کیا کرتے تھے اور دوسرے رعایا کو دہلی تحصیل داری کی مصیبت سے نجات مل گئی۔

اس حالت کو مہاراشٹر کے ہندوؤں کی مزاح کمال سمجھا جاسیے۔ ملکی انتظام ایک نہایت مکمل مجلس امراء کے ماتحت تھا۔ حکومت کا براے نام امیر راجہ کے ماتحت ایک طرح کا صدر دیوان تھا جس کا لقب پرنی مذہبی تھا لیکن اصل مجلس حکومت آٹھ ارکان کی اور تھی جس کا نام اشٹ پروہان تھا اور اس مجلس کے صدر یا نگہ پروہان کا لقب پشوا تھا۔ نواب نظام الملک آصف جاہ کے ریاست حیدرآباد قائم کرنے سے پہلے سے جو پیشوا تھا اس کا نام بالاجی دشوانا تھا۔ یہ شخص اپنی قابلیت و تدبیر کی وجہ سے سلطنت کا غماز کل بن چکا تھا۔ بالاجی دشوانا تھ شخصیت میں فورت ہو گیا اور اس کا جانشین اس کا بیٹا باجی راڈ ہوا جس نے اس پر پچ دو لاکھ حکومت کو چلانے شروع کیا۔ پرتی مذہبی سری پت راؤ نے کچھ عرصے تک اپنے مناجیلے کی حیثیت کو قائم رکھا اور مدد اللہ بہار ہا لیکن مرہٹہ سلطنت کی توسیع کا مخالف ہونے کی وجہ سے اس کا اقتدار اپنی سلطنت کے اندر کم ہو گیا اور پیشوانے فوجی اصلاحات کی طرف زیادہ توجہ کر کے راجہ اور پر جادوں کو قابو میں کر لیا اور نہایت تیزی کے ساتھ ترقی کر کے تمام برادری کا سر بن گیا۔ یہی پہلا شخص تھا جس نے وہ راستہ بتایا جس پر ملکہ ماہ صوبی سندھیا بعد کے زمانے میں عروج کو پہنچا۔ اس کا قول تھا کہ سلطنت مغلیہ ایک سوکھانہ ہے اس لئے اسی تے پر ضرب لگانی چاہیے پھر شاہیں خود بخود گر پڑیں گی۔ چنانچہ سوار فوج

۱۷۲

صفحہ ۳۰

کے دو گونہ نظام کو قائم رکھ کر اُس نے اُس فوج کی تعداد میں اتنی تخفیف کر دی کہ وہ آسانی سے قابو میں رہ سکے۔ ساتھ ہی ساتھ اُس نے ایک پیدل فوج بھی مرتب کی جس کے ساتھ معقول تعداد توپوں کی بھی تھی تاکہ سپاہ کا پورا قیام و استحکام حاصل ہو جائے۔ نو پہلا قدم جو باجی راؤ نے اپنے بادشاہ کو کسی حوصلہ مند منصوبے کی طرف اٹھانے دیا وہ زر خیز صوبہ مالوہ کی تسخیر تھی۔ یہ صوبہ جو پہلے نواب نظام الملک کی صوبہ داری میں تھا نواب موصوف کے حیدر آباد چلے جانے پر سلطان مغلیہ کی طرف سے ایک ہندو صوبہ دار گردھراؤ کے تحت میں دیدیا گیا تھا اور حوصلہ مند مرہٹہ سردار نے نواب نظام الملک سابق کے ایما سے اُس پر حملہ کر کے لیے پیش قدمی کی۔ اس سلسلے میں جو جنگیں کارروائیاں پیش آئیں ان میں دو خاص مرہٹہ سردار سلیمدار تھے جو اپنے اپنے قبیلے کے رسالہ کی قیادت کر رہے تھے۔ ایک کا نام ملہار راؤ ہلکار اور دوسرے کا نام راجو جی سندھیا تھا۔ یہ دونوں سلیمدار پیشوا کی طرف سے اس امر کے مجاز کر دیئے گئے تھے کہ وہ معمولی مرہٹہ خراج لینے جو تھ وصول کریں اور اس میں سے کچھ حصہ فوجی اخراجات کی کفایت کے لیے رکھ کر بقیہ رقم خزانہ سرکاری میں داخل کیا کریں۔ یہ جنگ ۱۷۸۲ء میں شروع ہوئی لیکن نواب نظام الملک کے ساتھ نزاع پیدا ہوا جس کی وجہ سے اس کی رفتار میں خلل پڑ گیا مگر اس نزاع کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ پیشوا اپنے سب حریفوں کے مقابلے میں عہدہ برآ ہو گیا۔ گو نواب نظام الملک کو زیادہ نقصان پہنچا لیکن باجی راؤ کی قوت مرہٹہ حکومت کے سردار کی حیثیت سے قائم ہو گئی۔ اس کے بعد ہی مالوے کی تسخیر عمل میں آگئی جس کی تفصیل ابھی کی جائے گی۔

صفحہ ۳۱

اب تمام مرہٹہ برادری اپنے جمہوریہ جنوبی ہند کا موروثی صدر پیشوا کا خاندان ہو گیا۔ ۱۷۸۳ء میں مرہٹے مالوہ اور اڑیسہ کے مالک ہو گئے تھے اور بمکال سے بھی جو تھ وصول کرنے لگے تھے۔ کلکتہ کی انگریزی تجارت گاہ بھی مرہٹوں کی خطر میں آگئی تھی اور اُس کی حفاظت کے جو اہتمام کیئے گئے تھے ان میں سے ایک مرہٹہ فوج کا

ملہ ایک بار گیر تھے یعنی وہ سوار جن کو خونہ ملتی تھی اور کسی دوسرے کی اسامی پر ملازم ہوتا تھا۔ تھے دوسرے سلیمدار ہوتے تھے جن کے اپنے گھوڑے ہوتے تھے اور جن کا تعلق باقاعدہ حفاظتی فوج سے نہ تھا۔ ۱۲ مصنف

کھودنا بھی تھا۔ یہی قلعہ بند مقامات کے استحکامات تھے جنہوں نے پانچ سال بعد نواب بنگال کو براہِ فروختہ کر کے کال کوٹھری کا نخوس واقعہ برپا کرایا جس سے خلافت امید اہم انقلابات رونما ہو گئے۔

اس اشامیں ایرانیوں اور افغانیوں کے حملوں نے سلطنتِ دہلی کا شیرازہ بالکل پرانگندہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اور اس کے بعد سے خاص دربار میں غیر ملکی سرداروں کی فرزند آویزشیں شروع ہو گئیں جن میں سے ہر فرقہ سلطنت کے بوسیدہ ڈھانچے کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مدعی بنا ہوا تھا۔ ایرانی فرقہ یعنی سردارانِ فارس کا سرگروہ صفدر جنگ وزیرِ اددھ تھا اور ترکمانی فرقہ یعنی سردارانِ توران کی پشتِ پناہی غازی الدین شہتلی تھی جو نواب نظام الملک کے بھتیجے تھے۔ مرہٹوں نے ہلکر کی سرگرد کی میں جاٹوں کی شرکت کر کے اول الذکر سرداروں کی جنبہ داری کی مگر اس فریق کو میدانِ ہارنا پڑا اس کے بعد غازی الدین نے شاہِ دہلی کو تخت سے اتار دیا اور ۱۷۵۷ء میں ایک دوسرے بادشاہ ملقب بہ عالمگیر ثانی کو تخت نشین کر دیا۔

ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی یہ جان کنی بڑے قلق و اضطراب کے ساتھ ایک دورِ دراز ملک کے اسلامی بہادر احمد شاہ ابدالی نے دیکھی جس نے دریائے سندھ کے مغرب میں نادر شاہ کی وفات کے بعد دُرانی سلطنت قائم کر لی تھی۔ افغان سواروں کی ایک جماعت لیکر احمد شاہ نے قندھار سے پشیدمی کی اور پنجاب کا صفایا کرتا ہوا ۱۷۵۷ء میں دہلی پر آدھمکا۔ ترکمانی وزیرِ غازی الدین نے اُس بچھان سردارِ نجیب خاں کو ہمراہ لیا جو پہلے سے حملہ آور بادشاہ کے ساتھ خفیہ ساز باز کر چکا تھا اور حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لیے کوچ کیا۔ لیکن غازی الدین کی بد معاملگی اُس سے خلعت کو اس درجہ بیگانہ کر چکی تھی کہ اُس کی آنکھیں یہ دیکھ کر کھل گئیں کہ اُس کی فوج کا بڑا حصہ نجیب خاں کے پیچھے پیچھے دشمن کی صفوں میں جا ملا جہاں چشمِ براہِ میر بانوں نے اُن کا بڑی گرجوٹی سے استقبال کیا۔ غازی الدین نے بیچیل تمام احمد شاہ ابدالی کے ساتھ صلح کا طور ڈالا اور اُس کو اپنے سرداروں اور سپاہیوں سے اس کام میں امداد دی کہ وہ جاٹوں اور دوسری قوموں سے وہ خراج وصول کر سکے جس کو سوائے مالِ غنیمت کے کسی طرح خراج کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے بعد جو

نادر شاہ کے ہتھے چڑھنے سے بچ گیا تھا وہ اہل دہلی سے نوح گھسوٹ کر ابدائے
 ہم خزاں میں افغانی حملہ آور دہلی سے سدھار گئے۔ اپنی روانگی سے پہلے احمد شاہ نے
 نجیب خاں کو امیر الامرا مقرر کر کے اُس کو خاص طور پر یہ تہنیتیں کر دی تھیں کہ بڑھے
 کمزور بادشاہ کی پوری طور پر حفاظت کرتا رہے۔ لیکن اس نے امیر الامرا کی جان کے
 لئے غازی الدین بہت تھا اور جب اُسے یہ اطمینان ہو گیا کہ احمد شاہ اتنی دُور نکل
 گیا ہے کہ واپس لوٹ نہیں سکتا تو اُس نے نجیب خاں کو زبردستی دار الحکومت سے
 نکلوا دیا اور راجپوت سندھیا کے دو بیٹوں کو اشارہ کر دیا جنہوں نے نجیب خاں پر اس کے
 خاص تعلقہ زونہلیکھنڈ میں حملہ کر دیا اور اُسے ہر طرف سے محصور کر لیا۔ اب غازی الدین
 پھر دہلی کا مالک بن بیٹھا تھا اور اُس نے پھر شاہ دہلی اور اُس کے خاندان کو اذیتیں
 پہنچانی شروع کر دی تھیں۔ نوجوان ولیعہد سکی علی گوہر نے تو کسی طرح فرار پر قرار کیا اور
 اپنی جان بچا لیا مگر بدکردار ترکمان غازی الدین نے بے گناہ بادشاہ کو ۳۰ نومبر ۱۷۵۷ء کو
 تہ تیغ بیدریغ کر ڈالا۔ جان بچا کر بھاگنے والے شہزادے نے نواب وزیراودھ شجاع الدولہ
 سے دامن پناہ میں آکر بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اور افغان سردار احمد شاہ اپنی چھاؤنی
 انوپ شہر کو واپس پہنچ گیا۔ اس کے بعد نواب وزیراودھ نے مرہٹوں سے مقابلہ کرنے
 کے لئے نجیب خاں سے اتحاد کر لیا اور غازی الدین نے جب دیکھ لیا کہ اب کسی طرح
 حیثیت قائم نہیں رہ سکتی تو وہ بھی دہلی سے بھاگا اور بھرتپور کے جاٹ سردار کے پاس
 پناہ لی اور سنہ ۱۷۵۸ء میں اسی طرح خانماں آفارہ اور برادری سے باہر اُس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔



باب دوم سندھیا اور میدان پانی پت

۳۴

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مرہٹے ہندوستان کے اندر راٹھوجی سندھیا کے دو بیٹوں کی قیادت میں تھے۔ ان میں سے ایک دتاجی تھا اور دوسرا مادھوجی تھا اور یہ دونوں نوجوان شاہیہ میں فرامیوں کے اور نواب نظام الملک کے مقابلے میں اتیا زحمت کر چکے تھے۔ دتاجی کے متعلق ہم کو آئندہ کچھ کھنے کی ضرورت نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس نے نجیب خاں اور راجپوتوں کو اس غرض سے اپنا دوست بنانے کی کوشش کی کہ اگر آئندہ احمد شاہ ابدالی سے کوئی مقابلہ آئے تو وہ مدد کر سکیں۔ اس کے بعد وہ ملہاراؤ ملکر کی محبت میں افغانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پنجاب گیا مگر وہاں میلان جنگ میں مارا گیا اور اس کے بعد مرہٹہ فوج بھی شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔

اب سلطنت مغلیہ کی سفینیں ساقط ہو چکی تھیں۔ موجودہ زمانے میں کبھی کسی متمدن سلطنت کو ایسا سخت تنزل نہیں ہوا ہوگا۔ جنگ صد سالہ میں فرانس کی حالت ہر چند بہت مستقیم ہو گئی تھی اور عام طبقات پر بالکل مایوسی طاری تھی مگر کم سے کم حکمران طبقے کے دل میں حب وطن کی آتش مردہ کا ابھی تک ایک شعلہ باقی تھا اور بادشاہ کی ذات کو آفتاب امید خیال کیا جاتا تھا۔ برخلاف اس کے سلطنت مغلیہ کی تباہی تدریجی ہوئی مگر قطعی ہوئی۔ صرف یہی نہیں تھا کہ بیرونی حملوں کا مقابلہ کرنیوالے طبقات بالکل فنا ہو گئے ہوں بلکہ یہ محبت تھی کہ بیرونی حملہ آوروں کے چلے جانے کے بعد ہم سیاست کے زخموں کا لہو بند کرنیوالوں کا وجود بھی نہیں رہا تھا۔ سلطنت کی حالت ایک نقش کی سی تھی اور ملکوں غیر ملکوں کی لڑائی تو بے چیلوں کی لڑائی تھی جو ایک دوسرے کی نوح کھسٹ سے فرصت پاتے ہی اس نقش کی بوتیاں نوچنے لگتے تھے۔ یہ نظارہ کیا کم عبرت انگیز اور حسرت خیز تھا کہ ایسی وسیع اور شہرہ آفاق

۳۵

سلطنت ایک جسم مردہ کی طرح ہاتھ پاؤں پھیلائے پڑی ہوا و چیل کوئے اُس کی بوٹیل
 نوچنے کے لئے اس میں لڑتے ہوں۔ فاعتر و یا ادلی الابرار ہو۔
 اس انا میں دکن پر گونا گونا گویا طاری نہیں رہا تھا مگر کچھ زیادہ سرگرمی و سرسبزی
 اُسے بھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اگر ہندوستان ایک جسم مردہ کی طرح ساکت
 پڑا تھا تو دکن میں ایک آتش فشاں کی سی کھولن ہو رہی تھی۔ شمال میں جو مرہٹہ فوجوں کا
 ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا اُس کی تلانی کرنے کے لئے بالاجی پیشوانے اپنے ابن عم
 سداشیو راؤ بھاؤ کی سرکردگی میں محروسات نواب نظام الملک پر حملہ کر کے ایک فوج بھیج دی
 تھی۔ بھاؤ نے بہت جلد شہر احمد نگر اور اُس کے مضافات پر قبضہ کر لیا جس کے بعد ہی
 نامہ و پیام صلح شروع ہو گیا جس کے ذریعے سے بڑی جانکاہ قربانیوں کے بعد نواب نظام الملک
 نے اپنی قوت کو بالکل ہی فنا ہو جانے سے بچا لیا۔ ان کامیابیوں سے بلند ہوت
 ہو کر بھاؤ نے یہ تجویز کی کہ متوفی باجی راؤ کے اُس منصوبے پر عمل کیا جائے کہ مسلمانوں کو
 بالکل ہندوستان سے خارج کر دیا جائے اور مرہٹوں کی ایک شہنشاہی ہند قائم
 کر لی جائے۔ یہ تجویز اس وقت بہت کچھ قابلِ عمل نظر آتی تھی۔ اب مرہٹہ فوج محض
 غارتگریہ بازوں اور سبک سیر غیر مقامی جنگبانوں کا گردہ نہیں رہا تھا بلکہ اب وہ
 ایک باقاعدہ سپاہ عمدہ ٹھوڑوں والے سواروں کی تھی جن کو ریاست سے تنخواہ ملتی
 تھی۔ اور ایک زبردست پیدل فوج بھی تھی جس کو فرانسیسی قواعد دانی سے بہرہ مند کیا گیا
 تھا۔ اب یہ معلوم ہوتا تھا کہ متوفی باجی راؤ کا منصوبہ منقریب پورا ہو جائیگا۔ پیشوا کے
 فوجی سرداروں میں سب سے پیش پیش رانوجی سندھیا تھا جس نے ایک ادلی اچیتیت
 سے ترقی کی تھی۔ رانوجی کی وفات کے بعد اُس کا پوتا جنگوجی اُس کا جانشین ہوا۔ رانوجی کا
 ایک ناجائز بیٹا مادھو راؤ یا مادھوجی بھی تھا جو ۱۷۳۷ء میں پیدا ہوا تھا اور اُس وقت
 ہندوستان میں فوجی کارروائیاں کر رہا تھا جبکہ اُس کا بھائی دتاجی پنجاب میں افغانیوں
 کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس وقت مادھوجی بھی اپنے بھتیجے جنگوجی کے ساتھ مع اپنے
 قبیلے کے ایک رسالے کے جو شمالی مالوے کی موروثی جاگیر سے تیار کیا گیا تھا سداشیو راؤ بھاؤ
 کی معیت میں روانہ ہو گیا۔
 جوانی اور کامیابی کے نشے میں سرشار سداشیو راؤ بھاؤ بمعیت و شو اش راؤ

پسر میشوا ستمبر ۱۵۹۷ء میں پونا سے باہر نکلا اور مل سپہ سالاروں کے سے تزک
واقتشام کے ساتھ آگے بڑھا۔ اُس کا لشکر جو دکن کے مسلمانوں کے مال غنیمت
سے مالا مال ہو رہا تھا ایسا شاندار تھا کہ مرہٹوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ گرائٹ ڈنٹ لکھتا ہے:-
’’ویسٹ و بلنڈ شامیالے جواند سے بانات اور شیمیں کپڑوں سے منڈھے تھی اور بڑے بڑے
طبع کا کلس اپنر چڑھے ہوئے تھے دور سے نظر آتے تھے۔ کثیر تعداد ہوتی۔
رنگا رنگ کے پھر ہرے۔ اعلیٰ درجے کے بچے کے گھوڑے جو ملک
کے ہر جانب سے جمع کیے گئے تھے۔ یہ تمام سلفہ سامان بالکل نفل کا اصل
ان مغلوں کی شان و شوکت کا معلوم ہوتا تھا جو اپنے عروج کے
زمانے میں نزاکت مزاج اور لطافت طبع کا اپنے ہر مذاق سے نبوت
دیتے تھے۔‘‘

طرف اس شان و شوکت ہی کی جدت اس وقت لشکر میں نہ تھی بلکہ وہ مرہٹہ
سپاہ جو صرف ایسے غیر قواعداں سواروں کی جمعیت ہوتی تھی جو لسنے بانس کے نیروں
سے مسلح ہوئے تھے۔ جن میں کا ہر شخص اپنا توشہ گھوڑے کا دانہ چارہ اور اہمطل کا
سامان اپنے ساتھ لیے پھرتا تھا۔ جو اچانک دشمن کے بد رفتار رسد پر ٹوٹ پڑتے تھے۔
جو شکست کھا کر بھی پاس میل تک گھوڑا اڑائے چلے جاتے تھے اور دوسرے ہی
دن پھر جمع ہو کر بڑی دل کی طرح آنازل ہوتے تھے۔ اب اُن کی جگہ میں ہزار چیدہ
سواروں کی ایک شکم سپاہ مکتی جس کے ساتھ ایک گھوڑ چڑھا توپ خانہ تھا اور ایک
دیشہ دس ہزار بندہ فوجیوں اور توپچیوں کا تھا جو سب کے سب پٹنوں اور توپ خانوں
میں تقسیم کیے ہوئے تھے۔ آخر الذکر دستہ ایک سلطان اقبال مند نہر دانا کی قیادت میں تھا
جو ابراہیم گاردی کے نام سے مشہور تھا۔ ابراہیم نے فرانسیسی سپہ سالار ہنری کی ماتحتی میں
فن حرب سیکھا تھا اور چونکہ حیدر آباد میں ہنری کی خاص مہر کا ب فوج یعنی باڈی گارڈ کا
افسر ابراہیم تھا اس لیے وہ گاردی ہی کہلاتا تھا۔ حیدر آباد سے برخاست ہونے پر
بھاؤنے اس کی قدر شامی کر کے اس کو اپنی پیدل سپاہ کا سردار بنا لیا تھا۔ بہت
سے ہندو رئیس بھی اپنی تازہ بھرتی کی ہوئی فوج لیکر آگئے تھے جس سے مرہٹہ فوج کی
تعداد اور بڑھ گئی تھی۔ مالوہ پہنچتے پہنچتے ہلکر شریک ہو گیا تھا اور گیکوار بڑودہ اپنی فوج

لیکر گجرات سے آگیا تھا۔ بلکھنڈ سے گوبند پتھ آگیا تھا۔ بہت سے راجپوت رئیس بھی آہنچے تھے یا اپنی فوجیں بھیجی تھیں اور بھرتپور پر مشہور جاٹ سردار اپنے بیس ہزار ہانہاز جاٹ لیکر شریک ہو گیا تھا۔

ان مختلف طبائع میں بظاہر اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ ہلکار اور سوج مل جو قبائل کے قدیمی فن جنگ سے واقف تھے بھاؤ پر یہ واضح کرنے لگے کہ اب تک مرہٹوں نے مسلمانوں کو جو رکس پہنچائی ہیں وہ باقاعدہ معرکہ آرائی سے نہیں ممکن ہوتی ہیں اس لیے یہ تجویز مناسب ہے کہ تمام لاؤشکر کو گوالیار یا بھرتپور جیسے کسی زبردست مقام پر چھوڑ دیا جائے اور محض مبارزین کو ساتھ لیکر زمانہ قدیم کی مرہٹہ رکتازی کا سلسلہ جاری کر دیا جائے یعنی ملک میں جگہ جگہ لوٹ مار شروع کر دی جائے۔ رسدیں لوٹ لی جائیں اور اُس وقت تک کوئی لڑائی جگر نہ لڑی جائے جب تک دشمن رسد کی کمی سے ہتھکڑا کر دانے چارے کی تلاش میں ادھر ادھر منتشر نہو جائے لیکن بھاؤ نے ان مشوروں کو حقارت سے مسترد کر دیا اور کچھ ایسے الفاظ بھی کہے جن کا منشا یہ تھا کہ ہلکار اور سوج مل جیسے موٹی عقل والے لوگ جنگی معاملات میں کیا شورہ دے سکتے ہیں۔ بھاؤ نے اپنی آنکھوں سے قواعد داں فوجوں اور توپوں کے فیصلہ کن اثرات جنوبی فوج کشیوں میں اچھی طرح دیکھے تھے اور اُسے یہ یقین تھا کہ اب بھی ہر صورت سے اسی کا پلہ بھاری رہے گا۔ ہلکار کے غیر مقامی لڑائی کے تجربات اور جاٹ سردار کی ان گزشتہ دور اندیشی کے متعلق بھاؤ نے یہ رائے قائم کر لی کہ یہ ایسے لوگوں کی بردلانہ تجویزیں ہیں جو فن حرب کے اصول سے واقف نہیں ہیں۔ الغرض یہہ زبردست مرہٹہ لشکر دہلی کی طرف بڑھا چلا گیا جہاں وہ ماہ ستمبر ۱۷۵۹ء میں پہنچ گیا جو مقامی فوج دہلی میں تھی وہ کسی طرح نصیل کی حفاظت کے لیے کافی نہیں تھی اس لیے بھاؤ بلا دشواری شہر کے اندر داخل ہو گیا اور خاص تلے کا محاصرہ شروع ہو گیا جس میں محل شاہی تھا۔ تھوڑی سی گولہ باری کے بعد زین کے ذریعے سے فوج چڑھا کر اس قلعے پر قبضہ کر لیا گیا اور جنگی اخراجات کے نام سے سترہ لاکھ روپے کی رقم اس طرح وصول کی گئی کہ دیوان عام کی چھتوں وغیرہ پر سے وہ نفرتی سامان اٹا لیا گیا جو دو سو اترا غارتگریوں کے بعد بھی بچ رہا تھا۔

اس اثنا میں درانی بادشاہ احمد شاہ اپنی انوپ شہر کی چھاؤنی میں اسلامی سپاہ کی تیاری و تربیت میں بدل و جان مصروف رہا۔ اس سال کے موسم بہار بھر ایک تجربہ کار جنگ آزما کی طرح وہ خموشی کے ساتھ اپنی پیشقدمی کو ملتوی کئے رہا اور برابر روپیوں کو اپنی امداد پر آمادہ کرتا رہا۔ نجیب خاں کا برابر یہ تقاضہ تھا کہ کسی طرح نواب اودھ کو اسلامی جھنڈے کے تلے لایا جائے لیکن صورت حالات کچھ ایسی آپڑی تھی کہ اس تحریک میں کامیابی مشکل نظر آتی تھی۔ سرداران ایران نے اب تک ہمیشہ تورانیوں کے خلاف ہندوستانیوں کی طرفداری کا میلان ظاہر کیا تھا اور ہندوستانی بھی صرف تورانیوں کو غیر ملکی فائین سمجھا کرتے تھے۔ علاوہ برائے ایرانیوں کا ایک اور احتمال شیعہ مذہب ہونے کی وجہ سے ایسا تھا جو ان میں کسی طرح پرچم اسلامی کے تلے آنیکا جوش و خروش نہیں پیدا کر سکتا تھا۔ احمد شاہ نے ان عزرات کی معقولیت کو سمجھ کر نجیب خاں سے استدعا کی کہ وہ بذات خود شجاع الدولہ کے پاس جائے اور اُس سے کہے کہ کافروں کے مقابلے میں حامیان اسلام کا ساتھ دے چنانچہ اس مدبرانہ سفارت میں نجیب خاں کامیاب ہو گیا۔ شجاع الدولہ نے بسم اللہ مجربا و مرسلہا کہہ کر شتی دل کو عشق کے دریا میں ڈال ہی دیا اور اپنے لواحقین کو معقول بد رفتے کے ساتھ لکھنؤ میں چھوڑ کر نجیب خاں کے ساتھ ابدالی کی چھاؤنی انوپ شہر میں آ گیا جہاں اُس کا نہایت گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد اختتام برشگال سے کچھ پہلے متحدہ افواج نے انوپ شہر سے ٹانڈالا دا اور دلدلوں کے راستوں کو طے کرتی ہوئی آخرستہ آخرستہ دریائے جمنہ کے بائیں کنارے کی طرن بڑھیں پڑ بھاؤ کو جب شجاع الدولہ کا حال معلوم ہوا تو اُس نے اُس کو اس نئے اتحاد سے توڑ لینے کے لئے خفیہ نامہ و پیام شروع کیا لیکن گرگ باران دیدہ نجیب خاں کی وقت اپنے مرید کے پہلو سے جدا ہی نہیں ہوتا تھا اور اُدھر تو طرح طرح کے نامہ و پیام سے بھاؤ کا دل بڑھایا جا رہا تھا اُدھر تمام خط و کتابت نجیب خاں کو دکھا دی جاتی تھی۔ اس خط و کتابت

لے بعض حلقوں میں یہ خبر گرم تھی کہ دہلی برقیہ کرنے کے بعد بھاؤ نے دشواش راؤ کو شاہ دہلی بنا دیا ہے اور شجاع الدولہ نواب اودھ کو اُس کا وزیر مقرر کر دیا ہے۔ ۲۰ مصنف

حال احمد شاہ کے وزیر خاص سے بھی کہا گیا اور وہ خاص خاص شرائط پر ہندوؤں سے صلح کرنے پر راضی ہو گیا تھا اور ملک کے تجربے پر نامہ و پیام بھی شروع ہو گیا تھا۔ لیکن نجیب خاں نے احمد شاہ کی شرکت کر کے اپنی قسمت کو ایسے دائور لگا دیا تھا کہ اُسے کسی شرائط پر بھی بسا د جنگ کے اٹھ جانے سے اپنا کہیں ٹھکانہ نظر نہیں آتا تھا اور اس تمام نامہ و پیام کا سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلا کہ جاٹ سردار سوج مل جو پہلے ہی سے کچھ مذہب تھا اب بالکل ہی بدظن ہو گیا اور کچھ دن بعد اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔ آخر کار دسہرے کا زمانہ آ گیا جو ہندوستان میں بارش کے اختتام پر آتا ہے اور کسی امر اہم کے شروع کرنے کے لیے نہایت عمدہ اور مبارک موقع سمجھا جاتا ہے چنانچہ بھاؤ نے جنانکی طرف پیش قدمی کی اور آگے بڑھے ہوئے ایک افغانی سردار کو ۲۰ لاکھ برستہ کو دہلی سے جانب شمال انٹی میل کے فاصلے پر مقام پنجپورہ پر گھیر کر فٹاکر ڈالا۔ دیا ابھی سرمای سیلابوں سے پُر ہی تھا کہ احمد شاہ نے اس گستاخی کی سزا دینے کے لیے اپنی خاص فوج کو پار اتارا۔ ۲۶ لاکھ برستہ کو سوئی پت پر ایک مدبھیڑ ہوئی اس میں افغانیوں نے ہندو فوج کو جانب شمال پیچھے ہٹا یا یہاں تک کہ اُس نے پانی پت کی دیواروں کے نیچے پناہ لی۔ اس حالت میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے دو ماہ تک پڑے رہے اور اس عرصے میں ہلکا دروج مل کی سال گزشتہ کی نصیحت کے فوائد اچھی طرح مر مٹوں پر ظاہر ہو گئے۔ کیونکہ اب مر مٹوں پر بہ آفت تھی کہ وہ سب طرف سے گھرے ہوئے تھے اور قلت رسد کی تکلیف میں مبتلا تھے اور مسلمانوں کی باری تھی کہ اُن کے بلکے ہتھیاروں والے ہوا ملک کلوٹے پھرتے تھے۔ اپنے دشمنوں کو ضروریات زندگی سے محروم کرتے جاتے تھے اور جو جماعتیں بڑے لشکر سے الگ نکل جاتی تھیں اُن کی خیر گھاتے میں منالیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ گوبند پتھ دالے چارہ کی تلاش میں باہر گیا ہوا تھا کہ اُسے اچانک افغانیوں نے آگھیرا اور وہ خود مع اپنے ایک ہزار ہمراہیوں کے میرٹھ کے قریب کام آ گیا۔ بہر حال ۲۳ دسمبر ۱۸۱۷ء کی ایک آویزش میں نجیب خاں کے تین ہزار روپیے بھی کام آ گئے۔ آخر کار جنوری ۱۸۱۸ء کی چھٹی تاریخ آگئی جبکہ بھاؤ نے نصف شب کی مجلس شوریٰ کے بعد آخری پیام شجاع الدولہ کے پاس بھیجا لیکن اس کا جواب آئیے پہلے مر مٹے

صفحہ ۲۰

صفحہ ۲۱

بے قابو ہو چکے تھے۔ صبح کے وقت اپنا آخری کھانا کھا کر وہ اپنی جائے سپاہ سے اپنے چہروں پر ہلکی سی لمبے ہوئے مارنے مرنے کے ایسے نکل کھڑے ہوئے۔
افغانی سپاہ میں اٹھائیس ہزار گراں ہارسوار موجود تھے جو پورے طور سے مسلح اور تیار اور ترکمانی گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہی کے ساتھ اتنی ہی تعداد دروہیلہ سواروں کی تھی اور تقریباً اڑتیس ہزار ہندوستانی پیدل سپاہ تھی جو توڑے دار بند قوس اور چھوٹوں سے مسلح تھی اور تمام سپاہ کی حفاظت کرنے کے لیے انہی توپیں تھیں۔ ہندو برادری کی قوت متواتر معرکوں کے نقصانات سے اور اتحادیوں کے ساتھ بھڑوڑ دینے سے اگرچہ گھٹ گئی تھی پھر بھی اُن کے پاس زبردست رسالہ اور گھوڑ چڑھا توپ خانہ تھا اور ہاتھ پیدل فوج اُن کے علاوہ تھی۔ اُن کے لشکر کا مجموعی تخمینہ تین لاکھ کیا جاتا ہے مگر اس تعداد میں غیر مبارزین بھی شامل تھے۔ مبارزین جو صبح کے وقت تیلی پر جان لیکر نکلے تھے ستر ہزار یا زیادہ سے زیادہ انہی ہزار تھے جن کے ساتھ دوسو توپیں تھیں اور درجنہوڑوں کی بھی بڑی تعداد تھی۔ اس کے علاوہ اُن کے ساتھ معمولی اسلحہ والی ہلکی فوج بھی تھی مگر اس کو گھمسان کی لڑائی میں کچھ زیادہ وقعت نہیں دی جاسکتی ہے۔ انھوں نے ایک خط منحرف کی صورت میں بڑھنا شروع کیا اور اپنے میسرہ کو آگے کی طرف جھکائے رکھا اور توپوں کو سب سے آگے رکھا۔ قلب میں بھاؤ اپنی محافظ سپاہ کے ساتھ رہا اور ہمنہ پر بندھیا اور ہلکے کے ماتحت رسالے رہے۔ پیدل فوج ابراہیم گار دی کی قیادت میں اہل میسرہ تھی جس کی دو پیشیں ڈرا پیچھے کو اس طرح مٹی ہوئی تھیں کہ ایک نیم مربع کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔

اس پیش قدمی کے انداز پر ایک نظر ڈال کر احمد شاہ نے بھی اپنی سپاہ کو اسی ترتیب سے صف بستہ کیا جس میں میسرہ پر بندھیا اور ہلکے کے مقابلے میں نجیب خاں اور اُس کے دروہیلوں کو رکھا اس کے بعد نواب اودھ مدد اپنے دو ہزار سواروں کے تھا اور اُس کے بعد افغانی وزیر شاہ ولی خاں کا زرہ پوش رسالہ تھا۔ مینہ پراہیم گار دی کے مقابلے میں دو ایرانی رسالے تھے۔ قلب میں محافظ رحمت خاں اور دوسرے دروہیلہ

صفحہ ۲۴

سرداروں کی سرکردگی میں روہیلا سوار رکھے گئے تھے۔ ان کے علاوہ دوزبرد دست رسالے دونوں بازوؤں پر افغانی تاعہوں کی سرکردگی میں بطور محفوظ سپاہ کے رکھ دیے گئے تھے اور یہ تمام اسلامی لشکر کی ناک تھے۔ احمد شاہ بنفس نفیس عقب سے احکام جنگ صادر کر رہا تھا۔

مرتبہ توپوں نے دشمن کے بڑھتے ہوئے لشکر پر گولے پھینکنے شروع کیے لیکن دونوں فوجیں جس وقت قریب پہنچیں اور دست بدست کی نوبت آگئی اسی وقت فرانسیسی تواعہ والی کی قدر و قیمت ظاہر ہونے لگی۔ ایرانی رسالوں کے حملے کو سپاہ کے ابراہیم گاردی روہیلوں پر اس زور شور سے اکر پڑا کہ ذرا سی دیر میں ان میں سے کچھ نہ ہار ٹھکانے لگ گئے اور زمین کھٹنے تک میدان ابراہیم کے ہاتھوں میں نظر آتا تھا۔ شجاع الدولہ بالکل سکتے کا عالم طاری تھا۔ نہ وہ میدان میں کوئی چوہر دکھاتا نہ پیٹھ دکھاتا تھا۔ شجاع الدولہ اور نجیب خاں کے درمیان شاہ ولی خاں کا زرہ پوش رسالہ تھا جس کی فیس خاص بھاؤ نے حملہ کر کے درہم برہم کر دی تھیں۔ شاہ ولی خاں کا گھوڑا مارا گیا تھا اور وہ خود پیادہ پا ہو کر خطرات میں گھر گیا تھا اُس نے شجاع الدولہ کے پاس پیام بھیجا کہ فوراً اپنے تئیں مدد کے لیے پہنچائے۔ بعد کی لڑائیوں میں شجاع الدولہ نے اس کا کافی ثبوت دیا کہ اُس میں جو ہر سپہ گری کی کمی نہیں تھی جو اُس نے انگریزوں کے مقابلے میں بھی اچھی طرح دکھایا اگر یہ شاید پہلا موقع تھا اس لیے وہ اس موقع پر اپنے تئیں اس کام کا اہل نہیں ثابت کر سکا۔ دورانہدیش نجیب خاں نے ایسے ہی وقت کے لیے اپنے واسطے دھس باندھ لیے تھے اور سر میدان اُس نے بالکل صحیح کہا تھا کہ میرے ہاں غلطی کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ چنانچہ دوپہر تک وہ سندھیا کے حلوں کو اپنے مورچوں میں سے زبورچہ بازی کر کے پساکرتا رہا۔ یہ وہ موقع ہے جہاں ہم اپنے نوجوان طالع آزمائی تصویر اپنے بھتیجے اور قبیلے کے سردار جنگجو کی دھن بدھن جنگ میں مصروف۔ توپوں کی گھن گرج۔ گولیوں کی سنسناہٹ اور زبورچوں کی گرگر ہٹ کے درمیان کھینچی جاتے ہیں جبکہ پرستار ایشیو اور وشنو کی جے جے کار مسلمانوں کے دین دین کے ساتھ فضا کے ناک پر دست و گریباں ہو رہی تھی۔ احمد شاہ نے عقب سے اس نازک موقع کو غور سے دیکھا اور سمجھا۔ اور چپ دراست سے اپنے محفوظ رسالوں کو لیکر

اپنے مخدوش قلب کو ملک بنانے کے لیے دھاوا کیا اور دونوں بازوؤں پر احکام بھیج کر سر بکھٹ ہو کر دشمن کے دوتوں بازوؤں پر ٹوٹ پڑیں۔
یہ نقلِ مہکت ایک بجے دنگو شروع ہوئی اور ایک گھنٹے تک بہت گھمسان کا رن پڑا۔ اس کے بعد جوگ کے مارے ہندوؤں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ بھاؤ نے اپنے متعلقین کو ہلکر کی حفاظت میں چھوڑا اور اپنے گھوڑے کو میدان سے پھیر کر فرار پر قمار کیا۔ ہلکر کے لیے یہ ہمارا کافی تھا اُس نے اُس سمجھوتے پر بھروسہ کیا جو اُس کے اور روسیلیوں کے درمیان ہمیشہ سے قائم تھا اور میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ دشو اش راؤ اپنے ہاتھی پر مارا گیا۔ جان بچا کر بھاگ جانیمالوں میں جبار دھن بالا جی بھی تھا جو بعد کے زمانے میں ناناف نولیس کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اُسے جنگ نہیں قصابی کے نام سے یاد کیا جاسکتا ہے۔ چالیس ہزار اسیران جنگ اُسی جگہ قتل کر ڈالے گئے اور نہرا روں جدھر منعہ اٹھا بھاگ نکلے اور منہروروں میں سے اکثر کو متعاقبین نے اور اکثر کو قمریات و مواضعات کے باشندوں نے مال غنیمت کی خاطر قتل کر ڈالا۔

منہرو

نہرا روں کے انہوہ میں نوجوان مادھوجی بھی اپنی چیمبری کا ٹھیا واڑی گھوڑی کو سرپٹ دوڑائے لیے چلا جا رہا تھا جس کے قدم اور اس لیے تیز پڑ رہے تھے کچھ پیچھے ایک زبردست افغانی گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز اور نتھنوں کے پھنکارے برابر سنائی دے رہے تھے کیونکہ مال غنیمت کی خاطر ایک دیوار افغان لگا چلا آ رہا تھا۔ تعاقب کا سلسلہ بڑی دیر تک جاری رہا یا معصیت زدہ مادھوجی پر ایک ایک گھڑی پہاڑ بھری تھی اس لئے اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ آخر کار کاٹھیا واڑی گھوڑی ایک خندق پر سے جیت کرنے میں گر پڑی اور جانبہ کی کوئی امید باقی نہیں رہی تعاقب بھی پہنچا اور گھوڑے سے کود کر سندھیا کے منہ پر ہتھوک دیا اور اُس کے ٹھٹھنے پر ایک ضرب ایسی رسیدی کہ جس سے وہ بالکل لنگڑا ہو گیا۔ پھر اُس کے مہتمی لمبوس و جاسرات اتار کر وہ افغانی سندھیا کی نسلی گھوڑی پر سوار ہو گیا اور جاں بچ کر کے نظروں سے غائب ہو گیا۔

مادھوجی کا بھتیجا جنگوجی جو سندھیا قبیلے کا سردار ہو کر آیا تھا اس حسن اتفاق سے بھی دوچار نہ ہو سکا۔ میدانِ افغانیوں کے ہاتھ رہتے وقت وہ اسیران جنگ

کے انہو کے ساتھ دوسرے دن باوجود نواب اودھ کی سخت سفارش اور کوشش کے بھی قتل کر ڈالا گیا۔ میدان جنگ سے کئی میل کے فاصلے پر ایک جسم بے سربھی پایا گیا اور اسی کو اپنے وقت کے زبردست و متکبر سردار شیو راؤ بھٹاؤ کا لاشہ سمجھا گیا اور شجاع الدولہ کی خاص التجاؤں پر جو ہندوستانیوں کے ساتھ برابر اظہارِ بہداری کرتا رہا تھا اس لاشہ کو ہندو رسوم و تہذیب کے ساتھ جلانے جانے کی اجازت دی گئی۔ بہادر ابراہیم کاروی بھی زخموں سے چور ہو کر گرفتار ہو گیا تھا۔ افغانی سرداروں نے اپنے ہم مذہبوں کے خلاف کافروں کا ساتھ دینے پر اس کو سخت لعن و تشنیع کی اور چند روز بعد وہ بھی جاں بحق ہو گیا کیونکہ اس کے زخموں کی مرہم بٹی اچھی طرح نہیں کی گئی تھی۔ بلکہ بعض کا تو خیال ہے کہ قصد اس کے زخموں کو بگاڑ دیا گیا تھا۔ ان تمام معاملات کے دوران میں شیعہ نواب شجاع الدولہ کی بے اطمینانی اس کم اتغالی کی وجہ سے بڑھتی چلی گئی جس کا برتاؤ اس کے ساتھ کیا جا رہا تھا کیونکہ دراصل نواب موصوف سے جو کچھ بھی امداد احمد شاہ کو ملی تھی وہ شاہ موصوف کی نظر میں بالکل بیچ تھی۔ بعد کے واقعات نے اچھی طرح ثابت کر دکھایا کہ شجاع الدولہ کو کوئی کم پلے کا سپاہی نہیں تھا مگر اس جنگ میں تو اس کے اتحاد عمل میں ایک گونہ بددلی یقیناً پائی جاتی تھی۔ غرض یہ کہ شجاع الدولہ افغانی لشکر سے بغیر جانبین کے کسی غیر معمولی رسوم و مدارات کے اظہار کے روانہ ہو گیا اور اس کے بعد سے اس نے کبھی کسی مذہبی جنگ میں حصہ نہیں لیا۔

احمد شاہ نے کچھ عرصہ بعد اپنے ملک کو مراجعت کی لیکن واپسی سے پہلے اسے شاہ عالم کی بادشاہی کا اعلان کیا جو اس وقت وہاں موجود نہیں تھا اور بادشاہ کی عدم موجودگی کے زمانے کے لیے ایک عارضی مجلس حکومت قائم کر کے شاہ عالم کے سب سے بڑے بیٹے مرزا جواں بخت کو اس کا صدر مقرر کیا اور نجیب خاں کو نجیب الدولہ کا خطاب دیکر صلح و جنگ کے معاملات میں وزیر اعظم مقرر کیا جیسا کہ وہ اس جنگ سے پہلے بھی رہ چکا تھا۔

۹۱-۹۰ء کی یہ جنگ عظیم سب سے پہلے تو فنِ حرب کی قابلیت و استقلال کی قدر و قیمت کی عمدہ مثال پیش کرتی ہے۔ اپنے اتحادی نجیب خاں کی طرح احمد شاہ کے ہاں بھی غلطی کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ برخلاف اس کے بھاؤ اگر

بڑا بہادر تھا مگر نہایت شکمہ اور غیر ممتا اپنے حربی و سیاسی نتائج کے اعتبار سے بھی بہت عظیم خاص طور سے قابل غور ہے۔ اس میں اُس انتہائے زور و قوت کا نمونہ ہی پیش نہیں ہوا جو اُس زمانے میں جنوبی ہند و برادری کو حاصل ہو گئی تھی بلکہ پہلی مرتبہ یہ بھی پیش آیا کہ ایک ایشیائی قوم نے یورپ کے فن حرب کو ایشیا کے قرون وسطی کی جنگبازی کے مقابلے میں استعمال کیا۔ اس میں شک نہیں کہ کامیابی آخر الٰہ ذکر کو ہوئی۔ باوجود گھوڑ چڑھے تو پ خانے اور قواعد داں پیدل سپاہ سے کام لیے جانے کے بھی دشمن نے اپنے زرہ پوشوں کے تابڑ توڑ حملوں کی وجہ سے میدان مار لیا مگر گاردی کے سپاہی باوجود پوری طور پر قواعد داں نہ ہونے کے اور باوجود کسی یورپین انسر کی عدم موجودگی کے بھی جس شان اور کامیابی سے میدان کو ہاتھ میں لیے رہے تھے اس سے نوجوان مادھوجی کے دل پر خاصہ اثر پڑا تھا۔ ہم آگے چل کر ابھی یہ دیکھیں گے کہ خاص سندھیا کی قسمت پر براہ راست اثر ڈالنے کے لیے کارکنان قضا و قدر نے ان واقعات کا پہلو ڈالا تھا۔ اس وقت کی عارضی پامالی نے مرہٹوں کو بنگال پر حملہ کرنے سے روک دیا جس میں شاہ عالم اور شجاع الدولہ بھی غالباً اُن کے شریک ہو جاتے اور ممکن ہے یہ سب مل کر اُس زمانے کی برطانوی قوت کے کچے کمزور پودے کو جڑ سے اکھڑے پڑے اگر مرہٹے بنگال میں کامیاب ہو جاتے تو کوئی چیز اُن کو شمالی ہند میں روکنے والی نہیں باقی رہتی اور جنوبی ہند میں واپس جا کر خواہ کتنی ہی لڑائیاں انھیں لڑنی پڑیں مگر مادھوجی سندھیا کی اولوالعزمیوں کے شریعہ ہونے کا کوئی راستہ نہیں پیدا ہوتا۔ حکم نفاذ و حیدر علی یا نواب نظام الملک کے خلاف تمیزی کا سپاہیاں حاصل کر لیتا لیکن اُس کو دارن جیسٹنگز کے ساتھ کسی قسم کی مفاہمت کرنے کا موقع نہیں مل سکتا اور نہ اس کو ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا مطلقاً مالک بننا نصیب ہوتا تو

صفحہ ۳۶

یہ ہیں وہ وجوہ جن کی بنا پر ہونا کی حکومت کے شمالی ہند پر حملہ کرنے کو اور اس حملے میں مرہٹوں کی افغانوں کے ہاتھوں نہایت خونریز پامالی کو خاص طور سے اسی وقت پر پیش آنے کے قابل سمجھا جاتا ہے اور اپنے نتائج کے اعتبار سے اس قدر اہم شمار کیا جاتا ہے۔ اس وقت کے بعد اور کسی وقت اگر یہ جنگ پیش آتی تو ہرگز اس درجہ اہمیت نہیں حاصل کر سکتی تھی۔ رتناخیز بانی پت کے بعد چند ہی سال کے اندر

صفحہ ۴۴

سمکھ توت کو استحکام حاصل ہو گیا تھا۔ اس لیے پھر کسی طرح انغالوں کو پنجاب میں راہ پانا نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔ معرکہ پانی پت کے بعد صرف چند تاختیں اور مہمیں جن میں سے ہر ایک اپنے سے پہلی کی بہ نسبت کمتر کامیاب ہوتی گئی یہاں تک کہ نوخیز نیم ہندو برادری اپنے خالصہ توت اہل شمال کی یورشوں کے مقابلے میں سد سکندر کی طرح حائل ہو گئی جس نے اُدھر کے حملوں کے سیلاب کو ہمیشہ کے لیے روک دیا۔ صرف یہی نہیں کہ خالصہ دیوار نے یورشوں کے سیلاب کو روک دیا ہو بلکہ اُس نے ایک اور بھی خلافت امید تبدیلی ایسی پیدا کر دی جس کی طرف بہت کم مورخ توجہ کرتے ہیں۔ سولہویں صدی کے وسطی زمانے سے برابر ایک ایک کر کے کثیر التعداد ایرانی اور ترکمانی طالع آزمادوں کی بھرتی چلی آرہی تھی جن میں سے سلطنت مغلیہ کو زبردست فلسفی، خوبصورت شہزادیاں، بہادر سپہ سالار اور قابل سیاست دان براہمیر آتے جاتے تھے۔ اب اس حملے سے نقل مکان کا یہ سلسلہ بالکل بند ہو گیا اور جس وقت کہ بچے کچھے آٹھ دس منگل سردار بھی دُنیا کے ہند سے کوچ کر گئے اُس وقت کسی دوسری ایسی زبردست شخصیتوں کا وجود نہیں رہا جو ہند کی تربیت پذیر طبیعتوں کو اپنے سانچے میں ڈھال کر باطل ملک پر جس چال چلانا چاہیں چلا لیا کریں ؟

بصورت موجودہ ان غیر ملکیوں میں جو سب سے زبردست تھا یعنی نجیب الدہلوی وہ دہلی میں مختار کل بنا ہوا تھا۔ اٹھارہ مہینے پہلے جو ہندو انبوه فائین کے طور پر شہر دہلی میں گھسٹا تھا اُن میں مشکل سے کوئی ایسا بچا ہوگا جو اپنی جان سلامت لیکر دکن پہنچ گیا ہو۔ ہندوستان پاک ہو گیا تھا مگر اس طرح جیسے آگ جلا کر پاک کر ڈالتی ہے کہ سوائے ہر طرف راکھ کے ڈھیر کے اور کچھ باقی ہی نہیں رہتا مخلوق کی مصیبت زدہ حالت کا اندازہ ان الفاظ سے کیا جاسکتا ہے جو ٹاڈ نے اپنی کتاب موسور لہجستان میں ایک ہندی مورخ سے نقل کیے ہیں ؟

صفحہ ۴۸

اُس زمانے میں اہل ہندوستان کو صرف اپنی سلامتی اور اپنے اپنے پیٹ کی بڑی ہوئی تھی۔ جو لوگ مصیبت سے بچ جاتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ اب کوئی فرد بشر مصیبت میں نہیں ہے۔ تنہا اپنی نفسانیت میں اس قدر غرق تھا کہ وہ نئی نوع کے وجود کو گویا بالکل فراموش کیے ہوئے تھا۔

بہرہ نفسانیت جو جماعت و افراد دونوں کی صفات حسد کے واسطے
مہلک ہے نادر شاہ کے حملے کے بعد ہندوستان میں عام ہو گئی تھی۔
اس کے بعد سے خلوت کی حالت اب تک کچھ بھلی نہیں ہے چنانچہ اب
بھی نہ ان کو مرزا کالی نصیب ہے نہ آزادی سے بہرہ حاصل ہے۔

اس وقت مرہٹہ برادری ایسا صدمہ اٹھا چکی تھی کہ اُس میں یہ دم نہیں رہا تھا
کہ اب بہت دن تک ہندوستان کے امن میں اُس کے کوئی افراد خلل ڈال سکیں
ابتدائی آویزشوں میں میدان جنگ کے قتل و خون میں۔ اور بعد کو سیران جنگ کے
انفجاریوں کے ہاتھوں اور فراریوں کے متعاقبین یا دہقانوں کے ہاتھوں تل
ہو جانے میں جو نقصان ہوا تھا اُس میں زبردست مرہٹہ لشکر کا تین چوتھائی حصہ فنا
ہو گیا تھا۔ گرانٹ ڈن کے تخمینے کے مطابق اس محاربت عظیم میں دو لاکھ مرہٹہ سپاہ کاٹ گئی
مرہٹوں کو اس تباہی سے بچانے اور کامیابی دلائی کی کوشش بھی کی گئی تھی۔
پانی پت کی نو یا دس ہفتے کی ناکہ بندی کے زمانے میں بھاؤ کی مصائب کی خبریں
اس کے ابن حم کے پاس پونا پہنچ چکی تھیں۔ پیشوا اگرچہ عیش پسند تھا مگر ہمت مردانہ
سے عاری نہیں تھا اور اُس نے اپنے اعزاء و احباب کی جان بچانے کے لیے فوجی الامکان
کوشش میں کمی نہیں کی۔ دسمبر سنہ ۱۷۸۷ء میں وہ احمد نگر سے پوری ممکن الاجتماع فوج لیکر نکلا۔
ابھی وہ قربانک پہنچا تھا کہ دریا کو عبور کرتے وقت اُس کو ایک ہرکارے نے سلام
کیا۔ یہ ایک ہرکار کا خط لینے ہوئے جا رہا تھا۔ اس ہرکارے کو مکتوب الیہ کے پاس
یہ خط پہنچا جس کی بہت جلدی تھی۔ بہر حال اس خط کو ہرکارے سے لیکر پیشوانے بہت بری گھڑی کے
الفاظ پر مبنی۔ دو موتی گم ہو گئے۔ ستائیس اشرفیاں گھبل گئیں۔ چاندی اور تانبے
کے نقصان کا اندازہ بیرون از قیاس ہے۔

تعماضے اہیاط کے مطابق جس استعارے میں وہ خط بھیجا گیا تھا اُس سے پیشوا
کی سمجھ میں وہ تباہی و بربادی آگئی جو افسروں اور سپاہیوں پر نازل ہو چکی تھی۔ اسکے
بعد ہی بدحواس فراری ایک ایک کر کے لشکر میں ٹپکنے شروع ہو گئے جو برابر اُس
دائیت جان کا دل خراب کر رہے تھے۔ ہر ادنیٰ اور اعلیٰ برج و قلع کا عالم طاری ہو گیا
اور بڑی حسرت کے ساتھ پیشوانے اپنی بیچکارہ ملک کی واپسی کے احکام صادر کر دیے۔

صفحہ ۹۹

پیشوا کی صحت اپنی عیش پرستی کی وجہ سے پہلے ہی خراب ہو رہی تھی اس سہمے نے بالکل اُس کی کمر ہٹی توڑ دی اور جون سالہ میں وہ شکستہ دل ہو کر پونا میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد مرہٹہ مملکت کی صدارت عظمیٰ پر اُس کا منجھلا بیٹا مادھو راؤ تخت نشین ہوا جو سندھیا کا ہمنام تھا۔

ذیل کے صفحات میں ہم ناظرین پر اُس بڑے آدمی کی شخصیت و انداز رفتار کو واضح کرینگے جس نے اس طرح غارتگری مصائب اور طوائف الملوکی کے گہوارے میں پرورش پائی۔ اپنی زندگی کے بڑے حصے میں ہر قسم کی محاسنتوں اور سازشوں سے دوچار ہوتا رہا اور پھر بھی اسی اتری اور بے تربیتی کے اندر ایک ایسا راستہ نکالا جس سے مصیبت زدہ قوم کی سرسبزی و خوشحالی کی سہلی منزل ملے ہو گئی۔ یہ لکھا جا چکا ہے کہ مادھو جی نا جائز بیٹا رانوجی ٹیل کا تھا اور رانوجی دراصل

صفحہ ۵۰

اپنے آقا پیشوا کا کفش بردار تھا۔ رانوجی کا خاندان بہت اعلیٰ اور بہت شریف تھا۔ اس خاندان کے ایک ادنیٰ شخص کی نسل میں کینہ کھیڑہ کی سرداری تھی جو تاراسے سولہ میل برداق ہے۔ خود رانوجی کے مورثوں کو سلطنت مغلیہ کے اندر منصب حاصل رہا تھا۔ مگر رانوجی کے باپ پر برادقت آگیا تھا اور وہ موضع کا ٹیل رہ گیا تھا اور اُس کا بیٹا رانوجی بالاجی دشوانا تھا پیشوا کے پائیگاہ یعنی شاگرد پیشوں میں ملازم ہو گیا تھا۔ رانوجی کا کام یہ تھا کہ جب پیشوا اپنے راجہ کی ملاقات کے لیے اندر جائے تو وہ پیشوا کی جوتیوں کی حفاظت رکھے اور جب وہ اندر سے نکلے تو جوتیاں جھاڑ کر اُس کے سامنے رکھ دے۔ ایک موقع پر پیشوا کو تھیلے میں دیر لگ گئی اور رانوجی اس قدر تھک گیا کہ وہ اپنی جگہ پر پڑ کر سو رہا۔ پیشوا جب باہر آیا تو اُس کو یہ ادا بہت پسند آئی کہ سوتے وقت تک حلال ملازم اپنے آقا کی جوتیاں دونوں ہاتھوں میں لیے ہوئے سینے سے لگائے تھا۔ اس وقت سے رانوجی کی قسمت کا ستارہ چمکا اور رفتہ رفتہ اُس کو ایک جاگیر شمالی مالوہ میں عطا کر دی گئی اور اُسے افسر بنا دیا گیا۔ چنانچہ اُس نے قدیم راجہ بکرماجیت کی راجدھانی اُجین کو اپنا صدر مقام قرار دیا اور وہیں رہنے لگا۔ صوبہ مالوہ پہلے نواب آصف جاہ بہادر کی زیر نظارتی تھا جو بوجہ وہ حکمران حیدرآباد کے مورث اعلیٰ ہیں سالانہ میں جب نواب آصف جاہ بہادر کن فوج کرے کے

صفحہ ۵۱

لیئے گئے تو اس پر دوسرا صوبہ دار آگیا اور اسی طرح ایک کے بعد دوسرا آتا رہا یہاں تک کہ سلطنت مغلیہ کے زوال ہی کے زمانے میں ایک باضابطہ صوبہ دار جے سنگھ نامی مقرر کیا گیا جو جے پور کا نمک حلال اور قابل دھیراج تھا۔ اس صدی کے وسط میں بالاجی باجی راؤ پیشوا نے ثالث نے جس کی شکست و موت کا حال ابھی لکھا جا چکا ہے اس صوبے پر اس چیلے سے قبضہ کر لیا کہ وہ سلطنت مغلیہ کے ماتحت صوبہ دار کے طور پر سلطنت کا باج گزار رہیگا۔ لیکن چونکہ پیشوا کو اپنے دور دراز مستقر میں اور ضروری باتوں میں مصروفیت بہت رہتی تھی اس لیے اس نے مقبوضے کے اس طرح حصے بخرے کیے کہ جنوبی حصہ تو ملہار راؤ ملکر کو بطور جاگیر کے عطا کر دیا اور شمالی حصہ اسی طرح رانوجی کو دے ڈالا۔

رانوجی نے اپنا صدر مقام شمالی ملوہ میں اُجین کو مقرر کیا اور اسی مقام پر وہ پانچ بیٹے چھوڑ کر راہی ملک عدم ہو گیا۔ ہماری داستان کا ہیر دان پانچوں میں عمر کے اعتبار سے چوتھا تھا اور ولادت کے اعتبار سے ناجائز تھا۔ مادھوجی کے سب بھائی پانی پت کی لڑائی سے پہلے ہی پانی پت کے واقعے میں ختم ہو چکے تھے چنانچہ جہاں تک ہم مذکرہ آئے ہیں اس وقت صرف ہی ایک پائنتک مقرر اپنے خاندان کا آخری نام لیوا راستے کے کنارے مرجانیٹکے لیے افغان متعاقب کے ہاتھ سے بچ رہا تھا۔ لیکن یہ خاندان بے چراغ ہونے سے بچنے کو تھا۔ خدا نے مین وقت پر اس راستے ایک بھشتی کو بھیج دیا جو اپنے بیل پر پکھال لادے چلا جا رہا تھا۔ اس بھشتی نے جس کا نام رانا خاں تھا تھوڑی سردار کو اٹھا کر بیل پر لاد لیا اور ایک مقام محفوظ پر لیکھا اور اس انسانیت کے معاوضے میں رانا کو آخر کار نہایت ہی معقول انعام بھی ملا۔ نوجوان مادھوجی جو کبھی بھلائی یا بُرائی کو دل سے بھلایا نہیں کرتا تھا ہمیشہ اس مسلمان بھشتی کو بھائی کہہ کر خطاب کرتا رہا اور جب یہ بھشتی فوجی ملازمت میں داخل ہو گیا تو مادھوجی نے اس پر اس قدر عنایت کی کہ نظر میں رکھی کہ ایک دن رانا خاں فوج کا سپہ سالار ہو گیا اور بعد کے کئی اہم معرکوں میں اُس نے سپاہ کی قیادتیں کیں۔

صفحہ ۵۲

پانی پت کے واقعہ ہائیکہ کے وقت مادھو راؤ کی عمر اندازاً تیس سال تھی۔ اُس کی صبیح عمر اس وجہ سے نہیں بتائی جاسکتی کہ کسی بیاضا بیوی کے بطن سے نہونکی

سندھیا

وجہ سے اُس کی پیدائش کا وقت اور مقام ہمیشہ چھپایا گیا تھا۔ اب چونکہ وہی ایک اہلیت رکھنے والا اپنے تمام خاندان کا نام لیوا رہ گیا تھا اس لیے اُسی کے ہاتھ مورولی جاگیر اور جاگیر فوج کی قیادت آئی اگرچہ اس میں اس کو بڑی دشواریوں اور الجھنوں میں بھی پھنسا پڑا۔ پُرانے زمانے کے بوڑھے سردار سب اُس کی ناجائز ولادت کی وجہ سے اُس کی وراثت کے خلاف تھے اور بعض مورخوں کا خیال ہے کہ اس مخالفت نے اُس کے دل میں اپنے حقوق کی طرف سے بغض و عناد کا بیج بو دیا تھا چنانچہ جب وہ ملکی و فوجی نظام قائم کرنے کے قابل ہوا تو اُس نے اپنے حقوق کے مقابلے میں ہمیشہ غیروں کو ترجیح دی۔ مادھوجی سے سرکشی کے آثار بھی ظاہر ہوئے تھے اور ایک مرتبہ تو اُس کو سخت سزا کا بھی مستوجب سمجھا گیا تھا جبکہ اُس کو حکم تو یہ ملا تھا کہ جاگیر اپنے خواجہ تاش بلکر کی موت کے وقت فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لے کر وہ پونا ہی میں بیٹھا رہ گیا۔ بہر حال یہ واقعات مادھوجی کے چال چلن پر کوئی دھیان نہیں لگا سکتے تھے۔ ملہارجی بلکر جو دراصل ایک چرواہا تھا اُن لڑائیوں میں امتیاز حاصل کر چکا تھا جو تسخیر مالوہ کے سلسلے میں پیش آئی تھیں۔ جنگ پانی پت کے بعد لکھنؤ میں وہ مالوہ واپس آ گیا اور چار سال بعد انتقال کر گیا اور اپنی جاگیر کو اہلیہ بانی کے زیر انتظام چھوڑ گیا چونکہ اس کے بیٹے کی بیوہ اور اُس کے نابالغ پوتے کی نگرانی تھی۔ اس خاتون نے جس کی شہرہ آفاق قابلیت کا حال ہم بعد کو کسی جگہ لکھینگے اپنی جائے سکونت کے لیے خوش و وقع موضع اندور کو پسند کیا لکھنؤ میں اُس نے تعمیرات کا سلسلہ شروع کر دیا اور یہ چھوٹا سا موضع اب ترقی کر کے نہایت آباد شہر بن گیا ہے اور بلکر کی ریاست کا دار الحکومت ہے۔ اس وقت سے پہلے اس علاقے میں اور کئی بڑے بڑے شہر مختلف اوقات میں عروج حاصل کر چکے تھے مثلاً کھیل۔ سارنگ پور۔ مانڈو وغیرہ مگر وہ سب اب برباد ہو چکے ہیں۔

صفحہ ۵۳

ملہارجی کا پوتا اپنے دادا کے بعد عرصے تک زندہ نہیں رہا اور پونا کے دار المہام رگناتھ راؤ عرف رگھو بانے بیوہ رانی کو حکم دیا کہ بلکر خاندان کی جائیداد اور ریاست کے لیے کوئی مرد وارث متبنی کرے لیکن رانی نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ خود حکمرانی کر سکتی ہے۔ اس پر رگناتھ راؤ نے جو پونا میں مختار کل تھا اپنے جاگیر دار کی بیوہ بہو کے خلاف فوجی

کارروائی کرنے کی دھمکی دی کہ اگر وہ کسی کو متنبی نہ بنائے گی تو اس کی تمام جائیداد لوٹ لی جائے گی اور اس کے خاندان کو استحقاق حکمرانی سے محروم کر دیا جائیگا لیکن ماہوہی راجہ نے اپنے متوفی ملیعن کے خاندان کے خلاف کارروائی کرنے سے انکار کر دیا اور چونکہ بھونڈا راجہ ناگیور بھی اس مخالفت میں شریک ہو گیا اس لیے رکھنا تھ راؤ کو مجبوراً یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔

الغرض دارالمہام پونا نے جو فوج اندور پر حملہ کرنے کے لیے ترتیب دی تھی اس کا رخ بدلنا پڑا چنانچہ اس کو میر سامان دیسیاجی کرشن کی برائے نام قیادت میں دیکر اس زمانے کی کمزور بادشاہت دہلی کے خلاف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا گیا جو اس وقت نجیب الدولہ کی نگرانی میں تھی لیکن سندھیا پر اے ہاتھ پر شکرد پالنے والا نہیں تھا۔ اس نے وسط ہند میں بادشاہت کی بنیادیں رکھ دی تھیں جہاں خود اس کی جاگیر بھی واقع تھی۔ اور چونکہ اس کے پاس اس کی ذاتی جمعیت پندرہ ہزار سوار کی موجود تھی اس لیے اس نے بہت جلد اپنے شئیں بہ اعتبار اپنے اقتدار کے زربدا اور خلیل کے درمیانی علاقے کا حاکم بنا لیا۔

صفحہ ۵

بہر حال ۱۷۹۱ء میں سندھیا نے اپنی فوج کو میر سامان کی سپاہ میں شامل کر کے بھرتور کے جاٹوں پر باقاعدہ تاخت کرنے میں شرکت کی۔ یہ موقع اس زبردست قوم کے حالات بیان کرنے کا نہیں ہے جو مدتوں سے ہندوؤں کے ملک میں اہل حق پرستی چلی آرہی ہے کہ ان میں نہ ہی مکران میں ملی حلی نہیں۔ حالت صلح میں نہایت مخفی اور حالت جنگ میں نہایت مشکل سے قابو میں آنے والے جاٹ ہمیشہ اپنے مخصوص قومی خصائص کو قائم رکھتے چلے آئے ہیں۔ جاٹ پہلے وادی سندھ میں نمودار ہوئے جہاں سے تیمور لنگ کے زمانے میں وہ جانب مغرب پھیلے چلے گئے۔ امیر تیمور ان کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں مگر اپنے خصائص کے اعتبار سے اول درجہ کے فزاق ہیں۔ عالمگیر کے زمانے میں یہ لوگ آگرہ اور بھرتور تک آچکے تھے اور پنجاب میں کھتریوں کے ساتھ مخلوط ہو کر ایک تیسری قوم سکھ ان سے پیدا ہو گئی تھی۔ ۱۷۹۱ء میں اور پھر ۱۷۹۹ء میں شاہی حکومت ہند کی طرف سے ان کے خلاف نہیں بھی گئی تھیں جن کا مقابلہ کرنے کے لیے ان لوگوں نے اپنا ایک سردار منتخب کر لیا تھا

جس کا نام چوراسن تھا۔ چوراسن بعد کو سنسکرت کے ایک معرکے میں مارا گیا۔ اسی چوراسن کا پوتا سورج مل تھا جس نے سنسکرت میں بھاؤ کو مشورہ دیا تھا اور اپنے مشورے پر عمل نہوتے دیکھ کر کنارہ کشی اختیار کر کے اپنے تئیں باہی سے بچا لیا تھا۔ ان بہادر کسانوں کی امداد سے نجیب الدولہ نے کچھ عرصے تک مرہٹہ سپاہ کے حملوں کا مقابلہ کیا مگر ۱۷۶۵ء میں جبکہ مرہٹہ سپاہ کے ایک بدو سرے حصے کو کرنل کارنک نے کاپور کے علاقے سے نکال باہر کیا تھا۔ لیکن جاٹ بھی اپنی فیاضی کے لئے مشہور نہ تھے۔ کیونکہ جیسے ہی مرہٹے نکال باہر کیے گئے کہ جاٹوں نے سلطنت مغلیہ کے جسم مردہ کی ہڈیوں کی بوجھ کھسوت کا موقع ڈھونڈھ نکالا سورج مل نے شاہی شہر آگرہ اور اس کے زیورستان قلعے برقبضہ کر لیا۔ اور کئی دیگر مقامات دہلی کے جنوب مغربی ملک میوات میں اپنے قبضے میں کر لئے اور بالائی جنا کے ملک کا قصد کرنے لگا اس وقت سورج مل نے والٹرین ہارٹ عرف سومبر کی خدمات حاصل کر لی تھیں سومبر ان فرنگیوں میں تھا جن کو معاہدہ اپنے ہمارے کاموں کے کسی کی ملازمتیں اختیار کرنے میں ذرا تامل تھا۔ ایک پٹن تو اعداء ملنگوں کی بھی سورج مل کے پاس ہوئی تھی۔ پھر اس گھوڑ چڑھا تو بہت خانہ بھی تھا اور بیٹے جو ملنگ تو ہیں کے یورپین سپاہی بھی تھے لیکن دہلی کا رستم بھی بھرتور کے اسفندیار کے لئے بہت نکلا۔ جاٹ سردار مارا گیا اور اس کی بیٹی ۱۷۶۵ء میں شکست دیکر بھرتور کے قلعہ میں پناہ لینے پر مجبور کی گئی۔ اس کے بعد جاٹوں نے جیپور کے راجپوتوں پر حملہ کیا اور شکست کھا کر سومبر نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا جو ہمیشہ سے یارنیاہوں کا زیادہ ساتھ دینے کا عادی نہیں تھا۔ اس کے بعد جاٹ ریاست میں مرہٹے تک اتر ہی پہلی رہی لیکن آخر کار سورج مل کا سب سے چھوٹا بیٹا راجہ یا جاٹوں کی اصطلاح میں ان کا بھٹا کر ہو گیا۔ اس کے راج میں بھی جاٹ ریاست اگر سے سے الورتک پہلی ہوئی تھی جس کی سالانہ آمدنی بیس لاکھ تھی اور جس کے پاس ساٹھ ہزار سپاہ تھی۔ پھر ابتدائے سنسکرت میں سکھوں نے نجیب الدولہ کے خلاف فوج کشی کی مگر اس سے افغانیوں کو اکدم آڑنے کا موقع مل گیا جنھوں نے احمد شاہ کی سرکردگی میں تمام پنجاب کو روند کر رکھ دیا۔ احمد شاہ نے کچھ عرصے تک اپنی سابقہ کامیابی کے مقام پانی پت پر قیام کیا جہاں اس نے سابقہ انتظامات کو از سر نو استوار کیا اور پھر اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔ اس روانگی کے تھوڑے ہی عرصے بعد مرہٹہ فوج نے دریائے

پھیل کو عبور کیا اور جے پور کے میدانوں میں سے ہوا کہ اُن کو لڑتی تھیں پھر تپو پر چلا اور
ہوئی جاٹوں کو زیر کر کے مرہٹوں نے سکھوں میں دہلی پر پیش قدمی کی اور نجیب الدولہ
کے ساتھ شرائط طے کرنے کے لئے نامہ و پیام شروع کیا جس کا اصلی منشا یہ تھا کہ
مرہٹوں کو بلاغل و خش یہ حق حاصل ہو جائے کہ جو ملک دریائے پھل یعنی حد ملک
سندھیا سے شروع ہو کر دریائے جہانک چلا گیا تھا اور دربار دہلی کا محروسہ سمجھا جاتا تھا
اُس میں وہ چوتھ وصول کر سکیں گے۔

میر سامان کی قیادت میں جو فوج سکھوں میں دریائے نرہ کو عبور کر کے چلی تھی
اُس کا جائزہ مالوہ میں لیا گیا جہاں سندھیا کی فوج اور بیوہ رانی کی فوج اُس کے قابل
سپہ سالار تلوچی بلکر کی سرکردگی میں آ کر شریک ہو گئی تھی۔ ان میں سے ہر سردار کی ماتمی میں
پندرہ ہزار سوار تھے اور خود میر سامان کی ماتمی میں بیس ہزار تھے اور وہ سب سپہ
خاکثر رسالے اُن کے علاوہ تھے جو بعد میں پنداروں کے منحوس لقب سے مشہور ہوئے
ایک زبردست پیدل سپاہ بھی معہ توپوں کے اس لشکر میں شامل تھی لیکن اس فوج کے
سپاہی مرہٹہ قوم سے نہیں تھے بعض مالوے کے باشندے تھے بعض دو آبہ کے ہندو تھے
اور سب میں زیادہ بھروسے اور قدر کے قابل عرب اور حبشی تھے جو کوکن اور مالابار
کی جہازوں قوموں سے تعلق رکھتے تھے۔

سکھوں میں بلکر کی فوجوں کی تاخت سے قطع نظر کر کے یہ پہلا موقع تھا
کہ واقعہ یانی پت کے بعد مرہٹہ فوج بھر ہندوستان میں نمودار ہوئی۔ اس وقفے کے
دوران میں بہت سے واقعات پیش آچکے تھے جن میں مشرقی صوبہ جات سے میر قاسم کا
معزول و مہل کر دیا جانا اور شاہی فرمان کی رو سے برطانوی تجارتی کمپنی کے کارکنوں کا
دیوانی انتظام اپنے ہاتھ میں لے لینا بھی شامل تھا۔ مقرر شاہ دہلی کو پھر برطانیہ اور نواب
وزیر اودھ کی حمایت میں سخت پر بیٹھا دیا گیا تھا اور وہ اب بھی اپنا ٹوٹا پھوٹا دربار اپنے
مورثان اعلیٰ کے دیوان خانوں میں آباد میں مقعد کر لیا کرتا تھا۔ اس کی بادشاہی اب ایسی
گری ہوئی حالت کو پہنچی تھی کہ اُس کو برطانوی قلعہ بار کی فہمائش پر اپنے محل کا باجہ بند کر دینا
پڑا تھا۔ خدا کی شان ہے کہ اس باجہ کے دخیانہ غصے آچکے دن برطانوی قلعہ دار کی نیند
میں خلل ڈالتے تھے دراصل حالیکہ ایک زمانے میں اسی باجہ نے فریسی (برنیر) سیاح پر

ایسا رعب طاری کیا تھا کہ اُسے اُسی میں شانِ سلطنت نظر آگئی تھی۔ ان قیود سے تنگ آکر شاہ عالم دہلی پہنچ جانے کے لیے بیتاب تھا اور بغیر اپنے برطانوی سرپرستوں سے ذرا بھی مشورہ کئے ہوئے اُس نے خفیہ نامہ و پیام براہِ راست مرہٹہ سردار سے شروع کر دیا اور شاید یہی اصلی غرض و غایت مرہٹوں کے اُس وقت ہندوستان میں نمودار ہونے کی ہوئی بھی ہو کیونکہ یہاں آکر انھوں نے شاہی محلات اور شہزادہ صدر حکومت کا بڑا احترام کیا۔ اب ہم جنگ و سازش کے نہایت ہی پر آشوب و پر فتنہ دور میں آتے ہیں اور یہ تفصیلِ تحمل سے محلِ ناظرین کے لیے بھی اجیرن ہو جائیگی جس کی ہم کو ابھی سے معذرت کر لینی چاہیے۔ ہمارے پاس صرف یہ ایک غدر ہے کہ یہ وہ زمانہ ہے جس سے ہندوستان کی تدریجی بحالی امن کی ابتدا ہوتی ہے اور اُس سربراہِ آوردہ برطانوی مدبر کی عمیق نظری کا ثبوت ملتا ہے جس نے بلا فتوحات اور بلا غیر ضروری خونریزی کے اقلیمِ ہند میں برطانوی سلطنت قائم کر لی۔

باب سوم

بجالی شہنشاہ سے عائدہ سالانی تک

صفحہ ۵۸

مرہٹہ میر سامان نے جس نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا تھا اُس کا اتمام تکو جی ہلکر کے سپرد ہوا۔ یہ وہی سردار تھا جسے ملہار راؤ کی بیوہ جوئے خاندان ہلکر کا انعام اپنے ہاتھ میں لے رکھنے کے لیے منتخب کیا تھا۔ اگرچہ یہ شخص ملہار راؤ کے قبیلے کا فرد نہیں تھا مگر اُس نے بھی ہلکر خاندان کے قدیمی اصول کو اپنا دستور العمل بنا لیا تھا جس کا ایک جز وہ یہ تھا کہ چٹھانوں یا ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ ہمیشہ اتحاد رکھا جائے جن میں روہیلے اُس زمانے میں اپنی مستعدی کے اعتبار سے سب سے پیش پیش تھے مگر مادہ مذکورہ کو اس فرقے کے ایک تو خاندانی عناد تھا دوسرے وہ نجیب الدولہ کو حصول مقاصد میں اپنا سب سے سخت حریف سمجھتا تھا اور چنانچہ نجیب الدولہ کے ساتھ تھا۔ اس موقع پر ان دو شخصوں کی خصوصیات کا بالمقابل بیان کرنا طوالت سے خالی نہیں جن کے ہاتھوں میں بٹا ہوا اس وقت مرہٹہ سلطنت کا محکمہ خارجہ بھی تھا اور تقسیم مالوہ میں بھی ان کا برابر کا جوڑ تھا۔ ہلکر خاندان کے سرگروہ کے قبیلے میں مالوے کا جنوبی حصہ تھا جو زبدا کے شمال میں سلسلہ بندیہ چل پر ختم ہوتا تھا۔ یہ شخص نہایت اچھا سردار تھا اور نگہاں کے ساتھ اُس مستقل مزاج و کامیاب تھا جس نے اُس کو گوشہ گنہامی سے نکال کر اس رتبہ تک پہنچا دیا تھا۔ اس سردار کا انتہائی مطیع نظریہ تھا کہ اُس کی اپنی مالک کے اغراض بالخصوص اور مرہٹہ بادشاہ کی انتہائی باہموں اور سب سے ہو جائیں۔ چنانچہ اس اعتبار سے اُس کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ نجیب الدولہ کی طرف سے جو اظہار اشتی و مصالحت ہو رہا ہے اُس سے فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ ابھی نجیب الدولہ جاٹوں کی سرکوبی کر چکا تھا اور یہ ہر وقت ممکن تھا کہ وہ اسلامی اتحاد کو از سر نو استوار کر لے وہ سلسلہ کے مرہٹہ کش اتحاد کو روح رواں دہ چکا تھا اور اب بھی

صفحہ ۵۹

احمد شاہ کی رفتار عنایت اس پر ویسی ہی موجود تھی کیونکہ احمد شاہ کے لیے نجیب الدولہ کا وجود ہمیشہ مفید ثابت ہوا تھا۔ غرض یہ کہ نجیب الدولہ کو مرہٹہ لشکر میں دوستانہ قدم رکھنے کرنے کی دعوت دی گئی جو اس نے منظور کر لی۔ مگر اب چونکہ اس کا وقت اخیر تھا اور جانتا تھا کہ حیات مستعار کے زیادہ دن باقی نہیں ہیں اس لیے اس نے اپنے بیٹے عبداللہ خاں کا ہاتھ تلوچھی کے ہاتھ میں دیدیا کہ تلوچھی اسکے فرزند کا حامی رہے تو نجیب الدولہ کو پیسے ہی نہ ملے بلکہ اس کمزور طبیعت اور نااہل بیٹے کو ہیشہ کس قدر ضرورت و دشمنوں کی زندگی پر نجیب الدولہ نے سندھیا کو بھی رنج پر لانے کی کوشش کی مگر اس میں وہ مات کھٹا گیا۔ سندھیا نے صاف کہہ دیا کہ میں انتقام و خوں بہا چاہتا ہوں اس تباہی و فحش جو میرے بھائی بھتیجوں کو برداشت کرنی پڑی ہے اور جس نے مجھے ہمیشہ کے لیے لنگڑا کر دیا ہے میں اس پر بھی خوش نہیں ہوں کہ میرے خواجہ تاش نے اس مسلمان سردار کو اپنا دوست بنانا پسند کر لیا ہے مگر میں پیشوا کا ملازم ہوں اور اگر وہ اس اتحاد کو منظور فرمالیگا تو مجھ پر پابندی لازم ہو جائیگی۔

اس صاف گوئی کو ایک ہمعصر مورخ نے نقل کیا ہے اور یہی فقرہ حقیقت

صفحہ ۶۰

میں سندھیا کے ظاہر و باطن کا اراکت انا انتہا راز بقائے صرہ برادری کا قیام اور اپنے ذاتی منصوبہ جات و اغراض کا انصرام ہے۔

ان انتظامات کے بعد نجیب الدولہ مرہٹہ لشکر سے واپس آگیا اور اپنی خدات

سے سبکدوش ہو کر شہر نجیب آباد کو چلا گیا جو اس نے اپنے نام پر دریائے گنگا کے

مشرق میں بسایا تھا اور یہیں اس نے اکٹوبرٹ ۱۷۸۱ء میں انتقال کیا اور اس کی

تمام جائداد جاگیر معہ دارالمہامی کے اس کے مذکور الصدر بیٹے ضابطہ خاں کے ہاتھ

آگئی۔ نجیب الدولہ کے حین حیات میں مٹھ فانی ٹارٹ پر پرنٹڈ برطانوی

ستمبر بنگال نے اس کی شخصیت کے متعلق یہ بات قائم کی تھی کہ سندوستان بھر میں

نجیب الدولہ ہی کی ذات ایسی ہے جس کو عظمت و اہلیت کا مجموعہ کہا جاسکتا ہے۔

۷۸ { سنہ ۱۷۸۱ء میں روہیلوں کی قوت زوال پذیر ہونے لگی۔ جو علاقے دہلی خاں

نے دہلی میں حاصل کر لیے تھے وہ اس کو مجبوراً مرہٹوں کے حوالے کرنے پڑے اور

اپنی وفات کے وقت وہ صوبہ کٹہر (روہیلکھنڈ) کو پٹھان سرداروں کی ملک غیر حکمرانی

مجلس حکومت کے ہاتھ میں چھوڑ گیا جس کا صدر حافظ رحمت خاں تھا۔ دہلیوں کی دوا بہ سے بید غلی مادھو جی کے ہاتھوں انجام پائی جس کو جاٹوں کی سرکوبی کے احکام بھی مل چکے تھے۔

اس عرصے میں ضابطہ خاں نے اپنی طبیعت کی اس غدارانہ کمزوری کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا جو اُس کی مختصر اور بدنام زندگی کی نمایاں شان رہتی چلی آئی جس وقت کہ مرہٹے راج پوتانہ میں جاٹوں کے ملک میں بالائی دوا بہ اور مرہٹیکھٹ میں دھونس دیتے چہرے پہنچے تھے اُس وقت بھی ضابطہ خاں نے نہ ان کو رو براہ لانے کی کوشش کی نہ کسی اور طرے امداد و اتحاد کے لیے ہاتھ بڑھایا بلکہ چپ چاپ بیٹھا ہوا دار الحکومت سے غیر موجود بادشاہ کی آمدنی کو کاؤ خورد اور خاندان شاہی کے متعلقین سے سازشیں کر کے قلعہ مہلی میں جو تیموریہ خاندان کا آخری مامن و مہج تھا ابتری پیدا کر دی اسلئے میں قلعہ شاہی پر مرہٹہ سردار نے قبضہ کر لیا اور ضابطہ خاں فرار ہو کر اپنے شمالی مقبوضات میں پناہ گزین ہو گیا اور وہاں سے اُس نے تکیو جی ہلکر سے نامہ و پیام شروع کیا جو خود شاہ عالم کو تخت دہلی پر واپس لانے کی تجاویز پر غور کر رہا تھا۔

اس خانہاں برباد بادشاہ کو نواب شجاع الدولہ کی شکست کے بعد کلائیونے ایک ذلیفہ مقرر کر کے برطانوی حمایت میں الہ آباد میں سکونت گزیر کر دیا تھا جہاں اُس کو محققہ شمال مغربی اضلاع پر بلا واسطہ دیوانی و نو جداری اختیارات بھی حاصل تھے لیکن اُس کو دہلی واپس جانے کے بعد اپنے آبا و اجداد کی سلطنت کو پھر زندہ کر دکھانے کے خواہش نظر آیا کرتے تھے۔ ان خوابوں کی تعبیر کا بہترین موقع اُسے نجیب الدولہ کی وفات کے وقت نظر آنے لگا۔ دہلی کے سربراہ آدرہ اشخاص بھی پٹھانوں سے اُٹا گئے تھے اور بادشاہی کے پھر قیام میں اُنھیں روہیلوں کی دراز دستیوں سے خلاصی ملنے کی اور خود امور سلطنت میں حصہ دار بننے کی امیدیں پوری ہوتی نظر آنے لگی تھیں۔ برطان اس کے نواب اودھ اس تجویز کے خلاف تھا اور جس وقت اس کا اظہار برطانوی احکام پر ضابطہ سے کیا گیا تو اُنھوں نے بھی سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ بہر صورت تکیو جی نے بادشاہ سے یا بادشاہ نے تکیو جی سے نامہ و پیام جس

شخص کے ذریعے شروع کیا اُس کا خطاب حسام الدولہ تھا۔ یہ ایک ناقص مثل برادر تھا اس تمام نامہ و پیام میں سندھیا کے شریک ہونے کا کوئی دستاویزی ثبوت موجود نہیں ہے اور صرف ایک امر یہہ پانچ تحقیق کو پہنچ سکا ہے کہ بادشاہ نے پونا دربار کو دس لاکھ روپیہ بطور نذرانہ یکمشت پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا اور ایک باہمی قرارداد زمانی یہہ بھی ہوگئی تھی کہ برطانوی کفالت میں جو اضلاع بادشاہ کو نواب اودھ سے ملے تھے وہ بھی مرہٹوں کو دیدئے جائیں گے مگر اس کا ذکر کسی تحریر میں صاف صاف نہیں تھا بلکہ اشارہ کر دیا گیا تھا کہ:

غرض یہ کہ برطانوی گورنمنٹ کے مشورے اور نواب اودھ کی فہمائش کی پروا نہ کر کے شاہ عالم دوا آب تک بڑھ گیا اور برشکال ختم ہونے سے پہلے وہ ہلکھٹہ کی سرحد پر فرخ آباد پہنچ گیا۔ ہندوستان میں جو مرہٹہ لشکر کا بڑا حصہ موجود تھا وہ دہلی میں امن قائم کئے ہوئے شاہ کی آمد کا منتظر رہا لیکن سندھیا جو اپنے زبردست منصوبوں کے پورا کرنے میں ہمیشہ مستعد رہتا تھا ایک منتخب جماعت اپنے ہمراہ لیکر دہلی سے روانہ ہو گیا۔ بادشاہ کے لشکر میں پہنچ کر اُس سے نیاز حاصل کیا اور خود ہر گاہی میں روانہ ہو کر بادشاہ کو دارالکلوست کی طرف پچلا جہاں موکب شاہی ۲۵ دسمبر ۱۸۱۷ء کو پہنچا۔ آئندہ چند ماہ تک سندھیا اور دوسرے مرہٹہ سردار خاص دہلی اور اُس کے مضافات میں رہ کر ضابطہ خاں کے فکری حلوں کے خلاف مداخلت کے استحکامات میں مصروف رہے کیونکہ ضابطہ خاں اُس وقت دوا آب کے اس سرے پر مقیم تھا۔ اس جگہ اُس کے کئی زبردست قلعے تھے مثلاً غوث گرھ۔ سہارنپور اور شکر نال۔ جہاں دریا سے گنگا کو ہستان سے نکلنے کے بعد سب سے پہلے قابل جہاز زانی ہوتا ہے۔ ضابطہ خاں نے کچھ عرصے سے ہلکر کی حمایت سے فائدہ اٹھانا ترک کر دیا تھا اور دریا کے اُس پار اپنے ہمقوم چٹانوں اور روہیلوں کو ابھارنے کی کارروائیاں کر رہا تھا۔ اسی صوبے میں ضابطہ خاں کے پاس ایک چوتھا معرکہ کا مقام نجیب آباد بھی تھا جس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ جہاں اُس کے باپ کا انتقال ہوا تھا اور اس شہر کے قلعے کا نام تھہر گرھ تھا۔ اس قلعے میں ضابطہ خاں نے روز افزوں غاصبت کی کارروائیوں کی خبر سکر سکونت اختیار کر لی تھی تاکہ وہ بائیں کے سامنے آجائے اور اُس کے پیچھے اُس کے دوستانہ قابل روہیلوں کے آجائیں لیکن روہیلوں

نے نواب شجاع الدولہ کی تیاریوں کو دیکھ کر فوراً غیر جانبداری اختیار کر لی اور خود شجاع الدولہ نے جو منصوبے باندھ رکھے تھے اُن کی تکمیل کی صورت اُسے اسی میں تسلی ملی کہ بادشاہ کے محض خیالی منصوبوں کے ساتھ شریک کار ہو جائے۔ شجاع الدولہ اگرچہ پیہ جانتا تھا کہ دہلی میں جو تجویزیں سوچی جا رہی ہیں اُن سب کا محرک سندھیا کا جذبہ انتقام ہے پھر بھی اُس نے یہ سوچ لیا کہ ایک بحال شدہ بادشاہ کو شاہی سیاسیات میں کچھ تو دخل ضرور ہی رہیگا۔ علاوہ برائے خود شاہ عالم سیاسیات کا وجدان خواہ کیسا ہی رکھا ہو اُس کے پاس صلح و جنگ کا ذریعہ تو ایسا ضرور تھا جو بڑی اہم اور کارآمد تجاویز سوچ سکتا تھا اور عمل میں لاسکتا تھا۔ یہ شخص مرزا نجف خاں تھا جو ایک عالیخاندان اور ممتاز تاج محلستان ایرانی تارک وطن تھا اور اُس زبردست طبقے کا آخری نام لیوا تھا جس کے افراد سکھوں کی سدسکندری پنجاب میں چلے گئے تھے۔

انگریزوں نے بڑی شان و شوکت سے بادشاہ سلامت کو اپنے دار پہنا کر اس کے ساتھ دہلی سے نکلے اور اپنے ساتھ خاص بادشاہ کی مختصر سی منتخب فوج بھی مع شاہی اہلکاروں کے لے لی اور لال چٹن بھی لے لی جو قواعد و پیدل سپاہ ایک فرانسیسی افسر سیٹھ اک کی قیادت میں رہا کرتی تھی بادشاہ سلامت چند منزل تک فوج کے ہمراہ آکر ٹھہر گئے اور باقی لشکر آگے بڑھ گیا۔ گنگا میں سے راستہ آسانی کے ساتھ نکال لیا گیا کیونکہ یہ حکم دیا تھا جس میں ہالیہ کی برہمنوں کو دریا میں نہ آتی ہے اور دریا کے گنگا اپنے بالائی بہاؤ میں قریب قریب ہر مقام پر پایاب ہوا کرتا ہے۔ پٹھان ایک اور دھوکے میں رہ گئے کہ سندھیا اور ہلکر کا ارادہ ایک دوسرے اوپر کے گھاٹ سے عبور کرنے کا ہے جہاں دوسرے موسموں میں عموماً دریا پار اُترا جاتا ہے۔ شجاع الدولہ کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر روپیہ کچھ ایسے سہم گئے تھے کہ انھوں نے امداد کے لئے بالکل ہاتھ پانوں نہ پلائے اور مضابطہ خاں کبیر اہسٹ میں تھہر گئے۔ چلا گیا اور اپنے اہل و عیال کو اور اُس خزانے کو بھی وہیں چھوڑ گیا جو اُس کے باپ نے اپنی دس سال کی عہد داری میں جمع کیا تھا مضابطہ خاں کا بیٹا غلام قادر گرفتار ہوا اور اس جرم میں کہ نجیب الدولہ کی موت کے بعد قلعہ علی میں بے عنوانیاں کی گئی تھیں اسکو غشی بنا کر خواجہ سراؤں میں شامل کیا گیا۔

اس وقت یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ اب سندھیا کی انتظامی کارروائیاں شروع ہو رہی ہیں۔

لیکن روہیلوں کی سرکوبی شاہی حمایتوں میں بھوٹ پڑ جانے سے بھر معروض تھوٹ میں پڑ گئی۔ بادشاہ نے چونکہ مرہٹوں کو اپنے ساتھ نہایت معمولی درجے کی عزت کا برتاؤ کرتے دیکھا اس لئے وہ دہلی واپس چلا گیا اور مرہٹوں نے مفرد رضا بطخاں کو کھوڑا سا تادان جنگ وھول کر کے معافی بھی دیدی اور پتھر گڑھ کے اسیران جنگ کو بھی واپس کر دیا۔ اس کے بعد مرہٹہ فوج اگرچہ چلی گئی جہاں اُس نے موسم بارش ختم کیا۔ ادھر روہیلوں نے نواب اودھ سے نامہ و پیام شروع کیا جس کے اصلی منصوبوں کو وہ اب تک سمجھ نہیں سکے تھے اور جس کی امداد و شرکت سے انھوں نے بھر دیا شاہی اسلامی اتحاد قائم کرنا چاہا جیسا کہ سن ۱۷۸۷ء میں اس قدر کامیاب ہو چکا تھا۔ برطانوی حکومت بنگال کی معقول مداخلت سے یہ نامہ و پیام ایک معاہدے کی صورت میں ختم ہوا جس کی رُوسے روہیلکنڈ کے صدر مجلس حکومت نے اپنے تئیں اور اپنی برادری کو اُس کا پابند کیا کہ وہ اسلامی حقوق کی محافظت میں شریک رہیں گے اور بشرط اخراج مرہٹہ سپاہ کے نواب اودھ کو چار قسطوں میں چار لاکھ روپیہ نذر کریں گے۔ یہ معاہدہ جو دراصل روہیلوں کی تباہی کا نوشتہ تھا ۱۱ جولائی ۱۷۸۷ء کو تصدیق ہو گیا۔ مندرجہ ذیل اقتباس سے اصلی شرط معلوم ہو سکتی ہے:-

نواب وزیر روہیلوں کی قوت کو بھر قائم کر دیا اور مرہٹوں کو باہشتی با
برجنگ اُن کے ملک کو واپس کر دیا۔ اگر پھر وہ کسی وقت روہیلکنڈ میں
داخل ہوں تو پھر اُن کا اخراج نواب وزیر کے ذمے ہے۔ روہیلہ سردار
ایفائے عہد کے طور پر یہ رضا مندی ظاہر کرتا ہے کہ وہ نواب وزیر
اودھ کو چار لاکھ روپیہ نذر کر دیا..... الی آخر

اس معاہدے کے بعد خود روہیلوں میں شدت سے اختلاف شروع ہو گیا اور اُن کا تام
صوبہ صے تک اتبری و طوائف الملوک کی کانظر بنا رہا۔ ساتھ ہی اس کے ضابطہ خاں
نے اپنے مذہبی اتحاد سے روگردانی کر کے مرہٹوں کے ساتھ خفیہ شرائط طے کرنی شروع
کر دی تھیں۔ ضابطہ خاں کی خواہش یہ تھی کہ امور مملکت دہلی کا انصرام بھر ہاتھ آجائے

اور نواب وزیر کو اس قبضے سے کوئی بحث ہی نہیں تھی۔ ادھر مرہٹوں کو سندھیانے اس پر ابھار دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ پھر ایک ایک ٹکڑا کرانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مرزا نجف کی قابلیت و محاسن کا شہرہ برابر بڑھتا جا رہا تھا اس لیے اسلامی اتحاد کے خلاف سازش کرنے سے مضابطہ خاں کی غرض یہ تھی کہ اپنے اس حریف کا کسی طرح کھوج کھودے۔

ان نئے اتحادیوں نے اپنی حصول غرض کے لیے یہہ تجویز کی کہ دہلی کے قریب دجوار میں مشکلات پیدا کرنے پر خلوتی کو ابھارا جائے جس کا نتیجہ یہہ نکلے گا کہ مرزا نجف خوب ذلیل ہو جائے گا اور بادشاہ مجبور ہو کر مرہٹوں سے امداد کا خواہشمند ہو گا۔ اس منصوبے کے مطابق انھوں نے جاٹوں کے ٹھاکر کو ایک طرف اور رنجیت سنگھ کو دوسری طرف یہہ شہ دی کہ خاص دارالحکومت کے سر پر جو اضلاع دریائے جنا کے دہنے کنارے واقع ہیں ان بعض پرانے دعوے پیش کریں۔ ان دعاوی کی تائید میں جاٹ فوج نے قلعہ بلجہ گڑھ پر مشقہ بھی کر دی۔ یہہ قلعہ ایک بلوچی سردار کے قبضے میں تھا اور ایک مسلمان باغدار کی امداد کو اپنا فرض سمجھ کر مرزا نجف نے جاٹوں کے مقابلے کے لیے ایک خل فوج دہلی سے روانہ کی۔ مرہٹ سپاہ جاٹوں کی کمک کے لیے آگے بڑھی اس پر خود مرزا نجف ایم میٹاک کی لال ملیٹن کو لیکر میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہہ تمام سازش اور تمام فعل و حرکت سندھیا کو سخت ناگوار تھی کیونکہ اس کی خواہش ہرگز یہہ نہیں تھی کہ نجیب الدولہ کے بیٹے کو پھر مرہہ المالی نصیب ہو یا نیجاں سلطنت مغلیہ پر اس سے پہلے کوئی ضرب قاتل پڑے کہ خود سندھیا اس شہل کے بڑے نام کو اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے کام میں لاسکے۔ چنانچہ وہ اپنی اعلیٰ درجے کی فوج کو لیکر اپوتانے کی طرف تل گیا جہاں اس نے اپنے فوجی اخراجات کی کفالت کے لیے راجہ جیور کے علاقے میں من مانی تحصیل شروع کر دی۔ مگر بلکہ جاٹ سپاہ اور مرزا نجف کے درمیان آگیا اور دہلی سے دس میل جانب جنوب مقام بدلو پر شاہی فوج اور مرہٹ سپاہ کی ٹہ بھیڑ ہو گئی۔ چاروں تک شدید لڑائی ہوتی رہی اور قواعد دانی نے خوب خوب اپنے جوہر دکھائے مگر کثرت تعداد کے آگے کچھ پیش نہ گئی اور مرزا کی فوج دہلی کی طرف

صفحہ ۶۷

سپاہیوں نے شروع ہوئی اور سردار متی صمین شہر میں ایک ساتھ گھسے۔ بلکہ کو حسام الدہ نے قلعے میں گھس آئی اہل اہارت دیدی اور اس عارضی اتحاد کا مقصد اس طرح پورا ہو گیا کہ مرزا نجف کو اپنے عہدے سے سبکدوشی حاصل کرنے کی ہدایت کر دی گئی اور امیر الامرا یعنی وزیر اعظم کا عہدہ ضابطہ خاں کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ اور بادشاہ نے زیرین دو آبرو مرہٹوں کے احوالے کر دیا یا جو انکی کی تصدیق کر دی۔ یہ تمام واقعات شاہ عالم کی بحالی سے ٹھیک بارہ مہینے بعد دسمبر ۱۷۷۷ء میں پیش آئے۔ اسی ان کا اتمام بھی نہونے پایا تھا کہ پونا سے ایسی خبریں پہنچیں جنہوں نے تمام تدابیر کو درہم برہم کر دیا۔ جون پونا نے ابھی سات سال بھی اپنی خود مختار حکومت کے نہیں گزارے تھے کہ غالباً وہ اس مرض میں ۱۸ نومبر ۱۷۷۷ء کو انتقال کر گیا جو اسے عرصے سے لاحق تھا۔ اس کے چچا رگن تھہراؤ غرت رگھو بانے اپنے میں مدارالمہام قرار دیا۔ مگر عام طور پر یہ خیال کیا جانے لگا کہ خود رگھو با کے ارادے پیشوا بن جینے کے ہیں۔ باہمی آؤ زیش بلکہ خانہ جنگی کا دور سر بر منڈ لانے لگا اور مرہٹہ میر سامان اور دیگر سرداروں نے سب سے پہلے اسی کو ضروری سمجھا کہ پونا پہنچ جائیں تاکہ ضرورت کے وقت کسی کسی طرف کام آسکیں حقیقتہً نئے پیشوائے خود ہندوستان کی افواج کی واپسی کے احکام اس خیال سے بھیجے گئے تھے کہ شاید اس کو اپنے چچا رگھو با کے حریفانہ توڑ جوڑ کے خلاف فوجی امداد کی ضرورت پڑ جائے۔

۱۔ سہل
۲۔ سہل
۳۔ سہل
۴۔ سہل
۵۔ سہل
۶۔ سہل
۷۔ سہل
۸۔ سہل
۹۔ سہل
۱۰۔ سہل

لیکن قبل اس کے کہ سہل جی یا بلکہ پونا پہنچیں وہاں معاملات دگرگوں صورت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ ۳۰ اگست ۱۷۷۷ء کو پونا پیشوا بھی اپنے متوفی بھائی کے پیچھے راہی ملک عدم ہو گیا اور عام خیال یہ تھا کہ اس کو جن میں رگھو بانے چپکے سے مروا ڈالا ہے کیونکہ اس کے بعد ہی رگھو بانے فوراً پیشوا کے عہدے اور خطاب بر قبضہ کر لیا مسلمان فرمانروایان دکن یعنی حید علی اور نواب نظام الملک کے خلاف فحاصانہ کارروائیاں بھی شروع کر دیں۔ مگر قبل اس کے کہ جس فائدے کی رگھو با کو امید تھی وہ ہمسایوں پر اس بلا اشتعال طے سے حاصل ہو سکتا اس کو پونا لوٹ آئی کی ضرورت پڑ گئی کیونکہ ایک ایسا واقعہ پیش آ گیا تھا جو رگھو با کے حریفانہ منصوبوں کو خاک میں ملا دینے والا تھا۔ جو طبقہ رگھو با کا مخالف تھا اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ متوفی پیشوا کی حاملہ بیوہ کو

صفحہ ۶۸

ایک پہاڑی قلعے میں بیٹھا دیا تھا جہاں وہ بڑی حفاظت سے رہی تھی اور اب اُس کے
 بخیر و عافیت ایک بیٹا پیدا ہو گیا تھا۔ اس بچے کی پیشوائی کا پونا کے ورنے فوراً اعلان
 کر دیا اور جس وقت رگھو بانے اُن پر حملہ کیا تو اس کو خاص پونا کی دیواروں سے تلے
 شکست فاش دیکر بھگا دیا۔ رگھو با شمال کی طرف بھاگا تاکہ ہندوستان سے لوٹنے والی
 فوج سے چالے اور ٹھیک ایسے وقت پر اندر آ کر پہنچا کہ ہلکر اور سندھیا دونوں سرداروں
 نے اپنے پڑاؤ وہاں ڈالے ہی تھے۔ دونوں سرداروں نے اُس سے امداد کا وعدہ
 کیا اور وہاں سے اُسے ساتھ لیکر گھبراہٹ کی طرف لوٹا پڑے تاکہ گیکوڑ کی امداد چل
 کریں جو اُس سوبے کا حکمران تھا۔ دوسری کارروائی جو غالباً سندھیا کی تجویز کے مطابق
 کی گئی وہ یہ تھی کہ بھٹی کے برطانوی حکام کے ساتھ رابطہ اتحاد کی سلسلہ بنائی جائے۔
 بھٹی اُس وقت میں ایک چھوٹا سا تجارتی کارخانہ تھا جو جمع الجزائر کے ایک جزیرہ
 ساحل کو ٹکن پر واقع تھا جس کے تعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مورخ ایرین نے بیٹا فیشا
 سے موسوم کیا ہے کہ پنی کے ملازمان متعینہ بھٹی کی عرصے سے یہ خواہش تھی کہ اپنے
 بالکوں کے مقبوضات کی توسیع و استحکام کے لیے ہر آنے پر نگالی بندرگاہ بسین پر اور
 جزیرہ سالٹ برقبضہ کریں کیونکہ یہ جزیرہ بندرگاہ بھٹی کا ناکہ روکے ہوئے تھا چنانچہ
 حکام بھٹی نے بغیر ہلکتہ کے گورنر خیراں سے مشورہ لینے ہوئے یہ وعدہ کر لیا کہ اگر
 وہ اخراجات جنگ کی رقم ادا کریگا اور ان دونوں مقاموں پر انگریزوں کو قبضہ
 کر لینے دیگا تو انگریز اسے فوجی امداد دینگے۔ بھٹی کو اسل کے ممبروں کو اس معاملے میں ایسی
 جلدی پڑی ہوئی تھی کہ انھوں نے پندرہ سولنگوں کی جمعیت رگھو با کو مستعار بھی دیدی
 اور اپنی شرطوں کی اُس کی طرف سے باضابطہ منظوری کا بھی انتظار نہیں کیا جن دونوں
 مقامات کی سپردگی انگریز چاہتے تھے وہ جائز طور پر برتگالیوں کے مقبوضات تھے
 اور جیسے ہی اس نامہ و پیام کی نوعیت کی اطلاع گوا میں پہنچی وہاں کے دائرہ اُسے
 نے ان مقامات کی حفاظت کے لیے ایک مہم تیار کرنی شروع کر دی۔ یہ خبر سنکر
 سٹربارن بی گورنر بھٹی نے بلا اوچ بیچ دیکھے سالٹ اور بسین پر فوراً قبضہ کر لیا۔

صفحہ ۶۹

لے یہ مورخ دوسری صدی عیسوی میں ہوا ہے اُسے سکندر رومی کی فتوحات پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ ۳۰۰

چونکہ ہم برطانوی ہند کی تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں اس لیے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کارروائیوں پر لمبی چوڑی بحث کر کے ناظرین کی مع خراشی کریں صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ یہ کارروائیاں نہایت عجالت اور نہایت ناجبھی سے کی گئی تھیں۔ اگر مشربان بی نے حکومت اعلیٰ یعنی گورنر جنرل کھلستہ کی منظوری حاصل کر لی ہو تو جس کا ماتحت گورنر بھی کو حال ہی کے ایک ضابطہ ابواب حکومت کی رو سے بنادیا گیا تھا اور اگر مشربان بی کی دیدہ دایری کو اس کے اپنے فوجی افسروں کی ہمت و قابلیت سے پوری امداد مل گئی ہو تو رکھو با ضرور پیشہ اپنا کر بٹھا دیا گیا ہوتا اور مادھو جی سندھیا کے اور خاص کر ہندوستان کے تاریخی واقعات بہت کچھ اس سے مختلف ہو جاتے جو اس پر ہو گئے ہوں۔

لیکن قبل اس کے کہ رکھو با اور اس کے حمایتی کوئی عملی کارروائی شروع کریں پونا کی مجلس حکومت نے بعض حمایتیوں پر اثر ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ ملہار راؤ کی موجودگی کی بڑی مرہمی تھی اور ممتاز قابلیت اور لیاقت کی عورت تھی بہت آسانی کے ساتھ اپنے متونی شوہر کی دوسری بیوہ اور اس کے معصوم بچے کی درمندی بن گئی۔ سندھیا نے بھی اس زمانے میں زیادہ تر ہنگامی طور پر اس کے ساتھ دینا شروع کر دیا تھا کیونکہ دونوں کا ست سنگ مالوہ میں رہا کرتا تھا اس لیے اس نے بھی غاصب کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ رکھو با کو پھر ایک مرتبہ سخت شکست ہوئی اور اس نے بھاگ کر سورت میں کرنل کیننگ کے لشکر میں مختصر مہرہ میوں کے ساتھ دھبہ ستھ میں پناہ لی۔ اس شکست کے بعد پھر رکھو با اور گورنمنٹ بھی کے درمیان ایک جدید معاہدہ کر بغیر اعلیٰ حکومت کی منظوری کے ہوا۔ اس معاہدے کی رو سے رکھو با نے انگریزوں کے قبضہ سالٹ اور سین کی تصدیق کر دی اور ساتھ ہی ادھو جی علاقہ بڑی آمدنی کا انگریزوں کو دیدینا تسلیم کر لیا اور بہت سا زر نقد بھی نذر کیا۔ ادھر سے بھی برطانوی ملک کو المضاعف کر دیا گیا۔ کیننگ کے پاس مزید بیچ بھجور اس کو احکام بھیج دیئے گئے کہ پونا پر پیش قدمی کرے اور فوجی کارروائی کے ذریعے سے زبردستی رکھو با کو پیشوائی کی گدی پر بٹھا دے۔ ادھر پونا کی مجلس حکومت نے اس پیش قدمی کو روکنے کے لیے اپنی تمام ممکن الاجتماع فوج کو کوچ کا حکم دیدیا۔ دونوں فوجوں نے سورت کے قریب

پیشہ سے بدلنے شروع کر دیئے اور باوجودیکہ پونا کی فوج انگریزی فوج کے مقابلے میں بہت ہی زیادہ تھی مگر کیننگ کے مقابلے کی ٹھان ہی لی۔ کرنل کیننگ کی ذاتی فوج بالکل مختصر تھی اور رگھو باکی فوج سے بجائے اس کے کہ فوجی کارروائی میں کوئی امداد ملی ایک حد تک ماہرانہ نقل و حرکت میں اور رکاوٹ پیدا ہوتی تھی۔ بڑے سخت میدان میں طلحہ کبے کے پاس ایک مقام ہوسومہ آرس پر کیننگ نے ایک جانبازانہ مقابلہ کیا جس میں خالص اُس کی فوج کے ۲۲۲۔ آدمی اور سات یوہین افسر مارے گئے اور آخر کار صرف اپنی جانباز پامردی اور اپنی چھوٹی سی گورہ فوج کی قابلانہ نقل و حرکت سے وہ دشمن کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ فتح کرنل کیننگ کو ۸ مئی ۱۸۵۷ء کو حاصل ہوئی اور اس کے بعد ۱۰ جون ۱۸۵۷ء کو اُس نے پھر دشمن کی فوج کو بھڑونج کے قریب مقام بھاؤ پیر پر جالیا مگر اس مرتبہ بھر رگھو باکی فوج نے اُس کی جنگی جالوں میں بڑی رکاوٹیں ڈالیں اور پونا کی فوج رات میں جان بچا کر نکل گئی۔ اور مرہٹے بھاگتے وقت اپنی توپیں دریائے نربدا میں بھینکتے گئے کہ مبادا ان سے فراری میں کوئی رکاوٹ پڑے۔

صفحہ ۱۷

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تمام باتیں سندھیا کی غائر نظر سے نہیں چھپ سکتی تھیں۔ وہ نظر باز بھی سیاسیات یا جریات میں سبق آموزی کے لیے کسی سے پیچھے نہیں رہتا تھا اور اگر انگریز اُس وقت کسی ایسے سیاسی پس و پیش میں مبتلا ہو جاتے جو سندھیا کے علم و فہم سے بالاتر تھا تو جو کچھ سبق انگریزوں کی قواعد دانی اور اطاعت شعاری سے سندھیا نے سیکھا تھا اُس سے اُس نے اپنی آئندہ زندگی کے دستور العمل کا ایک ڈھچھ اُسی وقت قائم کر لیا ہوتا۔ مگر صورت حالات یہہ ہوئی کہ گورنر جنرل دارن ہسٹنگز نے تمبھئی کی اس حرکت کو کسی طرح پسند تو نہیں کیا مگر یہہ خسوس ضرور کیا کہ اب اس کارروائی کو کالعدم کرنے سے انگریزی ساکھ بگڑتی ہے چنانچہ اُس کی رائے یہہ ہوئی کہ اگر انگریز حوالہ شدہ اضلاع و مقامات پر اپنا قبضہ رکھنا چاہتے ہیں تو اُن کا فرض یہہ ہے کہ وہ وزارت پونا کے خلاف اُن تمام کارروائیوں کے کرنے پر تیار رہیں جو بروئے معاہدہ اُنہیں کرنی چاہیے تھیں مگر اس خیال میں کثرت رائے گورنر جنرل کے خلاف رہی۔ اُس کی کونسل کا ممبر فرانسس اور اُس کے دوسرے ہمنوا یہہ طے کر چکے

تھے کہ بالقصد ایسی کارروائیاں کرتے رہینگے جو انھیں نہیں کرنی چاہئیں اور وہ کارروائیاں
ہرگز نہیں کریں گے جو کرنی چاہئیں۔ ضابطے کی رُو سے وارن ہسٹنگز کو ان کے متفقہ فیصلے کو
منسوخ کرینکا اختیار نہیں تھا۔ غرض یہ کہ ہنگال کونسل کی طرف سے کرنل ایٹن کی بطور کپٹن خاص
اکے پونا بھیجا گیا کیونکہ سٹائٹ کے قانون تسلیم کی رُو سے ہنگال گورنمنٹ کو اعلیٰ حکومت
اکے اختیارات تینری حاصل ہو گئے تھے۔ کرنل ایٹن کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ اپنی کونسل
کی کارروائیوں کی تکذیب کر دے اور پونا کی مجلس حکومت کے ساتھ از سر نو نامہ پیام
شروع کر دے۔ کرنل ایٹن کی اعتدال پسندی کو کمزوری پر محمول کر کے اول اول وزارت پونا
نے ٹھکانہ انداز سے رعب جمانا شروع کیا۔ لیکن جب ہنگال کونسل کو یہ اطلاع دی گئی کہ
جو شرائط وزارت پونا نے تجویز کی ہیں ان میں نہ صرف رنگھو با کی حوالگی شامل ہے بلکہ
حوالہ کردہ علاقے کی واپسی بھی ہے تو کونسل مذکورہ نے وزارت پونا کے ان دعاوی کو
مسترد کر دیا۔ آخر کار مفاہمت کی نوبت آگئی اور بعض شرائط پر ایک طرف سے کرنل ایٹن
نے اور دوسری طرف سے سکھرام باپو اور اس کے خواجہ تاشوں نے اتفاق کیا اور
ان قراردادوں ضابطے کا نام معاہدہ پوران دھور رکھا گیا۔ اس معاہدے کا خلاصہ یہ تھا کہ برطانوی
گورنمنٹ اگر رنگھو با کو جانے نہیں کرتی ہے تو اس کا ساتھ چھوڑ دے اور اس کی فوج
بھی توڑ دی جائے۔ جب تک گورنر جنرل مناسب سمجھے سلسلہ پر انگریزی قبضہ
رکھا جائے اور پونا دربار کی طرف سے بارہ لاکھ روپیہ تاوان جنگ کا اور بھرتی اور
اس کے مصافحات کی سالانہ آمدنی برطانوی گورنمنٹ کو دی جائے گا۔
ان شرائط پر رضا مندر ہونے کو نہ بھٹی کی حکومت تیار تھی نہ ان کا معاون رنگھو با
تیار تھا اور پونا کی وزارت پر بہت جلد یہ حقہ قوت کھل گئی کہ ان کی سفارتی کامیابیاں
محض لفظی تھیں معنی یہ تھیں۔ اس معاملے کا محرک ایکسٹریکٹ ہوٹا برہمن ہی سکھرام باپو
تھا جو بڑا محتاط و متین مدیر تھا اور ان خاص معاملات میں اس کو ایک نوجوان بھیمتم
سے بہت مدد ملی تھی جو آہستہ آہستہ ترقی کے مدارج طے کر کے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔
یہ بھی ایک برہمن تھا جس کا نام بالاجی جنار دھن تھا جو بعد کو اپنے ضابطے کے
لقب نانا فرنویس سے مشہور ہوا۔ اپنی غرض کے لیے نانا فرنویس نے سکھرام باپو کی موافقت
میں کام کرنا شروع کر دیا تھا اور چونکہ نانا فرنویس پوشیدہ طور پر کسین پیشوا کی ماں گنگا بالی کا منظر و نظر

بھی تھا اس لیے سکھرام بابو کے لیے اسکی دوستی مفید تھی سندھیا کی نیت ہمیشہ سے یہ رہی تھی کہ پونا دربار میں فرقہ بندیوں کے وقت فریضہ میں باہمی مصالحت کروایا کرے مگر اب جبکہ اس قسم کی مخالفت کچھ عرصے کے لیے ختم ہو چکی تھی اس لیے اپنی جلیبی طبیعت کے تقاضے کے مطابق وہ عام مخالفت پر آمادہ ہو گیا تھا خصوصاً اس لیے کہ سکھرام کی طرف سے سندھیا کے دل میں پرانا کینہ موجود تھا کیونکہ یہ بوڑھا برہمن کبھی سندھیا کا دوست نہیں رہا تھا۔

ادھر سیاست پونا کی یہ حالت تھی ادھر گھو با کی حرکتوں نے تازہ ہوجی گئیاں پیدا کر دیں۔ چونکہ وہ خود معاہدہ پوران دھر کے متعاقبین میں سے نہیں تھا اس لیے اس کی شرائط کو مسترد کر کے اس نے اپنی فوج توڑنے سے انکار کر دیا اور نور ابرطانوی چھاؤنی سورت کو چلا گیا جہاں بھی کی حکومت کی طرف سے اس کا خیر مقدم کیا گیا اور اسے پناہ دی گئی۔ کرنل اٹین کی رائے میں یہ نقص عہد تھا اس لیے اس نے اس کے خلاف بہت کچھ احتجاج کیا مگر بے سود۔ گھو بانے اپنے معاملے کو مجلس استعلاسیہ سے رجوع کیا اور وارن ہیننگٹن نے اس کی عرضداشت کی تائید کی اور آخر کار لندن سے دو احکام صادر ہو گئے جن کی رو سے معاہدہ پوران دھر کی شرائط بلا چون و چرا کے منسوخ کر دی گئیں اور گھو با کو ملٹ کے میں عزت کے ساتھ بھی طلب کر کے دس ہزار روپے کا مالانہ وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔

پونا میں صورت معاملات روز بروز پیچیدہ تر ہوتی جاتی تھی۔ ابتدائے ستمبر میں ایک فرانسیسی طالع آزمایہ لینٹ لیون ساحل برائرا اور وزرائے پونا کے سامنے اپنے تئیں دربار وریلر کا ایلی ظاہر کیا۔ اس خلاف توقع اتحاد سے معمول کرنا فرانس نے اپنے دوسرے پیچھنوں کے ساتھ ناگوار برتاؤ کرنے شروع کر دیئے سکھرام بابو چونکہ ہو گیا اور دوسرے مقتدر اشخاص کے ساتھ گھو با کی بحالی کی تجویز میں شریک ہو گیا اور اس غرض کے لیے بھیجی کی حکومت کے ساتھ خفیہ نامہ و پیام بھی شروع کر دیا چونکہ ملکو جی ہلر بھی گھو با کی بحالی کا طرفدار ہو گیا تھا اور اپنی فوج سے کام لینے کے لیے تیار ہو گیا تھا اس لیے نانا فرانس نے جو فطرۃ جنگجو نہیں تھا۔ اسی میں بخت دیکھی کہ میدان سے ہٹ جائے۔ اور بمبئی کونسل نے حکومت اعلیٰ سے استعصواب کیا جس نے

ایک سپاہ کرنل لیاڈی کی سرکردگی میں ضرورت کے وقت کام کرنے کے لیے بھیجی۔ اس کے بعد اس ارادے کا اعلان کر دیا گیا کہ رگھو بابا کو بڑا رٹھ شیر منسوب پیشوائی پر بحال کیا جائیگا۔

اس نازک موقع پر سندھیا کو ثالث بالآخر بننے کا خوشگوار موقعہ پھر ہاتھ آگیا۔ سندھیا کو نانا فرانسس سے غالباً کبھی کوئی ذاتی وجہ مناصبت نہیں پیدا ہوئی تھی اور اس وقت تو بالکل کوئی بھی نہ تھی۔ برخلاف اس کے سکھرام بابا کے ساتھ بھی اس کے تعلقات دوستانہ نہیں اسے تھے۔ تگوجی بلکر کے ساتھ سندھیا کے بہت سے روابط ہم مشربی کے قدیم سے چلے آ رہے تھے اور دونوں قدیم سے ایک جگہ کے رہنے والے بھی تھے۔ غرض یہ کہ اس وقت سندھیا نے اپنے تمام اثر و اقتدار کا وزن نانا فرانسس کی طرف رجوع کر دیا اور بلکر کو سکھرام بابا کی طرف سے توڑ کر اور شہر پر ہری پنتھ کو اپنے ساتھ لیکر اس نے پوران دھرم پر پشیمدی کر دی اور جون سنٹ نے کو نانا فرانسس کو منصب وزارت پر مقرر کر دیا۔

لیکن ابھی رگھو بابا کے حق میں صورت معاملات ایسی خراب نہیں ہوئی تھی اور انگلستان کے احکام کے مطابق حکومت ہائے برٹش و بنگال بڑی گرجوشی سے اس کی طرف دیکھتیں۔ نانا فرانسس کے پھر برسر اقتدار ہوجانے کی پروا ان کے نقص معاہدہ پوران دھرم کا لحاظ نہ کر کے اور اس کا بھی خیال نہ کر کے کہ مدعی وکالت فرانس سینٹ لیوین پونا سے بے نیل مرام خصت کر دیا گیا ہے اور اب ہندوستان سے روانہ بھی ہو گیا ہے۔ برٹش کی حکومت نے بلا توقف بنگالی مکمل کے آنے کا بغیر انتظار کیے پونا پر حملہ کر نیکا غزم کر لیا۔ پانچ چار ہزار فوج ترتیب دی گئی جس میں چوتھائی تعداد

گورنمنٹ کی تھی اور سپاہ کی قیادت ایک ایسے سپرنا بالی می ایجینٹ کے سپرد کی گئی جو عمر میں دقتانوس مگر فتنہ میں طفل مکتب تھا۔ اپنے غزم بال غزم کو موکہ کر نیکے لیے برٹش گورنمنٹ نے خاص اپنے ارکان میں سے ایک شخص می جنرل کارنک کو بھی اس فوج کے ساتھ کر دیا۔ یہ کارنک حال ہی میں بنگال سے آیا تھا بنگال میں اسکا کارنامہ کچھ بہت تریف کے قابل تھا۔ باوصف انتہائی ضرورت کا اظہار کرنے کے بھی روٹھی کی تیاریوں میں اور پھر دو میل روزانہ سفر کرنے میں پورے سو دن سار کے ختم ہو گئے۔

۱۰

ادھر سندھیا نے جھٹ پٹ سکھرام اور نانا فرنوس میں میل کر دیا اور گھاٹ کی جوٹوں پر زبردست سپاہ جی جمع کر لی۔ ۹۰ جنوری ۱۸۵۹ء کو برطانوی فوج تالیگاؤں پہنچی جو پونا سے میں میل کے فاصلے پر تھا لیکن آگے بڑھنا اس کے مقدر میں نہیں تھا۔ نانا اعلیٰ ہاٹ پڑ گیا اور کونسل کا مشیر جنگ نخبوٹا الحواس ہو گیا اور انگریزی فوج نے جب سب طرف سے اپنے تئیں گھرتا ہوا دیکھا تو دھک کر پیچھے ہٹی۔ افسروں اور سپاہیوں کے جی جھوٹا گئے۔ سامان رسد جلا ڈالا گیا۔ توپیں ایک تالاب میں پھینک دی گئیں اور مشکل تمام ایک افسر کی کرنل ہارٹلے کے دم قدم سے طفیل میں بد دل سپاہ مر کر ڈاڈ گاؤں پہنچی جو ٹھیک تین میل پیچھے واقع تھا۔ ۱۳ جنوری تک اس مختصر سی فوج میں سے تین سو باون ٹھکانے لگ چکے تھے جن میں پندرہ یورپین افسر تھے۔ اب قرارداد باہمی کی ضرورت پڑی جس کی پہلی شرط مہٹوں کی طرف سے یہ تھی کہ رگھو بادھی کو حوالے کر دیا جائے لیکن خود رگھو بانے برطانوی افسر کو اس ذلت پر راضی ہونے سے بچا لیا اور سندھیا کے ساتھ بطور خود معاملہ طے کر کے اپنے تئیں اُس کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد جب برطانوی افسر نے یہ جواب دیا کہ مجھ کو حوالگی علاتے کا معاملہ طے کرنے کا مجاز نہیں کیا گیا ہے تو سندھیا نے قوت مناظرہ سے کام لیکر کہیں یہ جواب دیدیا کہ آپ ذرا مہربانی کر کے ہمیں وہ حکم تو دکھا دیجئے جس کی رو سے آپ معاہدہ پوران دھرو کو ٹرنے کے مجاز ہو گئے تھے۔ سندھیا نے انگریزی فوج کے ساتھ نہایت تہذیب و مہمانت کا برتاؤ کیا لیکن شرائط جاں بخشی جتنی سخت مکن تھیں سنوائیں۔ یعنی یہ کہ بنگالی کمک کی داہمی کے احکام فوراً صادر ہونے چاہئیں۔ اور خاص سندھیا کو بھڑوچ حوالے کر دیا جائے اور آتالیس ہزار روپیہ اُس کی ذاتی فوج کے قدم رنجہ فرمانے کا بند رکھا جائے۔

اس ذلت خیز قرارداد نے ناقابل امید نتائج پیدا کیئے۔ جن افسروں کی وجہ سے یہ نخواست سربراہی تھی وہ ہر فاسٹ کر دیئے گئے۔ بنگالی فوج نے وسط ہند کی طرف رخ کر لیا اور سب سے زیادہ تعجب خیز یہ بات ہوئی کہ سندھیا نے اب تک انگریزوں کے خلاف اتحاد عام کے جس منصوبے میں ہاتھ بٹایا تھا اب وہ دلہن پس پٹوں کرنے لگا۔ یہ قیاس کرنا شبہ سے خالی نہیں ہے کہ اس اچانک تبدیلی کی وجہ آیا یہ ہوئی کہ سندھیا کے دل میں نانا فرنوس کے معراج کمال پر پہنچ جانے کا کٹا کھیلنے لگا تھا۔

صفحہ ۵۹

یابہم ہوئی کہ برطانوی افسر ہارٹلے اور اُس کے دلیر ہم ایوں کا انداز کچھ اُس کے دل میں کھسب گیا تھا۔ بہر حال اُس نے رگھوبا کے معاملے میں کچھ تجاہل سے کام لیا اور وہ بھاگ کر برطانوی پناہ میں سورت پہنچ گیا جہاں وہ بطور پروانہ راہداری کے اپنے خطاسی دہندہ کا سلام بھی لیکر پہنچا۔

اس اثنا میں ہنگالی سپاہ کی پیشقدمی میں یہہ رکاوٹ پڑ گئی کہ بعض ہندو لیکھنڈی سرداروں نے انہماک محضت شروع کر دیا تھا اور کرنل لیسلی کو ان کی سرکوبی ضروری نظر آئی تھی لیکن لیسلی کا اکتوبر ۱۸۵۷ء میں انتقال ہو گیا اور اُس کی جگہ کرنل گوڈارڈ نے لی جس کو دارن ہینگٹن نے جواب کوئٹل میں اپنا زور باندھ چکا تھا اپنا جانشین منتخب کیا تھا۔ اسی سے منواتر اسندھیاؤں کی ڈاک لگی ہوئی تھی اس لئے گوڈارڈ بھی بڑھاپی چلا گیا۔ ۲۲ دسمبر ۱۸۵۷ء اُس نے نرپا کو عبور کر لیا اور بہر ضروری کو سورت پہنچ گیا اور اپنی مستعدی سے ان بس نرپا سواروں کا راستہ کاٹ کر نکل گیا جو اُسے روکنے کے لئے پونا سے بھیجے گئے تھے۔ دارن ہینگٹن کرنل گوڈارڈ نے پونا دربار کے ساتھ نامہ و پیام شروع کیا جو معاہدہ پوران و دھرم پر مبنی تھا۔ صرف فرانسیسی مداخلت کے خلاف ایک شرط اس میں زیادہ تھی۔ سندھیا کے متعلق گوڈارڈ کو مجاز کر دیا گیا تھا کہ وہ اس سے ملحدہ قرار داکر اسے کیونکہ گورنر جنرل پر اسکی اس انسانیت کا بڑا اثر ہوا تھا کہ اُس نے واڈ کاؤڈ پر ایجنٹ کی فوق کی جاں بکشی کر دی تھی چنانچہ گورنر جنرل نے یہ تاثر لیا تھا کہ بہت شخص آئندہ زمانے میں نہایت کارآمد اتحادی ثابت ہو گا۔ لیکن سندھیا نے اُس وقت تک اسے متعلق شاید کچھ طے نہیں کیا تھا۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ برطانوی سپاہیوں کی سپہگری کے متعلق جو خیالات اُس کے دل میں تھے اُنکے اخبار میں وہ اب بھی تاثر نہیں کرتا تھا۔

اسی زمانے میں سکھوں کا پونا اپنے دشمنوں کے متبعہ چڑھ گیا اور عام خیال یہ تھا کہ یہ کام سندھیا کی مرضی اور اس کی مدد سے ہوا ہے۔ بغرض یہہ کہ بوڑھا سکھوں کا پونا اس قلعے سے اس قلعے میں پھرایا جاتا رہا یا نہ کہ اس کے گڑھ پر اگر وہ سب قلعوں سے ہی خست ہو گیا۔ گوڈارڈ نے بڑی احتیاط کے ساتھ مہٹوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے سے اجتناب کیا اور خود رگھوبا کے ساتھ اگرچہ بڑی سرسبزی کا برتاؤ کیا جاتا تھا مگر اُس کو ایک نارضا مند رعایا پر زبردستی حاکم بنانے کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ مگر

نانا فرہوہس اُس وقت تک شرائط صلح طے کرنے سے بالکل انکاری رہا جب تک کہ رگھو باکو سپرد نہ کر دیا جائے اس لیے مجبور ہو کر برطانوی سپہ سالار نے بھی اپنا پیشہ سپہ سالار کل افواج بمبئی کے دو ٹوک فیصلہ کر لینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ۱۵ فروری ۱۸۵۸ء کے دارالحکومت احمد آباد پر لفٹننٹ کرنل ہارٹ لے نے دھاوا کر کے فتح کر لیا اور ۲۹ فروری ۱۸۵۸ء کو سندھیانے ملکر کی محبت میں بڑودہ کی طرف پیش قدمی کی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ انگریزی سپاہ پر حملہ کر رہا۔ مگر پھر بھی اس تک اس کی خواہش حرکت اُس کی طرف سے وقوع میں نہیں آئی بلکہ جو انخاص کہ سندھیانے میل فز واد واڈگاؤن کی ضمانت کے طور پر رکھ لیے تھے وہ بھی رہا کر دیے گئے اور وہ ۹ مارچ ۱۸۵۸ء کو ڈارڈ کے لشکر میں آپہنچے حقیقت یہ ہے کہ سندھیانے گوڈارڈ کو اُس کے تعلق میں ٹھوکانا کہ اُسے کن فوائد کی برطانیہ کی طرف سے امید دلائی جاسکتی تھی لیکن اس کے جواب میں برطانوی سپہ سالار نے سندھیانے سے پوچھا کہ اپنے مطالبات بیان کرے۔ منہ مانی مراد پوری ہوتی دیکھ کر سندھیانے یہ شرط پیش کی کہ رگھو با کے بیٹے باجی راؤ کو پیشوا بنا کر خود سندھیا کو اُس کا دارالہمام بنادیا جائے۔ یہ باجی راؤ وہی شخص ہے جو سب سے آخری پیشوا ہو گزرا ہے۔ چونکہ اب تک کسی قسم کا باضابطہ نامہ و پیام شروع نہ ہوا تھا اور سندھیانے برطانیہ کے دیسی اتحادیوں سے خفیہ نامہ و پیام بھی آغاز کر دیا تھا اس لیے گوڈارڈ نے یہی مناسب سمجھا کہ سندھیا کو ایک تازہ سبق اور پڑھا دیا جائے چنانچہ اُسے تازہ نوٹس لکھے کر کے اُسے زبدا پار پیسا ہونے پر مجبور کر دیا۔

اب یہ سازش دراصل سندھیا اور ان کے درویشوں کے درمیان دست پرست غارتگری ہوتی جاتی تھی اور تقریباً بارہ مہینے تک یہ دونوں قابضین آدمی دل کھول کر لیکھ و دست سے دست و گریباں رہے۔ آخر کار آخری ضرب سے پہلے ایک کاری ضرب گوالیار پر لگائی گئی جو ایک تازہ قلعہ سندھیانے اپنے شمالی مالوہ کے مقبوضات میں اضافہ کر لیا تھا۔ قلعہ گوالیار کی مندرجہ ذیل کیفیت امپیرل گزٹیر آف انڈیا سے اخذ کر کے ناظرین کے ملاحظے کے لیے پیش کی جاتی ہے:

قلعہ گوالیار تیلے پتھر کی ایک پہاڑی پر قائم ہے جس میں جگہ جگہ تیلے پتھر بھی ہے اور یہ پہاڑی زمین سیدھی اُچی جلی گئی ہے۔ جہاں کہیں

صفحہ ۷۹

یہ پہاڑی اٹھلواں تھی وہاں اُس کے ڈھلان کاٹ دیئے گئے
حتیٰ کہ بعض اطراف میں اوپر کا حصہ نیچے کے حصے پر چھایا ہوا ہے۔
اس کا بڑے سے بڑا طول ڈیڑھ میل اور بڑے سے بڑا عرض تین سو گز
ہے۔ اور انتہائی بلندی تین سو یا بیس فٹ ہے اس پر ایک پرانا غلیہ
محل ہے جو کئی زمانے میں لندن ٹاور کی طرح شاہی خاندان کے
ارکان یا دوسرے عزیز لوگوں اور منصبداروں کی نظر بندی کے لئے
کام میں لایا جاتا تھا۔ غلیہ کے پتھر سے کئے وقت اس تلے پر کوبہ
کے جاٹ رانائے قبضہ کر لیا تھا جس کا خاندان اب حکمران صوابور ہے
مکر سندھیانے تھوڑے ہی دن سے اس پر قبضہ کر کے اس کے
استحکامات کو اور اچھی طرح پائدار کر لیا تھا اپریل ۱۸۵۷ء میں

۳ مارچ سن ۱۸۵۷ء کو رانائے گوبہ کی دعوت پر اس خدمت ایک بڑا جٹ ہوا برطانوی
افسر سی پوہم آیا جس کو دارن سٹین کی طرف سے یہ ہدایات مل چکی تھیں کہ سندھیا کے
عقب میں جاؤں اور راجپوتوں کو کسی طرح اُچھا کر متھ کر دے۔ اپنی قلعہ پکاٹیروں کو
نہایت خفیہ طور سے تیار کر کے اور سوائے اپنے فوجی انجیر کپتان بروس کے اور
کسی شخص کو اپنا راز دار نہ بنا کر پوہم نے دھولپور پرنسپل کو خبر کیا اور سرعت کے ساتھ
گوالیار پر بڑھتا چلا گیا۔ اور خاص قلعہ پر اُس نے بروس کی سرکردگی میں بیس چیدان
اشناس کی ایک جماعت بھیج دی جس نے گروانہ کیا اور خود اس کی اڑے وقت پر
امداد کرنے کے لئے ایک خونخوار فوج کے ساتھ کچھ فاصلے سے گوش برآواز رہا۔ اس
جمعیت نے اپنے پیروں کی چاب کو وہانے کے لئے جوتوں کے تلوں میں رولی
باندھ لی اور اندھیری راست میں دبے پاؤں پہاڑی کے تلے ایسے بھگئے کہ کسی کو
کانوں کان خبر نہونے پائی۔ یہاں چند چوروں کو اُنھوں نے رہنا بنا لیا تھا اور رات کو
اتنی دیر تک دبکے پڑے رہے کہ معمولی گشت گرداوری کا وقت ختم ہو کر بالکل شام ہو گیا۔
جب شخصیں اور آوازیں خوش ہو گئیں تو ان لوگوں نے اپنی تلے پکاٹیروں چپکے سے
پہاڑی پہنائیں اور دبے پاؤں اور پر پتھر پہرہ داروں کو ایک دم گھیر لیا اور اسی
بدحواسی میں اُنھیں گرفتار کر کے شاخیں باندھ لیں۔ پیچھے ہی پیچھے پوہم بھی پہنچا اور اس

صفحہ ۸۰

نا قابل تسخیر نظر آنے والے قلعے کو بغیر ایک قطرہ خون بہائے فتح کر لیا۔
 تسخیر گوالیار نے سیاسی خیالات و حرکات پر نوری اثر کیا۔ مانا فر نوٹس کے
 وکیل متعینہ لشکر سندھیا نے اپنے مالک کو اطلاع دی کہ دہلی کی حکومت سے اس
 معاملے میں کسی امداد کی امید نہیں ہو سکتی۔ خود سندھیا کے خیالات کے متعلق یہ کہنا کافی
 ہے کہ اس کے لیے ہمیشہ اشارہ کافی ہوا کرتا تھا اور اس نے نوراً اپنی تنہائی کو اور
 ایسے دشمن کی زد میں آ جانے کو محسوس کر لیا جس کو ہر طرح اپنا استاد تسلیم کرنے کے وجود
 اس کے پاس موجود تھے۔ چنانچہ ایسے وقت میں اس کو اپنے اغراض کے حصول کے
 لیے صرف برطانیہ کی دوستی کا حاصل کرنا بمقابلہ ان کی دشمنی مول لینے کے زیادہ سودمند
 معلوم ہوا۔ کیونکہ بعد کے واقعات پر جب ہم غائر نظر ڈالتے ہیں تو یہ ثابت ہو جاتا
 ہے کہ سندھیا ایک نہتم با شان منصوبے کے توڑ جوڑ لگا رہا تھا جس میں یہ بنگال
 کے غیر ملکی حکمران صرف اسی قدر حصہ لے سکتے تھے جس قدر کہ سندھیا کے
 حصول اغراض کیلئے ضروری تھا۔ وہ منصوبہ یہ تھا کہ وہ سلطنت مغلیہ کے کھنڈروں پر
 اپنے لیے عالیشان اقتدار حکومت کی عمارت قائم کر لے۔ چنانچہ اسی منصوبے کی
 تابع ان تمام تعلقات کی نوعیت ہو سکتی تھی جو وہ پونا یا گلگتہ کے ساتھ قائم رکھنا چاہتا
 تھا۔ ایسے موقع پر سندھیا ہرگز اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ ایسے زبردست ہمسایوں کی
 محاصرت جان بوجھ کر اپنے سرے بلکہ وہ حتی الامکان اس کو شش میں تھا کہ اگر ان کی
 طرف سے یقینی امداد حال نہ ہو تو بھی اپنے ساتھ ان کا برتاؤ اپنی شان کے شایاں ہوتا ہے
 اس نسب العین کو سندھیا کی اس روش کا حقیقی انداز سمجھنا چاہیے جو وہ ان دونوں
 ہمسایوں کے ساتھ اختیار کرنا چاہتا تھا۔ وہ بلکہ اور مانا فر نوٹس کے ساتھ کوئی نزاع
 نہیں چاہتا تھا کیونکہ یہ دونوں اگر عنایت فرما کر محض غیر جانبداری برتتے رہتے تو
 وہ بھی سندھیا کے لیے اتنی ہی سودمند ہو سکتی تھی جتنی ان کی امداد تھی۔ اور ان کے
 کے ساتھ معاملہ کرنے میں بھی اس کی ضروریات اسی کی متقاضی تھیں۔ پھر بھی سندھیا
 نے یہ غم کیا کہ اگر کوئی انتقامی ضرب انگریزوں پر نہ لگا سکے تو بھی چلتے چلتے ہوشیار
 کرنے کا تو ایک وار کر ہی دے۔ اس غرض سے اس نے انگریزوں کے خلاف
 علاقہ گوالیار میں پیش قدمی کی اور بڑی امیدوں سے کی کیونکہ پوہم اب اس علاقے سے

جا چکا تھا اور پوچھ کر جانشین بیکر کماک مقابلہ کرنے سے کچھ پہلو بچاتا نظر آ رہا تھا۔ لیکن گرگ باراں دیدہ بروں ابھی انگریزی لشکر میں موجود تھا اور سندھیا کے لیے شجوں کی تواضع اُس کے پاس داخل تھی۔ چنانچہ یکا یک سندھیا کے لشکر پر ایسی مار پڑی کہ اُس کے ہاتھی گھوڑے خیمہ و خرگاہ سب کچھ ہاتھ سے جاتا رہا۔ مگر سندھیا نے وہ سبقت ضرور حاصل کر لیا جو اس سب نقصان کی تلافی کو کافی تھا یعنی انگریزوں کے ساتھ ایسی حقیقت اُس کے سمجھ میں آ گئی اور یہ حقیقت پھر بھی اُس کے دل سے نہیں اترتی۔

یہ واقعہ جو ۲۴ مارچ ۱۸۴۲ء کا ہے سندھیا اور میٹنگر کی زبرد آزما کی کا خاتمہ کر نیا لایا تھا اور اس کے سلسلے میں غنی ایک حریت کی تعریف کی جا سکتی ہے۔ اتنا ہی دوسرے حریت کو سراہا جا سکتا ہے۔ پھر اس کے بعد بھی حتی کہ سر جان شور اور کارلوس کے کمزور زبانون میں بھی سندھیا نے برطانیہ کے ساتھ آمادہ پیکار ہونا ان کے اعلان کردہ دعائی و خواہشات کا احترام کرنے میں اُس نے کوتاہی کی۔ دارن میٹنگر کی یہ ایک شاندار خصوصیت ہے کہ وہ جو کچھ کر گیا دیر پا کر گیا۔ اُس نے یارن حکومت کو خدائے معلع سے تیار کیا نہ ریگ کی بنیاد پر اٹھایا۔ اُس کے ساتھ ہی سندھیا کی شاندار خصوصیت ہے کہ جب اُسے اپنی قوت کے حدود معلوم ہو گئے تو اُس نے بھول کر بھی اُن سے کبھی قدم باہر نہیں نکالا۔

صفحہ ۸۲

۱۳ مارچ ۱۸۴۲ء کو کرنل میور کے توسط سے دارن میٹنگر نے اُس تحریک صلح کو اختتام کو پہنچایا جس کی رو سے سندھیا کے ساتھ وہ مقبول برتاؤ روا رکھا گیا جو ایک لائق حریت کو دوسرے لائق حریت کے لیے روا رکھنا چاہیے یعنی میٹنگر نے سندھیا کو گوالیار اور آجین دونوں واپس کر دیئے اور اُن کے ساتھ ہی اُس کے تمام پہلو کے وہ مقبوضات بھی واپس کر دیئے جو دریا کے جمنائے جنوب اور غرب میں واقع تھے اور ان تمام مراعات کے معاوضے میں سندھیا پر صرف ایک شرط عائد کی گئی کہ وہ حتی الامکان وزارت پونا کو آمادہ صلح ہونے پر رضامند کر لے۔

اس کا نتیجہ معاہدہ سالباہی ہوا جو ۱۸۴۲ء کو تمام کو پہنچا۔ گو یہ معاہدہ بادی النظر میں کوئی کارگر ہتھیار نہ معلوم ہوتا ہو مگر اسی سے ایک نیا دور تاریخ ہند کا شروع ہوتا ہے کیونکہ یہ اسی معاہدے کے دم قدم کا ظہور تھا کہ بغیر ایک ایچ قلعہ زمین کا

الحاق کیے ہوئے برطانیہ کی قوت نے تمام جزیرہ نامے ہندوستانی اقتدار حکومت حاصل کر لیا اور اس قطعہ اقلیم کے ہر صوبے نے سوا۔ کے میونسپلٹی کے برطانیہ کو عام ثالث بالآخر تسلیم کر لیا۔ اور یہ کوئی معمولی لقب اور منصب نہیں تھا۔

ماہ مئی ۱۸۵۷ء میں سندھیا نے تو اس برادری کی طرف سے دستخط کر دیئے جس کی طرف سے وہ کارکن بنا ہوا تھا مگر نانائو فرنیس اپنی حسب معمول احتیاط کے مطابق اس معاہدے کی تصدیق میں لیت دھل کر تار ہوا۔ اُسے ابھی تک یہ امید تھی کہ انگریزوں کو سالٹ کی واپسی پر راضی کیا جاسکیگا بلکہ اُس نے یہاں تک کارروائی کر لی کہ ایک افواہ یہ اڑادی کہ پونا کی حکومت حیدر علی کے ساتھ ایک جداگانہ معاہدے کے متعلق نامہ پیام کر رہی ہے۔ اس دھمکی کا اثر انگریزوں کو لازمی طور پر محسوس ہونا چاہیئے تھا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اُن کا قریبی دشمن حیدر علی ابھی تک جبریل ہی اور دیگر دشمنان برطانیہ کے ساتھ اس سازش میں مصروف تھا کہ انگریزوں کے حقوق کو بالکل پامال کر کے رکھ دیا جائے لیکن دسمبر ۱۸۵۷ء میں حیدر علی کی وفات نے بیٹو کی حیل بازی کے اس آخری تار کو بھی توڑ ڈالا اور اسی ماہ کے انتقام سے پہلے معاہدہ سالٹ پر نانائو فرنیس کے دستخط بھی ہو گئے اور مرہٹہ مشارکت کی لہر سے مزین بھی کر دیا گیا مگر امن عامہ حقیقتہً اُس وقت تک نامکمل رہا جاتا تھا جب تک کہ میسوجی راہ راست پر نہ لایا جاتا جہاں کہ حیدر علی کا بیٹا پوجا راجہ اپنے باپ کی قابلیتوں کا نہیں مگر اپنے باپ کے مقبوضات اور جوش و خروش کا خرد و ارشہ بن چکا تھا۔ حکومت مدراس کو اس درجہ جبری اضطراب تھا کہ اُس نے اپنے وکیلوں کو میسوجی کے دربار میں ہر قسم کی ہتھکڑی اور امانت کے برداشت کرنے کے لئے تیار کر کے بھیجا جو اُس تند و تیز جنگو کے ہاتھوں برداشت کرنی پڑے اور ۱۰ مارچ ۱۸۵۷ء کو کہیں جا کر یہ نوبت آئی کہ مد سے زیادہ ذلت آمیز برتاؤ کے بعد میسوجی مان نہایت ترش روئی کیساتھ معاہدہ منگلو پر دستخط کرنے کے بعد امن عامہ میں شریک ہونے کا اقرار کیا۔

لیکن اب دو وقت آگیا تھا کہ انگریز اور اُن کے مد مقابل برابر جنگ بازی سے تنہک گئے تھے اور بیٹنگز نے اس ارادے سے اپنی نویر سلطنت پر ایک نامانی فلمی پھیرنی شروع کر دی تھی کہ وہ اب ہندوستان سے روانہ ہوئی والا اور اپنا کام دوسرے کے سپرد

کرنیوالا تھا۔ اُس کی غائر نظر نے جانچ لیا تھا کہ ملکی اختیارات کا اصل مالک میسور کا بد مزاج خود پسند سردار نہیں ہو سکتا بلکہ تین و تدبیر مرثیہ جی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اُس نے سندھیا سے صاف الفاظ میں وہ وجوہ بیان کر دیئے جو اُس کی طرف سے معاہدہ منگور کی تصدیق کا باعث ہوئے تھے۔ داراں حالیکہ بادی النظر میں گورنر خاں کا اس معاہدے کی تصدیق کرنا گویا بدراس کی حکومت کی ذلت خیز کارروائیوں کو جائز سمجھنا تھا۔ ساتھ ہی اس کے پیٹنگرنے اپنے معاملہ فہم مکتوب الیہ سندھیا کو یہ بھی سمجھا دیا کہ برطانیہ اور سندھیا دونوں کے اغراض کے واسطے بس یہی بہتر ہے کہ اب جو صورت معاملات پر چلے ہے اُسے پھیلنا نہ جائے۔

سندھیا کی ہمت مردانہ اور قابلیت عمل نے جس اعلیٰ حیثیت تک اُسے پہنچا دیا تھا اُسکا بہترین اندازہ اس سے زیادہ اور کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو وارن ہسٹنگز جیسا بد بقیام امن کے معاملے میں اُس کے کلمہ خیر کا متبعی ہو دوسری طرف اس معاملے میں نانا فرنوس جیسا توڑ جوڑ کا سیاست داں اُسے متارکمل کے منصب سے اپنی طرف سے سرفراز کر کے وکیل بنائے۔ ساتھ ہی اس کے جو شرائط اس سارے کی طرف پھولی تھیں اُن سے سندھیا کی معاملہ فہمی اور اعتدال پسندی کی شہرت کی پوری تائید ہوتی ہے۔ گجرات کا مسئلہ جوں کا توں رہنے دیا گیا تھا اور گیکوار کے علاقے کو قہر کم کے تجربے سے بالکل محفوظ رکھا گیا تھا۔ شورش پسند رگھو بابا کو معقول وظیفہ دیکر اپنا مقام نظر بندی خود پسند کر لینے کی اجازت دیدی گئی تھی۔ خود سندھیا کو اس معاہدے کے ذریعے سے وہ سب کچھ مل گیا تھا جس کی اُسے آرزو تھی یعنی دسٹا ہند اور ہندوستان میں اُس کے ہاتھ بالکل کھل گئے تھے۔ اُس استادانہ چال سے اُس نے اپنے تئیں قہر کم کی دل دھجولا کے خطے سے بالکل آزاد کر لیا تھا۔ ایک طرف تو نانا فرنوس کی مخالفت کے جواب میں رگھو بابا اور اُس کا بیٹا وادی سندھیا کے ہاتھ میں تھے دوسری طرف انگریزوں کی مخالفت کا منہ وہ پہلے ہی بھر چکا تھا۔ جیمز مل اپنی تاریخ برطانوی ہند میں اس موقع پر داراں ہسٹنگز کے باہمی بھجوتے کو اشتباہ انگیزہ پر اسرار قرار دیتا ہے لیکن یہ معاملہ بالکل صاف اور

صفحہ ۸۴

دافع ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہسٹنگز کو فرقہ بندی کے احتمالات کا اتنا تجربہ تھا کہ وہ خوب جانتا تھا کہ جس قسم کی خط و کتابت وہ سندھیا سے کر رہا تھا اُس کے لئے رازداری کی بڑی سخت ضرورت تھی لیکن جو نصب العین تمام معاملات کا دارن ہسٹنگز نے قائم کیا تھا وہ بہت صاف اور ضرور قابل غور ہے۔ برطانت مغلیہ کے ٹکڑے اڑ چکے تھے۔ انگریزوں نے اُس کے ایسے حصوں پر قبضہ کر لیا تھا جو اُن کے تجارتی کاروبار کے لئے ضروری تھے اس لئے اُن کے اغراض کے لئے یہی مفید تھا کہ بقیہ اقلیم ہند ایسی ہی حکومت کے تحت میں رہے جو ہر طرح سے حامی امن ہو اور وہ حکومت سندھیا ہی کی تھی۔

فہ ۵۵

مل کے لئے دارن ہسٹنگز کا نام ایسا ہی تھا جیسا گبن کے لئے کلیسا کا نام۔ یعنی وہ غلط فاسد جس کی موجودگی کی وجہ سے مقام ماؤن کے تمام دیگر اخلاط اپنی ضد نظر آنے لگتے تھے۔ اس لئے اُس تین ترشہ روئی پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے جسکے ساتھ معاہدہ سالباٹی پر انگلستان کے اس فلسفی مینخ نے تبصرہ کیا ہے جس کی تصانیف باوجود اپنے خصوصی اسقام کے بھی علم ادب کی قابل زیارت یادگاریں ہیں۔ المختصر جو انتظام کیا گیا۔ اُس میں دیر لگی اندھیر نہیں ہوا اور موقع کے اعتبار سے صرف وہی بہترین انتظام تھا۔ اس قرارداد کو قریب قریب جزیرہ نمائے ہند کی تقسیم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو اُن دو دہائیوں کے درمیان عمل میں آئی جو اُس کے مالک بننے کے اہل تھے۔ اس معاہدے کے بلا واسطہ اثرات ایک متعاقد کے اختتام بھی زندگی تک اور ہر دو متعاقدین کی ملکی زندگی کے بعد تک قائم رہے اور بالواسطہ تو اس معاہدے کو برطانوی ہند کا سنگ بنیاد کہا جاسکتا ہے۔ سلطان ٹیپو اور نواب نظام الملک کے علاقوں کو چھوڑ کر سندھیا کو ہر غیر برطانوی علاقے میں سن مانی کارروائیاں کرنے کی آزادی حاصل تھی اور ہسٹنگز نے جو ایک ہی برطانوی حکمران ہند ایسا تھا جس نے کوئی الحاقات نہیں کیئے اپنے وطن کے مقام کو اس بہترین طریقے سے محفوظ کر لیا کہ اُس نے تمام غیر برطانوی ہند کو اپنے قابض ترین اور طاقتور ترین معاصر کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا۔ مدتوں سے جو بساط سلطنت پر توڑ جوڑ کی چالیں چلی جا رہی تھیں اُن میں سندھیا نے سب شاطروں کو شہ مات دے کر بازی جیت لی تھی۔

سٹیننگز نے اس معاہدے کی تحض عالمانہ اور اصولی منظوری پر ہی مخالفت کی
 بلکہ اس کو قابل عمل بنانے کے لیے اُس نے ایک انگریزی سفارت دہلی بھیجی جسکی
 غرض یہی سمجھ میں آسکتی ہے کہ وہ اس معاہدے کو تمام دنیا میں شائع کرنا اور اپنے ساتھیوں
 کے لیے اُس راستے کو خار و خس سے پاک کرنا چاہتا تھا جس پر خود اُس نے چلنے سے
 دانائی کے ساتھ احتراز کیا تھا۔ اس راستے پر اب سندھیا قدم رکھنے والا تھا۔ اب تک
 جو کچھ ہم نے دیکھا وہ چند ایسے واقعات تھے جو نئی چیزیں پیدا کر رہے تھے اور ایک
 خاموش ثابت قدمی تھی جس کی وجہ سے گرد و پیش کے حالات میں بغیر اپنے مقصد کو
 نظر انداز کیے سندھیا اپنا کام چلاتا رہا۔ مگر اب ہم اُس کو زیادہ نمایاں طور پر بہت سے
 کام کرتے ہوئے دیکھیں گے۔



باب چہارم

سیاست دہلی کی حالت شاہ عالم کی بحالی کے زمانے میں

اگر ہم اُن شکلات کو پوری طور پر سمجھنا چاہتے ہیں جو سندھیا کے مہتم بالشان منصوبے کی راہ میں حاصل تھیں تو ہم کو شک نہ ہو کہ یہ سب چلے جانا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ جس وقت مرہٹے اس سال کے موسم گرما میں ہندوستان سے واپس چلے گئے اُس کے بعد سے شاہ عالم کے لشکر میں اور دربار میں کیا کیا ہوتا رہا۔ مرہٹے کچھ مقامی فوجیں روہیلکھنڈ میں چھوڑ گئے تھے اور انھوں نے حافظ رحمت خاں صدر اعلیٰ ریاست تہا نہ پہلے سے براہِ حقہ نامہ دپام جاری رکھا تھا۔ اس قسم کے سمجھوتے انھوں نے اُن مسلمان سرداروں سے بھی کر رکھے تھے جنھیں انھوں نے اتحادِ اسلامی میں سے توڑ لیا تھا۔ مثلاً ضابطہ خاں اور حسام الدولہ سے اُن کا ساز باز تھا۔ مگر اُن کا وہی شخص تھا جو بادشاہ کی بحالی کے معاملے میں مرہٹوں کی طرف سے دکیل تھا۔

صفحہ ۸۷

مگر وزیر سابق مرزا نجف کا معاملہ اُس کے پُرانے دوست نواب اودھ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا کیونکہ نواب اودھ بھی مرزا نجف کی طرح شیعہ تھا اور سلطنت کا موروثی وزیر بھی تھا۔ اودھ میں لگ بھگ اپنی ذات سے مرزا نجف کا دوست تھا اور بہت زیادہ اقتدار بھی رکھتا تھا۔ چنانچہ جب نواب اودھ نے یہ عزم کر لیا کہ روہیلون کو آخری اور قطعی فیصلے پہنچا دیا کر بارِ رضا منہ کر ہی لے تو پھر یہ معاملہ جتنا اہم تھا اتنا ہی اہل جی ہو گیا کہ مرزا کو پھر اُسی عہدے پر مکن کر دیا جائے جس پر سے ہلکار اور مرہٹہ میرسا مان کی امداد سے ضابطہ خاں نے اُسے مغزول کر دیا تھا۔

صفحہ ۸۸

حافظ رحمت خاں کو کوئی ایسی گھبراہٹ نہیں تھی کہ مرہٹے فوراً روہیلکھنڈ سے نکال ہی دیئے جائیں مگر وہ اکیلا دیر سے بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ بہر حال نواب اودھ اور سربراہ برٹ بار کرنے مرہٹوں کی تمام مقامی فوجوں کو تھوڑی سی مدافعت کا سامنا

کر کے نکال باہر کیا اور پھر اُن کو دو آپہ میں شکست دی اور آخر کار اُنھیں دریائے جہیل کے بالکل پار بھگا دیا۔ اب باوجود خود حکمران کی مخالفت کے روم بلیکھنڈ کو نجات مل چکی تھی اس لیے نواب اودھ نے البینہ ضروری اُس چائیس لاکھ کا مطالبہ کیا جو اُن خدمات کا معاوضہ ملے ہو چکا تھا جو نواب نے انجام دی تھیں لیکن مدت خاں ارادہ اداگی کا نہیں تھا اس لیے اُس نے صاف لیت بلکل میں ٹالنا چاہا۔ اس پر ایک برطانوی دستے نے انوپ شہر پر مشقیدی کی تاکہ احمد شاہ کی پُرانی چھاؤنی پر قبضہ کر لے۔ اس دستے کی سرکردگی سر رابرٹ بارکر کے سپرد تھی جو نواب اودھ اور رومیلہ سردار کے معاہدے کا گواہ تھا میرزا نجف جو بارکر کے لشکر میں پناہ گزین تھا اسی وقت دہلی بھیجا گیا اور برطانوی سپہ سالار اور نواب اودھ نے اپنے سفارشی مراسلات اُس کے ساتھ کر دیئے اور دہلی میں اُس کا تقرر نائب وزیر کے عہدے پر پزل میں آگیا۔ چونکہ میرزا نجف کے ساتھ ایم میڈاک اور ایک قواعد داں بدرتہ بھی تھا اس لیے وکیل کار ضابطہ خاں کو اس وقت ہی مناسب معلوم ہوا کہ اپنے عہدے سے کن رہ کشی کر کے بھرتپور کے جاٹوں کے ہاں پناہ گزین ہو جائے۔ حسام الدولہ جب اُس کے شاہی رازدار ہونے نے تنظیم جاگیر است شاہی کے عہدے تک پہنچا دیا تھا اپنے عہدے سے برخاست کیا گیا اور اُس کے تخت حساب فہمی کی گئی۔ اُس کی جگہ ایک شخص عبد الاحد خاں کو دیئی جو ایک زمانہ نو کشمیری تھا جس کو مجید الدولہ کا خطاب بھی دیا گیا۔ منظور علی خاں کو ناظم خلیفہ اے شاہی مقرر کیا گیا اور اگر وہ کے مضبوط قلعے کی تعدادی ایک ایرانی سردار محمد بیگ خاں کو تفویض کی گئی تھی۔ ان انتظامات کو دیکھتے ہوئے یہہ کہا جاسکتا ہے کہ دریائے جہنا پر کسی ہندو حکومت کا قائم کرنا اگر محال نہیں تو سخت دشوار ضرور تھا۔ ایک اسلامی اتحاد نے مرہٹوں کو بالکل اُسی طرح ہندوستان سے نکال باہر کر دیا تھا جس طرح بارہ سال

صفحہ ۸۹

لے جن خطابات کے آخر میں الہ ولہ ہو وہ دوسرے درجے کی امارت کے خطابات ہیں اور جو الملک پر ختم ہوتے ہیں وہ اول درجے کے خطابات ہیں۔ لفظ دولت صرف اس سلطنت کے معنی میں استعمال ہوتا تھا جو بعض اقطاع ملک پر حاوی ہوتی تھی۔ ۲۔ معصفت

پہلے احمد شاہ نے نکال دیا تھا۔ بصورت موجودہ اس اسلامی اتحاد کو ایک نئی اور
پُر اسرار دولت کی طرف سے بھی امداد مل رہی تھی جو موقع پر علانیہ جنگبازی یا
خفیہ سازشوں کے ذریعے سے زیرین گنگا کے علاقوں میں آہستہ آہستہ
اپنے قدم بڑھائے جا رہی تھی۔ یونیم اور گوڈارڈ جیسے نبرد آزما لوگ بھی آنے باقی
تھے مگر انگریزوں نے طاقتور نواب وزیر کو اپنا مطیع کر لیا تھا اور
اسب ہر طرح کا سہارا اور عملی امداد سکاڑھ بنایا ہے تھے۔ دربار یونا کی سرتاسر ذلت کو
سندھیا گوارا کر سکتا تھا۔ نانافرنویس کی ہر قسم کی مایوسی کو بلا اضطراب کے ایک
شانِ انفعالیّت کے ساتھ روا رکھ سکتا تھا مگر اس سے تو بالکل اُس کا راستہ ہی رُک جاتا
تھا کہ ایک زبردست اور نیک سیرت ایرانی سردار ایک کمال شدہ سلطنت کے
وسائل پر پورا پورا قابض رہے اور اُسے ایسے موردنی وزیر کی طرف سے ہر قسم کی
تائید و امداد کی بڑی بڑی امیدیں ہوں جو ادھ کے سے زرخیز اور آباد صوبے کا
مالک ہوا اور جس کی پشت پناہی پر برطانوی ٹیکنیں ہوں۔

صفحہ ۹۰

میرزا نجف کا دوسرا کام یہ تھا کہ اُس نے بادشاہ سلامت سے روہیلکھنڈ کے
خالصہ کرے کی منظوری حاصل کر لی۔ اس معاملے میں دارن ہٹھلینز نے جو حصہ لیا تھا
اُس پر اس سختی سے طویل طویل سب و شتم کی زبان کھولی گئی ہے اور عام طور سے
اس الزام کو ایسا اُس کے سر تھوپ دیا گیا ہے کہ اس معاملے کی اصلیت ہی کو
نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے ہم کو اس کے متعلق تھوڑا سا تبصرہ کرنے کی
ضرورت ہے۔

صوبہ کنہر (روہیلکھنڈ) بھی سلطنت مغلیہ کا ویسا ہی ایک جزو تھا جیسا کہ
صوبہ آگرہ تھا۔ اور ایسے لوگ اس وقت تک زندہ تھے جنہوں نے اس صوبے پر
اُس سردار کا قبضہ دیکھا تھا جس کا تبادلہ بعد میں دکن کو ہو گیا اور وہاں سلطنت دہلی کے
کمزور ہو جانے پر اُس نے ایک موروثی سلطنت قائم کر لی تھی۔ لیکن اس قسم کی قائم
کی ہوئی ریاستیں خواہ وہ نواب نظام الملک کی ملکیت دکن ہو یا نکال اور ادھ کے
نوابیاں ہوں کسی کے پاس کوئی قانونی وجہ اس ریاست قائم کرنے کی بجز ان ظلمین کے نہ تھی جو
دسار شہنشاہی سے جاری ہوتے تھے کٹر شیل دیگر احکام کے بغیر ان بھی ایسے تھے جو منسوخ کیے جاسکتے تھے۔

چنانچہ جس وقت نادر شاہ کے ہاتھوں دہلی کی تباہی سے فائدہ اٹھا کر سلطنت میں
 چٹھانوں نے صوبے پر قبضہ کر لیا تو اس قبضے سے صوبے پر اُن کی ملکیت اُس سے زیادہ
 پیدا ہوئی جو جاٹوں کو قلعہ اگرہ اور اُس کے مضافات پر قبضہ کر لینے سے ہوئی تھی۔ جاٹوں کو
 بحیب الدولہ نے بیدخل کر دیا تھا اور میرزا بخت نے اُن کے حملوں سے بلا امداد غیر
 خاص اپنی فوجوں کے ذریعے سے ملک کو بچائے رکھا تھا۔ لیکن چٹھان کھنڈ
 میں رینگتے تھے۔ انھوں نے اس کا نام بدل کر ریمپلکھنڈ رکھ لیا تھا۔ وہ اس میں
 شاہی اختیارات کو کام میں لاتے تھے مگر یہ انداز حکومت طوائف الملوکی کی ایک
 خاص شان رکھتا تھا۔ اور اب انھوں نے دھوکا دینے کے لیے یہ وعدہ کیا تھا
 کہ مرہٹوں کے خلاف اسلامی اتحاد میں شریک ہونگے اور مرہٹوں کے اخراج کے
 معاوضے میں چالیس لاکھ روپیہ نقد دینگے۔

صفحہ ۹۱

اب یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ یہ روپیہ چٹھان نااہل بھی تھے اور عدا بھی تھے۔
 وہ اس صوبے پر حکومت نہیں کر سکتے تھے جو انھوں نے غصب کر لیا تھا نہ وہ مرہٹوں
 کی مدافعت کر سکتے تھے۔ ساتھ ہی اس کے وہ اُن لوگوں کو موعودہ معاوضہ بھی دینا
 نہیں چاہتے تھے جو اُن کی امداد کے لیے وقت پر آئے تھے۔ اس لیے یہ بالکل
 سلجھا ہوا سیاسی مسئلہ رہ گیا تھا کہ آیا نااہل حکومت مگر خجگو مستعین کو اُس صوبے پر
 قابض رہنے دیا جائے جس کو اُن کے ہاتھوں سوائے بربادی کے کبھی فلاح سے
 ابھرہ بند ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی یا اس صوبے کو دوسرے قابل تر سپاہی سردار
 کی طرف منتقل کر دیا جائے جو سلطنت کا سب سے بڑا رکن بھی تھا۔ ہم کو یہاں دارن متشدد
 کی کارروائیوں سے کوئی بحث نہیں ہے لیکن انصاف پسند ناظرین اس زمانے میں
 کلکتہ کے نکلے خارجہ کی دستاویزات کو ملاحظہ کرنے کے وسائل بہم پہنچا سکتے ہیں
 جن سے اُن کو بطور خود نتیجہ نکال لینے کے لیے کافی مصالح مل سکیں گے۔ اگر یہ کہا جائے
 کہ ریمپلکھنڈ کے خالصہ کرنے کی تجویز میں شجاع الدولہ کے لیے اُس کی ذاتی اغراض
 وجہ تحریک ہوئیں تو اُس کی توجیہ اس طرح کی جاسکتی ہے کہ شجاع الدولہ بھی اس زمانے
 کے اہل سیاست میں سے تھا جو تقاضائے فطرت انسانی سے غیر متاثر نہیں رہ سکتا
 تھا۔ اُس نے مشروطہ خدمات کو ادا کر دیا تھا مگر اُس کو موعودہ معاوضہ نہیں ملا تھا

اس لئے فطرتاً اُس کو اس وقت اسباب تلافی کے پیدا ہو جانے پر خوش ہو جانا چاہیئے تھا۔ ہم نے اس معاملے کا تاریک ترین پہلو دکھا دیا ہے مگر غور سے دیکھنے پر معلوم ہو جائیگا کہ ہندوستان کے اس زمانے کے سیاسی اخلاق کے معیار کو دیکھتے ہوئے یہ معاملہ بہت کم نا جائز نظر آتا ہے۔ جنوری ۱۸۵۷ء میں نواب اودھ نے روہیلوں پر آخری تقاضائے ادا کی کیا اور ۱۲ اپریل ۱۸۵۷ء کو ایک برطانوی ملک اس نے ساتھ لیکر روہیلکنڈ کے حدود میں فوجیں اتار دیں۔ اسی زمانے کے ایک ہندوستانی مورخ نے مندرجہ ذیل حالات خاص روہیلوں کے ملک کے روہیلہ مورخ سے نقل کر کے لکھے ہیں :

صفحہ ۶۲

خصوصیت دعا کی ایک حیرت انگیز حالت تمام روہیلکنڈ پر طاری تھی اور ہر شخص اپنے بسائے کی ہلکائی پر بڑے اہتمام سے آمادہ نظر آتا تھا۔ جان مال کی کوئی حفاظت نہیں تھی اور مزید اراضی کا شتکاروں کو زیادہ سے زیادہ حصول پر ہی جاتی تھیں۔ وقت آچکا تھا کہ اس صورت حالات میں تغیر ہو جائے۔ صدر حکومت کو رعایا سے کسی امداد کی امید نہیں تھی۔ بادشاہ دہلی نے نواب وزیر اودھ کے نام فرمان عوبہ داری بھی نافذ فرما دیا تھا اس لئے وہ بھی نواب اودھ کی امداد کے لئے نفس نفس کچھ فوج لیکر روانہ ہو گیا تھا۔ انگریزوں نے اپنی باقاعدہ فوج کا ایک عمدہ دستہ بمکال سے بھیج دیا تھا۔ ۲۳ اپریل ۱۸۵۷ء کو صدر حکومت پر اتحادیوں کا حملہ ہوا اور بڑی جان باری سے ممانعت کر نیکی بعد اس کو شکست ہوئی جس میں وہ خود بھی مارا گیا۔

اس فتح کو انگریزی دستے کی کارگزاریوں کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے جس کے گھوڑ پڑھے توپ خانے کے تعلق ایک ہندوستانی مورخ لکھتا ہے کہ اس توپ خانے کے سامنے کوئی نہیں ٹھیر سکتا سوائے اس کے کہ خاص طور سے حکم الہی اسکی زد کا سہارا ہو جائے۔ اسی ہولناک توپ خانے کے ایک زخمی دار گولے نے حافظ رحمت خاں صدر حکومت روہیلکنڈ کے بھی دو ٹکڑے کر ڈالے تھے :

نواب وزیر شجاع الدولہ اپنے نئے مقبوضے پر حکمرانی کرنے کے لئے زیادہ عرصے تک

زندہ نہیں رہا کیونکہ وہ ۲۹ جنوری ۱۷۷۷ء کو انتقال کر گیا۔ اُس کے مناصب و جانداد کا
 اُس کا بیٹا آصف ال بدل وارث ہوا جو ایک کمزور طبیعت اور پست ہمت میاں تھا اور
 نہ کبھی اپنے سونے سے باہر گیا نہ کبھی کسی ایسے سرکاری محلے میں حصہ لیا جس سے وہ پہلے جاسکتا
 تھا۔ اور میرزا نجف کو ایک ایسے حکمران کے خزانے بالکل یکدہ و تنہا ادا کرنے پڑے تھے
 جس کا عدم وجود برابر تھا۔ بہر حال اُس کی پہلی کارروائی بھرتپور کے جاٹوں کے خلاف شروع
 ہوئی جن کا مقابلہ اُس نے مقام پر ساما پور کیا جو تھکرا اور بھرتپور کے درمیان واقع ہے۔
 دونوں طرف یورپین انسر کا سر رہے تھے، مہاراجا کی پیدل فوج کی قیادت علامہ سید اکبر
 کے کاؤنسل ڈی میاں اور شیوا لیر ڈی کرسی اور شیوا لیر ڈیوڈنرین کے بھی سپرد تھی۔
 شیوا لیر ڈیوڈنرین وہ شخص تھا جس کا نام پھر بھی کسی ہاتھ پر آئیگا۔ جاٹوں کی طرف سے
 پیش دستی کی گئی اور سومبر کے دستے نے بندوقوں کی ہارٹھوں اور میدانی توپوں کے
 گراہوں سے حملہ شروع کیا۔ میرزا نجف زخمی ہو گیا مگر اُس نے دشمن کی غفوض پر اپنے
 زور پوشوں سے حملہ کیا اور سومبر نے اپنے قدیم انداز کے مطابق آہستہ آہستہ اپنے
 سپاہیوں کو پیچھے ہٹا کر اپنی توپوں کی حفاظت میں لے لیا۔ اور دوسرے دن فاتحوں
 سے آملہ۔ وسط گرام سے پہلے جاٹوں کے دوزیر دست تلے سحر کرے گئے اور جاٹوں کی
 کامل تباہی صرف اس لیے مل گئی کہ پیچھے سے شورہ پشت ضابطہ خاں نے حملہ کر دیا تھا۔
 اسلام کا یہ عذر فرزند برابر بنی تگ دوویں لگا رہا تھا اور اب اُس نے پھر منصب وزارت پر
 قبضہ کرنے کے لیے سکھوں سے امداد حاصل کر لی تھی۔ یہ خبر شکر میرزا نجف واپس لوٹا اور
 بھٹیک ایسے موقع پر ملی آکر پہنچا کہ بادشاہ سلامت پر ناضحل شاہی میں حملہ ہونے سے
 رگ گیا۔ اس کے بعد میرزا نجف نے شمال کی طرف اس غرض سے پیش قدمی کی کہ
 ضابطہ خاں اور اُس کے حمایتوں کی خاطر خواہ سرکوبی کرے۔ بادشاہ بھی بنفس نفیس
 میرزا نجف کے پیچھے پیچھے وہ دستہ لیکر چلا جو آصف الدولہ نے بطور کمک کے بھیجا تھا
 اور ضابطہ خاں کو مجبوراً سکھوں کے ساتھ لگا رہنا پڑا اور اُن کے ساتھ ہی جانا کو
 عبور کر کے پانی پت پر پناہ لینی پڑی۔ یہاں ایک اچھا خاصہ معرکہ پیش آیا جس کا کوئی
 فیصلہ کن نتیجہ نہیں نکلا۔ دوسرے دن ضابطہ خاں نے کسی ترکیب سے ادھوج کے
 قائد کو ملا لیا جو لطافت خاں نامی ایک خواجہ سر تھا اور اُس کی امداد سے اُس نے اس

شرط پر معافی حاصل کر لی کہ سکھوں کا ساتھ چھوڑ کر واپس جاگیر پر واپس چلا جائے
جو ان بادوں پر غنوں پر عمل ہے جن سے اب مظفر نگر اور سہارنپور کے اضلاع بنے ہیں
سے ان میں میرزا خن بکدوشی حاصل کر کے اگر وہ میں عزت گزین ہو گیا اور اس کے
ساتھ اس وقت سو مہر بھی تھا جو کہ سر نہ برسانا کے بعد خلیفہ فوج میں ملازم ہو گیا تھا اور اس وقت
میٹاک کی جگہ پر کام کر رہا تھا کیونکہ شہر میں میٹاک بکدوشی حاصل کر کے یورپ چلا گیا تھا اگر وہ کا
قلمدار سوقت ایک ایرانی سردار محمد بیگ ہمدانی تھا جو میرزا خن بکدوشی کی طرح ایک ایرانی طالع آرا تھا
اور وہ میں آصف الدولہ بد کرداریوں اور بے رحمیوں کا عادی ہو کر
وہ بد نظمی شروع کر چکا تھا جو آخر کار اس کے خاندان حکومت کو ہی تباہ کر کے
رہی۔ شاہ عالم اپنے آباد اجداد کے قلعے میں مامون و محفوظ رہنے کی وجہ سے آرام طلب
اور دوسرے کے ہاتھوں میں کھلونا بننا چلا جا رہا تھا۔ شہر میں البتہ اُس کے نزدیک مجید الدولہ
نے اُس کو ابھار کر ایک بے نتیجہ حملہ جے پور پر کر دیا تھا جہاں سے مطالبات سابقہ کے
نام سے کچھ رقم ملتا تھا اُن کی امید بندھی ہوئی تھی مگر اس تدبیر کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ایک
فوجی عامل جو تبلیغ بھی کیا تھا سکھوں کے ہاتھ سے اُسی سال کے اواخر میں مار ڈالا گیا اور
اس گستاخی کی سزا دینے کے لئے مجید الدولہ باد صف اپنی حربی خامکاری کے ایک جہم
اپنی سرکردگی میں پنجاب لیگیا جہاں اُسے شکست کھانی پڑی اور صرف یورپین توپچیوں
کی غیر معمولی جانبازی سے تمام سپاہ بالکل فنا ہونے سے بچ گئی۔ اس کے جواب میں فتح محمد
سکھوں نے تمام دواہ کو روند کر رکھ دیا اور تمام ملک کو یہاں تک برباد کیا کہ ہر سے درخت
بھی کاٹ کر کھینک دیئے مجید الدولہ نے اس وقت پر سوائے اس کے اور کچھ نہیں کیا کہ
مادھوجی سندھیا سے نامہ و پیام شروع کر دیا اور اُس سے وعدہ کیا کہ انگریزوں کے ہنگام
بہار اور اڑیسہ سے بیدخل ہوتے ہی یہ تینوں صوبے اُسے دیدیئے جائیں گے۔ جیسا کہ ہم
دیکھ چکے ہیں اُس زمانے میں سندھیا انگریزوں کے ساتھ برسرِ مصالحت نہیں تھا لیکن
اُسے اچھی طرح خبر تھی کہ وہ کیا کچھ کر سکتے ہیں اور اُس نے اس سودے کو اس سے کم نام
نہیں سمجھا کہ شیر کے مارنے سے پہلے اُس کی کھال کی قیمت کے دام دیدیئے جائیں ساتھ ہی
اس کتاب میں یکچھ ہے گردہ روس کے لئے زیادہ موزوں ہوتا اس لئے میں نے شیر سے بدل دیا

ہے جو پاکستان کا منقرع لقب بھی ہے۔ ۱۲ مترم

اس کے سندھیا آتی دوڑ بیٹھ کر بھی میرزا نجف کی قوت سے قہراً واقف تھا اتنا گھر کے اندر بیٹھا ہوا کثیری بچہ نہیں جانتا تھا۔ غرض یہ کہ اس نامہ و پیام کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ لیکن میرزا کی حقارت آمیز کنارہ کشی کسی طرح بادشاہ کی مشکلات کا یا اس رعایا کی مصیبت کا کوئی علاج نہیں ہو سکتی تھی جس کو نجات دلانے کی خود بادشاہ میں بھی قوت نہیں تھی۔ ابھی دہلی کی فسیلوں پر سے مجید الدولہ کی آتش ستم سے جلتے ہوئے مواضعات کے دھوئیں نظر آنے بند نہیں ہوئے تھے کہ یکایک میرزا نجف کی دایہ کا شہرہ شہر میں پھیل گیا اور اُس نے اتنے ہی مجید الدولہ کو قید سخت میں رکھا اور وہ تمام دولت جو اُس نے ناجائز ذرائع سے جمع کر لی تھی فوراً بحق سرکار ضبط کر لگی۔ میرزا نجف نے خاص اپنے بھتیجے مرزا شفیع کی سرکردگی میں ایک ہزار دست فوج سکھوں سے مقابلہ کر نیکے لیے روانہ کر دی۔ سلطنت مغلیہ کی اس قواعد دار فوج کے مقابلے میں سکھوں کی کھڑپننگی اور میچ کے قریب انھوں نے پانچہزار کا نقصان اٹھا کر شکست کھائی اور بقیۃ السیف سر پر پاؤں کھکھکھ کر پنجاب کو بھاگ گئے۔

اس تجربے سے سبق حاصل کر کے میرزا نجف نے دہلی ہی میں رہنے کا ارادہ کر لیا اور سومبر کے انتقال کر جانے کی وجہ سے اُس کی فوج کی قیادت اُس کی محرم کے سپرد کر دی گئی جسے سٹیشن میں ایک کیتھولک پادری نے جو انابولیس کے نام سے اصطلاح سے دیا تھا۔ یہ ستارغورت انیسویں صدی میں سر دھندہ والی بیگم سمر کے نام سے مشہور رہی۔ سومبر کی قبر اب تک اگر وہ کتھولک قبرستان میں موجود ہے۔

میرزا نجف ۲۷ مارچ ۱۸۵۷ء کو انتقال کر گیا۔ یہ شخص ناکامی کے وقت ہمیشہ ثابت قدم اور کامیابی کے وقت ہمیشہ جھدل رہا۔ جیڑیوں اور غداریوں سے اُس کی طینت خالی تھی اور اس کے مزاج میں حقیقی تواضع تھی جو ہمیشہ نیکو شہرستی کے لازماً سے ہوا کرتی ہے۔ ایسے وقت میں مرزا کی موت نے ہندوستانی سیاسیات میں ایک مہلک خلا پیدا کر دیا۔ اُس کے منصب و جائداد کے لیے اُس کے بھتیجے مرزا محمد شفیع اور

صفحہ ۹۶

لے رائن بارٹ کی اصلی بیوی اپنے شوہر کے بعد زندہ رہی اور اُس سے رائن بارٹ کا ایک بیٹا بھی باپ کے بعد زندہ رہا لیکن بیوی محبوبہ الحواس ہو گئی اور بیٹا ابھی نابالغ تھا۔ ۲۱ مئی ۱۸۵۷ء

اُس کے رفیق ہمد افسر سیاب خاں میں بیصرف نزع برپا ہوا۔ مرزا شفیق کو مہیاقت کے بنانے سے بلا کر گولی سے مار دیا گیا اور افسر سیاب خاں نے ایک ناقابل بادشاہ کی برباد شدہ مملکت کا مدار الہام بننے میں کامیابی حاصل کی۔ گزشتہ دو سال کی قلت باران سے ہندوستان میں سخت قحط رونما ہو گیا اور سلسلہ بکری کا اب تک قصے کہانیوں میں چالیسے کال کے نام سے تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ۱۳۰۱ھ بمطابق ۱۸۸۵ء کو لاہور میں گہیوں کا نزع معمولی نرخ سے دس گنا گراں ہو رہا تھا۔ ایک عینی شاہد جو سندھیا کے شکر میں رہ چکا تھا اور جو بعد کو کرنل جمیس سکرسری بی کے نام سے مشہور ہوا اپنے بیان کرتا ہے کہ انسانوں کی تعداد اس قدر گھٹ گئی تھی اور ان کی ہتھیلی ایسی پست ہوئی تھیں کہ صرف چند مواضعات دور دور پر آباد رہ گئے تھے اور ان میں بھی اس لیے کوئی سلسلہ ارتباط نہیں رہا تھا کہ راستہ ان درندوں نے روک رکھا تھا جو شرکوں پر بیباک پھرتے پھرتے تھے۔ ایک دوسرا معصر لکھتا ہے کہ درندے دن دہارے فاقہ کش لوگوں کو چیر بھاڑ کر کھا جاتے تھے۔

صفحہ ۹۷

ان تمام مصیبتوں کے درمیان بھی ایک میلان عام قومی اتحاد کی طرف پایا جاتا تھا جو شاہی خاندان کی گہنائی ہوئی قوت کے آگے ہر سر کو خم کر دینے کا باعث تھا۔ جبریل ڈی باؤن جو ایک عمیق نظر سپاہی تھا لکھتا ہے:-

”خاندان تیوریہ کی ایسی عزت دلوں میں تھی کہ باوجودیکہ تمام اقلیم ہند آہستہ آہستہ اس خاندان کے تحت آہٹ سے نکال لی گئی تھی پھر بھی تمام اقلیم میں کوئی رئیس ایسا نہیں تھا جو اپنے رئیس بادشاہ کہنے یا کہلانے کی جرات کرتا۔ ابھی تک تحت مغل پر شاہ عالم ہی بلوہ کر تھا اور سب کام اسی کے نام سے کیے جاتے تھے۔“

یہ عقادہ شاندار انعام جس کے حاصل کرنے کی خاطر ہندوستانی مدبر اکھاڑے میں اترے ہوئے تھے جن میں سے صرف ایک راز کامیابی کو سمجھ چکا تھا۔ ممکن تھا کہ انگریز اس انعام کو حاصل کر لیتے مگر وہ جانتے تھے کہ ان کا وقت نہیں آیا تھا۔ دیکھتے ہیں میں مینٹنز کے دیل نے لکھا تھا کہ اگر ہم ہندوستان میں اپنے تئیں محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی بات اور اپنی عزت کے دشمنی بنے رہنا چاہتے ہیں تو ہم کو شاہ عالم کی امداد کی

ہوں جو معرکہ پانی پت سے اپنی جان سلامت لے نکلا ہوں۔ سندھیا نے اگرچہ اس شخص کے ادعا کو صحیح نہیں تسلیم کیا مگر اُس کے دعاوی پر غور کرنے کا حیلہ ضرور کیا۔ لیکن اس مدعی کا پونا کی مجلس حکومت نے بہت جلد فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد سندھیا لوگوں کے سامنے ایک زیادہ خطرناک دعویدار یعنی کبھی چین سے نہ بیٹھنے والے رگھو با کے اعراض کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کرتا رہا اور جس وقت دکن کے اس اماں شکن کو بطور ولیفخوار کے کو پار گھاؤں ملک خاندیس میں بسنے کی اجازت دیدی گئی تھی اُس وقت سندھیا اُس کی بیہودی کے لیے بہت ہی تمنی نظر آتا تھا اور یہ شبہ تو عام تھا کہ سندھیا اس قسم کی سازشیں پھیلا رہا ہے کہ کسی طرح رگھو با کا کوئی بیٹا پیشوا کی کے اپنے نامزد کر دیا جائے۔

صفحہ ۹۹

ان تمام حرکتوں میں تھوڑی سی حکمت عملی کا رنگ تھوڑی سی ستم ظریفی میں ملا ہوا تھا۔ لیکن معاہدہ سالباٹی کی تصدیق کے بعد اُس کو اپنے طمع نظر کو وسیع تر اور نصب العین کو بلند تر کرنے کا موقع مل گیا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ نکو رام مجید الدولہ نے ایک بھونڈی سی تجویز کے ذریعے سے سندھیا کا اتحاد عمل حاصل کرنے کی کوشش کی تھی جس کی غرض یہ تھی کہ مجید الدولہ اپنے لیے دہلی کے وزیر اعظم اور سپہ سالار کل کا منصب چاہتا تھا جس کے معاوضے میں اُس نے سندھیا کے شریک ہو کر انگریزوں پر حملہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ سندھیا نے ایسی ہمت میں شریک ہونے پر رضامندی ظاہر کی۔ نہ یہ بالکل قرین القیاس معلوم ہوتا ہے کہ سندھیا کسی طرح اس خود غرض کشمیری بچے کے اس تحفہ مودت کو قبول کر سکتا تھا یا ایسے کمزور فرد کا ہامان بن سکتا تھا۔ بہر حال میزرا نجف کو کافی مواد ایسا مل گیا تھا جو مجید الدولہ کو اُس کے عہدے سے برخاست کر دینے کے لیے ضروری تھا اور اُس کو علیحدہ کر دینے کے بعد بقیہ عمر میں میزرا نجف کے عہدے کا کوئی مدعی نہیں نکلا۔ جب سلسلہ میں میزرا نجف کا انتقال ہو گیا تو اس کے بعد سے سندھیا کی نظر میں ہر وقت دہلی پر لگی رہنے لگیں۔ ادا جز سلسلہ میں اُس نے ایم ڈی بائن کی خدمات حاصل کر لیں اور دو تو اعداں بلٹنوں کا قائد بنا کر اس کو بہت سی مختلف الاقوام فوج کے ساتھ جو ایک ہندوستانی قائد کی سرکردگی میں تھی روہیلکھنڈ پر بھیجا۔ لیکن درمیانی وقفے میں وہ شمالی افق پر برابر تشویش کی نظر میں جائے

صفحہ ۱۰۰

یہ غور کرتا رہا کہ کن کن شگونوں سے کیا کیا تعبیریں لینی چاہئیں؛
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سندھیا کی راہ سے تمام مشکلات کو ہٹا دینے کے لیے
تمام فریق بالاتفاق اُس کی مداخلت کے مستعدی ہو گئے ہیں جن میں سے غدار نااہل
افریاب خاں خاص طور سے اُس کی امداد کا متنبی ہوا۔ محمد بیگ قاتل مرزا شفیق نے
افریاب کی خاص ہدایات کے مطابق یہ غیبت حرکت کی تھی۔ مگر اب، وہ اپنی
دیدہ دلیریوں میں اس درجہ بڑھتا جا رہا تھا کہ خود افریاب کے لیے وبال جان ہو گیا
تھا کیونکہ اُس نے بہ اختیار خود قلعہ آگرہ پر اپنا قبضہ جمایا تھا۔ جو ہولناک حلقہ اس وقت
وزیر اعظم افریاب خاں کے گرد دبنا جا رہا تھا اُس کی آخری کڑی کو پورا کرنے کے لیے
اُس نے بادشاہ کے منظور نظر مجید الدولہ کشمیری پر حملہ کیا جو اب کسی قسم کا بھی نقصان
پہنچانے کے قابل نہیں رہا تھا اور بادشاہ سے اُس کا پرانے تعلقات کے اعتبار سے
صرف ایک قسم کا خانگی ارتباط رہ گیا تھا۔ ناحق جبر کے ساتھ افریاب نے
اُس بوڑھے دائم المرضی ندیم کو گرفتار کر لیا اور اُس کو قید سخت میں رکھا اور اُس کی
جائداد وغیرہ سب ضبط کر لی۔ بادشاہ نے اس پر کچھ پیش میں آکر اور کچھ خون زدہ ہو کر
بالکل خلوت نشینی اختیار کر لی اور خود سر وزیر کے ساتھ آگرہ جانے سے انکار کر دیا جہاں
محمد بیگ نے قلعے کا قبضہ چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا۔

الغرض افریاب اپنے شاہ شطرنج کی منظوری کے بغیر ہی دہلی سے روانہ ہو گیا
اور آگرہ پہنچ کر قلعے کی فصیلوں تلے پڑاؤ ڈالا اور سندھیا کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ اکتوبر ۱۸۵۷ء
میں سندھیا آہنچا اور وزیر اعظم سے دو شانہ ملاقات کے بعد اپنا پڑاؤ بھی اُس کے بہت ہی
قریب ڈال لیا اور باغی قلعہ بند فوج پر حملہ کر کے تدبیروں پر وزیر اعظم کے ساتھ مشورہ کرنے لگا۔
تین دن بعد افریاب اپنے خیمے کے اندر زین العابدین برادر مرزا شفیق کے خنجر سے
ہلاک کر دیا گیا۔ چونکہ قاتل سزا سے بچ گیا اور اُس نے بھاگ کر مرہٹہ لشکر میں پناہ بھی لی
اس لیے ہی قیاس کیا گیا کہ ہر چند قاتل کے پاس کافی وجوہ اشتغال موجود تھے مگر یہ
قتل بغیر سندھیا کے ایما کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ مگر اس رائے کے متعلق تحقیق طور پر
کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ممکن ہے بلکہ گمان غالب یہ ہے کہ یہ شبہ اس قدرتی سوال کا
جواب ہو کہ کون معشوق ہے اس پردہ نگاری میں؟

کسی تین ثبوت کی عدم موجودگی میں ایسے قیاس کی تائید کرنیکے واسطے سوائے اس مشتبہ سوال کے اور کچھ نہیں ہے کہ مشاہیر زمانہ میں سے کس شخص سے نفلان ہیم سرزد ہوا یا نہیں۔ افراسیاب کے قتل میں جو طریقہ برتا گیا اُس کا الزام سندھیا پر اُسی وقت آسکتا تھا جب کہ پورے طور پر یہ ثابت ہو جاتا کہ ہاں وہ اس سے خردار تھا لیکن اگر یہ ثبوت بھی مل جاتا تو جی یہ ایک تنہا ہی واقعہ ایسا تھا جسے ایسی شخصیت کے ساتھ منسوب کیا جاتا جو غیر مخفیہ و نوریز یوں سے برابر ہی۔ گرانٹ ڈف نے جو رائے ظاہر کی ہے اُس سے صاف تجویزی نکلتا ہے کہ یہی نہیں کہ اس قتل پر شہ دینے کے وجہ سے سندھیا کا دامن پاک ہو بلکہ خود سندھیا کے بہترین معلومات رکھنے والے معاصرین نے بھی سندھیا کی کبھی اُس کا شبہ نہیں کیا اور اصلی قاتل کے پاس اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کی کافی وجہ تحریک موجود تھی۔ یہ سچ ہے کہ سندھیا نے قاتل کو سزا دینے کی کوئی کوشش نہیں کی لیکن اُس طوائف الملوکی کے زمانے میں مقتضائے طبیعت یہی ہونا چاہیے تھا کہ خون کے بدلے خون کو جائز سمجھا جائے۔ ہم کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم ہر مدبر کو مقتضائے زمانہ کے اثرات سے پاک اور بالکل بے لوث دیکھا جائیں یا یہ چاہیں کہ اُس کے حرکات و سکنات ایسے اصول کے تابع ہوں جن کو کبھی اُس نے سنا بھی نہ ہو۔ رہا یہ امر کہ ہر قابل تو جیہہ واقعہ پر غور کرتے وقت یہ پوشیدہ مشوق کی تلاش بیشک ایک تاریخی سراغرساں کے لیے ایک حد تک رہبری کا باعث ہوتی ہے لیکن ہر مومن بھی اس راہنما کے پیچھے آنا ہی غلط راستے پر چل سکتا ہے جتنا ہر پلوں کا سراغرساں مشتبہ کھوجوں سے دھوکا کھا سکتا ہے بڑ

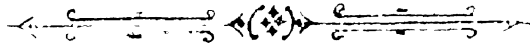
۱۰۲

البتہ یہ بالکل سچ ہے کہ سندھیا نے افراسیاب کی وفات سے فائدہ اٹھایا۔ نفلان لشکر میں جتنے سردار تھے وہ سب فوراً اُس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُسے اپنا سردار تسلیم کر لیا۔ سندھیا نے اُسی وقت ایک غیر ضابطہ دربار منعقد کر کے اُن سب کے پیمانہائے اطاعت کو قبول کیا اور اگر وہ سے پڑاؤ اٹھا کر محمد بیگ کو کچھ دن کے لیے اور قلعہ پر قابض چھوڑ دیا۔ وہاں سے سیدھا دہلی پہنچ کر سندھیا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی خدمات پیش کیں جس کے جواب میں اُسے دو قطعہ فرامین عطا ہوئے۔ ایک فرمان کا منشا یہ تھا کہ پیشوا کو دلیل سلطنت مقرر فرمایا جاتا ہے اور دوسرا فرمان خاص

سندھیا کو یہ سالار دہلی اور نائب پیشوا مقرر کرنے کے متعلق تھا۔ سپاہ کی تنخواہ تقسیم ہونیکا
 اطمینان کرنے کیلئے دہلی اور آگرہ کے صوبہ جات سندھیا کے نام لکھ دیئے گئے لیکن یہ
 شرط رہی کہ ان کی آمدنی میں سے پچپن ہزار روپیہ مالانہ بادشاہ کی ذات اور محل کے
 اخراجات کے لئے برابر دیا جائے۔ یہاں تک تو یہ جی ہوئی بازی سندھیا نے جیت لی۔
 معاہدہ سالبانی سے بالکل پہلے اور اس معاہدے کے بعد جو تعلقات دارن ہسٹنگز
 اور سندھیا کے درمیان قائم تھے چونکہ ان کا اثر سندھیا پر اور اس کی بعد کی زندگی پر
 بہت کچھ رہا ہے اس لئے اس باب کے ختم کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے
 کہ اس موقع پر جو پرنسز رائے ولسن نے ظاہر کی ہے وہ بھی ناظرین کی ضیافت طبع
 کے لئے نقل کر دی جائے۔ ہسٹری آف برٹش انڈیا مصنفہ جنرل ولسن جیل پنجم صفحہ ۱۵۰-۱۵۱۔
 ”یہ ظاہر ہے کہ سندھیا کی شخصیت نے ہسٹنگز کے دل میں اس کی عزت
 پیدا کر دی تھی۔ ہسٹنگز کی فیاض طبیعت کا خود یہ تقاضہ تھا کہ اس بھیسب
 بادشاہ کو مصائب سے خلاصی دلانے کی مقبول کارروائی کی جائے جو
 اقلیم ہند میں حقیقی اقتدار کا سرچشمہ تھا اور خصوصاً بنگال میں انگریزی
 اقتدار کا بانی مانی تھا۔ بعد کے زمانے میں ہسٹنگز نے یہ تسلیم کیا کہ ایک
 زمانہ ایسا تھا کہ اگر اس کو اختیار دیدیا جاتا تو وہ شاہ عالم کی مقبول امداد
 کرنا مگر اس کی کونسل نے اس کے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ ہسٹنگز کے
 ان خیالات کی حقیقت کا پورا ثبوت اس کے اس زمانے کے مراسلات
 سے ملتا ہے۔ یہ حال اس موقع کے بعد بادشاہ کی قابل افسوس
 کمزوری کو دیکھ کر اس نے یہ محسوس کیا کہ اپنے بالکوں یعنی ایٹ انڈیا کمپنی
 کو ایسے شخص کی خاطر کسی مالی بار کے تلے دبانا قابل رسوائی نہیں ہے
 اس لئے مقتضائے مصلحت بھی اس نے یہی سمجھا اور خود بادشاہ کا فائدہ بھی
 اسی میں اسے نظر آیا کہ بادشاہ کو سندھیا کی حمایت میں جھوڑ دیا جائے۔
 ایوان عام میں جو الزامات دارن ہسٹنگز پر لگائے گئے تھے انکی صفائی کے
 وقت دارن ہسٹنگز نے صاف کہہ دیا تھا کہ میں یہ جتنا ناجاہتا ہوں کہ سینے
 مہاراجہ سندھیا سے کوئی نامہ و پیام شاہ دہلی کو مرثوں کے ہاتھ میں

دے ڈالنے کے تعلق نہیں کیا۔ لیکن مجھے بڑھکر کوئی عقل و خرد سے بیگانہ
نہیں ہو سکتا تھا اگر میں مرہٹوں کے ساتھ صرف اس لئے کپڑی کو جنگ
میں الجھا دیتا کہ بادشاہ نے اپنا آخری سہارا سندھیا کو کیوں سمجھا اور
اپنے تئیں بالکل اُس کے ہاتھ میں کیوں دیدیا

ولسن کے اس نوٹ سے اچھی طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ دارن شینگر یقیناً سندھیا کو بادشاہ
کا حامی بننے کا بہترین اہل سمجھتا تھا اور جو نتیجہ اس حمایت کا نکلا اُس نے دارن شینگر کے
خیال کی تائید کی کیونکہ جب تک شاہ عالم سندھیا کی حمایت پر قانع رہا تب تک اُسے
سرِ قسم کا امرن جین میسر رہا۔



باب پنجم سندھیا کا آغاز حکومت

صفحہ ۱۰۴

حقیقت حال یہ ہے کہ ان واقعات نے مادھوجی سندھیا کی حیثیت میں کامل تبدیلی پیدا کر دی اور جو افراد و جماعتیں سندھیا سے متعلق تھیں ان میں اور بھی زیادہ تبدیلی پیدا ہوئی جس وقت کا حال ہم دیکھ رہے ہیں اس سے پہلے وہ تمام ضابطہ کے معاملات کا اتمام دربار پونا کے نام سے کیا کرتا تھا یا تھانک کہ جو کام اپنی رائے اور مرضی کا ہوتا تھا وہ بھی دربار پونا کے نام سے کیا جاتا تھا چنانچہ سر جان ملکم لکھتا ہے کہ اُس کے خاص جوہاروں کا تقریباً ہر ملازمین پیشوا کی حیثیت سے ہوتا تھا۔ اب سندھیا کے اختیارات ہندوستان میں کیجا ہو کر حقیقت اور نام دونوں کے اعتبار سے سلطنتِ ہند کے اختیارات بن گئے چنانچہ بہت کچھ فرامین نافذ کیے جاتے تھے تو وہ شاہی فرامین کی حیثیت سے نفاذ پذیر بیشک ہوتے تھے مگر پیشوا اور سندھیا کے تحت و ذرا کی حیثیت سے ضرور ہوتے تھے جہاں تک سندھیا کے ذاتی معاملات یا خاص اُس کی ذات سے تعلق رہتا وہاں سندھیا سے زیادہ شاید ہی کوئی شخص مراسم و آداب ضابطہ سے بے پروا ہو سکتا کہ وہ حقیقت پسند تھا اور اپنی ثنوت پر یہ بھروسہ رکھتا تھا کہ وہ حقیقت کی حفاظت کرنے اور اُس پر عمل کرانے کے لیے کافی ہے لیکن جب کبھی کمزور طبیعتوں پر عجب بھانے کی ضرورت پڑتی تو جلوس اور دربار کی رسوم میں سندھیا قریب قریب سلاطینِ مغلیہ کے انداز اختیار کرتا تھا۔ اگر اہلِ برطانیہ نے یہ مناسب سمجھ لیا تھا کہ اُسے ایک خود مختار رئیس سمجھیں تو اُسے اُس کی تردید کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اس قوم کا سیاسی طرز عمل ہی ایسا مجید اور ناصحت یافتہ ہے جس پر میں اُسوس کرتا ہوں مگر اصلاح کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ میں تو وہی غریب پھل اور خوش نصیب چاکر ہوں جسے قسام ازل کی فیاضی نے اپنے آقا کی خدمت بڑے اعلیٰ پیمانہ پر بجالانے کے قابل بنا دیا ہے اور خود میں اور میرا آقا دونوں اپنی اپنی حیثیت سے

صفحہ ۱۰۵

ایک شہنشاہ عالی شان کے کارکن ہیں۔ اگر کبھی ہمارے خسرو عالم پناہ کو اپنی رعایا کے کسی افراد کے طرز عمل سے کوئی تشویش لاحق ہو تو ہم سب نگواروں کو متفق ہو کر اپنی خدمات پیش کرنی چاہئیں تاکہ جب تشویش رفع ہو جائے۔

ان تمام معاملات میں سندھیا کبھی کبھی اپنی حد سے آگے بڑھ جاتا تھا مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلا کہ اس کا تماشہ گمانہ جو ایکٹریٹ میں بدل کر اور غارہ ملکر آتا ہے وہ ایک لمحہ کے لیے ہی اپنی یا تماشائیوں کی حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے۔ سندھیا کا خیال تھا کہ حقیقت کا یہ نقاب چہرہ اکثر دلفریب اور نظارہ پرور نہیں ہوتا پھر بھی وہ اپنے ذاتی معاملات میں کبھی حقیقت کو نظر انداز نہیں کرتا تھا اور یہ صفت سازگاری اُس میں ایسی تھی کہ اُس کی امداد سے وہ اپنے تمام معاصرین کو اپنے قابو میں رکھتا تھا اور اُن میں ملکر بھی کبھی اُن کی سی خود مرضی میں مبتلا نہیں ہوتا تھا اور نو دخاری کے تمام حقوق سے بہرہ مند ہونے پر بھی اُس کے تباہی سے بہت کم متاثر ہوتا تھا۔ لیکن سندھیا کا یہ تمام اظہار انکسار کبھی ملکر اور نانا فرہنگ کی آتش رشک کے بجھانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ چنانچہ گرانٹ ڈن لکھتا ہے کہ یہ کامیاب طالع آزمائے اس زمانے کے علاوہ اور کبھی اپنی حفاظت سے غافل نہیں رہا۔ حقیقتہً اسی زمانے میں ایک واقعہ بھی ایسا پیش آگیا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سندھیا کو اپنے اس غیر مترقبہ عروج پر بہت ہی اعلیٰ ہو چکی تھی۔

صفحہ ۱۰۶

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں بادشاہ جہاں پناہ کی رعایا میں ایک طبقہ ایسا تھا جس کی تکلیف دہ صاف کوئی پرکسی کا جادو نہ چلتا تھا۔ وہ صرف کھڑپے کو کھڑپا ہی نہیں کہتے تھے بلکہ اپنے ہاتھ سے کھڑپا جلانے والوں سے کچھ اونچے بھی نہ تھے یہ لوگ انگریز تھے جن کا سردار ارن ہسٹنگز تھا۔ لیکن یہ بڑا مدبر جس کو کوئی دھوکا نہ دیتا تھا فردریکس نے اس ہندوستان سے چلا گیا اور اُس کا عافی جانشین سر جان میکفرسن محض ایک کاروباری آدمی تھا۔ یہ موقع سندھیا کو ایک نیا تجربہ کرنے کا اچھا نظر آیا۔ وہ یہ جانچنا چاہتا تھا کہ اس نے میں شاہ عالم نے جو صوبہ چھوڑا ہے اُس پر انگریزوں نے جو سخت غرقت قائم کر رکھی ہے شاید وہ دارن ہسٹنگز کی ذاتی حرکت ہو اور ممکن ہے کہ اُس کا جانشین ضابطہ کے لفظی الٹ پھیر میں اگر معاہدے کی زیادہ پابندی

نکر گزرے۔ اس امتحان کی خاطر اُس نے گورنر جنرل تک یہ بات پہنچا دی کہ جس عہد نامہ کی رو سے کمپنی نے مشرقی اضلاع کی دیوانی سلطنت مغلیہ سے حاصل کی ہے اُس کی رو سے جس سالانہ خراج کی ادائیگی کا وعدہ کیا گیا ہے اُس کی ادائیگی کی تحریک کرنے پر بادشاہ سلامت غور فرما رہے ہیں۔ یہ خراج کچھ زمانے سے ادا نہیں کیا جا رہا ہے اسلئے شاید بہت جلد اُس کی غور و دست پڑ جائے کہ بقایا کا مطالبہ کر کے آئندہ کی ادائیگی کی ضمانت بھی مانگی جائے پڑے۔

آئندہ کی کارروائیوں کا اس طرح ایک خاکہ تیار کرنے کے ساتھ ہی سندھیا اُن وسائل کو بہترین مصروفیت میں لانے سے بھی غافل نہیں رہا جو اُس کے پاس موجود تھے کسی جگہ ایک یورپین افسر کا تذکرہ کیا جا چکا ہے جس کو دو تو اعداں پلٹنوں کا قائد بنا کر سندھیا نے بدلیکھنئی کچھ شوخیں فرو کرنے کو بھیجا تھا۔ چونکہ ایم ڈی ہائن کا حال آئندہ سندھیا کے بہترین و قابل ترین ملازم کی حیثیت سے بیان کیا جائیگا اس لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر آقا و ملازم کے تعلقات کی اصلیت کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔ تفصیل کے لئے وہ اصلی ذریعہ معلومات موجود ہے جو خود سپہ سالار مذکور نے کیتان گرانٹ ڈن کو ہم پہنچایا تھا:

۱۸۵۷ء میں حسب قرار داد معاہدہ سالبائی سندھیا کو الیار اور گوبہر کے بعض اقطاع پر قبضہ کرنے میں مصروف تھا اور ان کارروائیوں کے سلسلے میں قلعہ گوبہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھا جو اُس جاٹ سردار کے قبضے میں تھا جس کی نسل راجہ دھولپور پر حکمراں ہے۔ دوران محاصرہ میں اسے بہہ اطلاعاتیں سمجھیں کہ اُس کا دشمن محاصرہ اٹھوا دینے کی تدابیر میں مصروف ہے۔ جن میں اُس کو ایک یورپین سیاح نے امداد دینے کا وعدہ کیا ہے جو راجائے موصوف کے توپ ڈھانے کے کارخانے کے مہتمم مسٹر گنر کا دوست ہے۔ اور اُس سے خط و کتابت رکھتا رہا ہے۔ سندھیا نے ان تدابیر کی عملداری کو محسوس کیا اور یہ چہ چلا لیا کہ وہ سیاح جس کے دماغ سے یہ تدابیر نکلی ہیں ایم ڈی ہائن ہے۔ اُس نے یہ بھی دریافت کر لیا کہ یہ شخص دارن ہسٹنگز کے پاس سے کچھ سفارشی چٹھیاں لیکر آیا ہے جن کی مدد سے وہ راجہ جیپور کے ہاں ملازمت حاصل کرنی چاہتا ہے۔ سندھیا نے فوراً دارن ہسٹنگز سے دستاویز شکایت کی اور شکایت نامہ کے ساتھ ہی ایم ڈی ہائن کا بھی

صفحہ ۱۰۸

ایک خطدار ہرٹینگز کے پاس پہنچا جس میں ایم ڈی بائٹن نے راجہ صیور کی پیش کی ہوئی ملازمت کو منظور کر لینے کی اجازت چاہی تھی۔ سندھیا کے ساتھ چیدگیوں سے احتراز کرنے کی خاطر سے گورنر جنرل نے ایم ڈی بائٹن کو تکلیف طلب کرنے کا خط لکھا تاکہ صورت معاملات پر بالمشافہ گفتگو کی جاسکے۔ اس طلبی کی تعمیل ایم ڈی بائٹن نے ضروری سمجھی اور تکلیف سے واپسی پر بجائے راجہ جے پور کے سندھیا کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ گورنر جنرل نے اس پتہ پر کہ وہ سندھیا کی ملازمت اختیار کر لے پسند کر لیا تھا۔ چنانچہ ڈی بائٹن خود اس کے ساتھ ہی لکھنؤ تک آیا۔

اس سوئے میں سندھیا کو بہت ہی فائدہ ہوا کیونکہ یہ کہنا بالکل مبالغہ سے خالی ہے کہ اکیلا ایم ڈی بائٹن سندھیا کے پچاس ہزار ملازموں کے برابر تھا۔ سب سے پہلے ایم ڈی بائٹن شاہ فرانس کے آرٹھر، یونیورسٹی لارڈ وکیل کی ماتحتی میں رہا اور اسی آئین فوج میں اُس نے فن حرب کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد وہ کھنن ملکہ روس کی فوج میں داخل ہو کر بحیرہ قلمز کے مشرقی حصے میں ترکوں کے خلاف مصروف پیکار رہا۔ اسی عرصے میں قید ہو کر وہ بحیثیت غلام کے قسطنطنیہ میں فروخت کر دیا گیا مگر کسی نہ کسی ترکیب سے وہاں سے نکل بھاگا اور خشکی کے راستے سے ہندوستان پہنچا اور اپنے ساتھ لارڈ میکارٹن گورنر مدراس کے نام کی سفارشی چٹھیاں لیکر آیا۔ یہاں اُس کو ملٹری مدراس پیدل ملٹن میں انیسری مل گئی اور تیس وقت کہ یہ ملٹن سبلی کی خبر میت کے موقع پر تباہ ہوئی ہے اُس وقت خوش قسمتی سے ایم ڈی بائٹن ایک دستے کے ساتھ ملحدہ بھیجا گیا تھا اس لئے وہ اُس اسیری یا ہلاکت سے بچ گیا جس سے اُس کے برادر افسروں کو سابقہ پڑا تھا۔ اس کے بعد ہی اُس نے اپنی خدمات سے سبکدوشی حاصل کر لی اور لارڈ میکارٹن کی سفارش ساتھ لیکر کلکتہ آگیا۔ اب تک وہ آدھی عمر گزار چکا تھا اور اپنی قابلیت و جوانمردی کے لائق اسے کوئی مستقل کام نہیں ملا تھا۔ مگر سیلاب زمانہ کے ساتھ ساتھ بہتا ہوا پتھر بھی اب ایسی جگہ پہنچتا ہوا نظر آ رہا تھا جہاں ٹھیکر اُس پر کائی جم جانوالی تھی۔ ایم ڈی بائٹن کی اصلی تجویز شمالی ہندوستان میں آنے سے یہ تھی کہ براہ ایران واپس جا اور اپنی پرانی مالکہ زارینہ کھنن کی خدمت میں وہ تمام معلومات کا ذخیرہ لیکر حاضر ہو جو وہ ہندوستان اور وسط ایشیا کے متعلق جمع کر سکے۔ یہ تجویز ایسی تھی کہ اگر اس پر عمل ہو جاتا تو

صفحہ ۱۰۹

بڑے بڑے اہم نتائج پیدا ہوئے۔ لیکن ٹینگر کی عنایتوں نے اور سندھیا کی مدارات نے پھر ایم ڈی بانن کو اپنی تجارتی رمل بدل دینے پر راغب کر دیا۔ سندھیا پر ایک تو گورنر جنرل کی سفارش کا اثر پڑا جس نے ایم ڈی بانن کی اطاعت شعاری کا نہایت مسرت و اطمینان کے الفاظ میں تذکرہ کیا تھا۔ دوسرے سندھیا کے دل میں اُس کی عزت اُس فن حرب کی قابلیت کی وجہ سے اور ٹینگر کی جو اُس نے کوہ کا خاصہ اٹھانے کی تدبیریں ایجاد کرنے میں ظاہر کی تھی۔ غرض یہ کہ ایم ڈی بانن ملازم رکھ لیا گیا اور اُس کو یہ اجازت دیدی گئی کہ اپنے مقابلے کے دوسرے مجتہد اپنے سنگسٹر کو بھی کھینچ کر سندھیا کی ملازمت میں بلائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سینٹلٹر کو تو سندھیا نے توپ ڈھانے کے کارخانے کا حتم کر دیا اور ایم ڈی بانن کے سپرد یہ کام ہوا کہ سومبر اور میڈاک کی پیدل پلٹنوں کے نمونے پر ایک چھوٹی سی سی فوج بھرتی اور تیار کرے۔

قریب قریب اسی زمانے میں سندھیا کو محمد بیگ کی مخالفت سے نجات ملنے کا بھی اطمینان ہو گیا جس کو قلعہ آگرہ سے بیدخل کرنے کی غرض سے افریاب اور سندھیا کی ملاقات آگرہ پر ہوئی تھی۔ افریاب اور سندھیا کی ملاقات کا اتمام ایسے ہولناک طریقہ پر ہو جانے کے بعد محمد بیگ کے ہمراہیوں نے آہستہ آہستہ یہ سمجھا شروع کیا کہ اب اختیارات قابلیتہ ہاتھوں میں آگئے ہیں چنانچہ قلعہ بند فوج رفتہ رفتہ ٹکھنی شروع ہو گئی یہاں تک کہ محمد بیگ کے لیے سوائے اس کے چارہ کار ہی نہیں رہا کہ اُس قلعہ کو حوالے کر دے جس کو وہ اب اپنے قبضے رکھ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ہر پانچ گھنٹہ کو قلعہ حوالہ کر دیا اور خود آکر سندھیا کی ملازمت اختیار کر لی۔ میرزا نجف کے کثیر مقبوضات میں سے اب لے دے کر صرف شہر کول محل قلعہ علی گڑھ کے رکھیا تھا جہاں افریاب کا خاندان اب تک اس امید پر قدم جمائے رہا کہ کچھ معقول شرائط پر معاملہ طے ہو جائیگا۔ ان امیدوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا نہیں پڑا کیونکہ سندھیا کی بھیجی ہوئی ایک فوج کے حوالے قلعہ علی گڑھ ہو گیا اور افریاب کے لواحقین کے لیے سندھیا نے معقول جاگیر کاٹ دی۔

ان تمام سہل الحصول کامیابیوں کے درمیان ایک ثبوت یہ مل گیا کہ برطانوی حکومت اگر نہایت ہی صلح جوئی پر آمادہ ہو تب بھی روپے کے معاملے میں

کسی قسم کا دباؤ برداشت نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کے کلکتہ گزٹ میں سندھ کے ذیل
داخلی اعلان شائع ہوا:

ہم مقبرہ جوالے سے ناظرین کو آگاہ کرتے ہیں کہ اس ماہ کی ساتویں تاریخ کو
گورنر جنرل کو شاہ عالم بادشاہ اور مہاراجہ سندھیا کے پاس سے
ضابطہ کی دست برداری بہ اقرار صالح اُن مطالبات کے متعلق وصول
ہو چکی ہے جو بنگال کے اگلے زمانے کے خراج کے متعلق کیئے گئے تھے۔
برطانیہ کی طرف سے مسٹرانڈرسن وکیل دربار سندھیا کو ہدایت کر دی گئی
تھی کہ وہ مہاراجہ سندھیا کو اطلاع دیدے کہ اُس کی مداخلت ایسے
مطالبات میں بلا واسطہ مداخلت سے تعبیر کی جائیگی اور
وکیل مذکور اُن مطالبات سے دست برداری کا مطالبہ کرے
جو انصاف اور پاس عزت کے خلاف پیش کیئے گئے تھے :-

یہ چند جملے اچھی طرح ظاہر کر سکتے ہیں موجودہ انگریزی کرب کے پیشمر و کس قدر استقلال سے کام کرتے
تھے چاہے وہ زمانہ ایسا ہی کیوں نہ ہو کہ اُن کے پاس مبارزین و آلات حرب کی بالکل
مکمل کمی ہو۔ اور خود جارحانہ کارروائی کرنے سے حکومت انگلستان کے سخت تائیدی احکام
اُن کو مانع ہوں۔ اسی گزٹ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹرانڈرسن نے اپنی گورنمنٹ کے
منشا کا اندازہ پہلے ہی سے کر لیا تھا چنانچہ ایک موقع پر جو چند الفاظ شکایت آمیز اُس نے
کہے وہ اسی منشا، گورنمنٹ کی بنیاد پر کہے تھے۔ اس شکایت کی ضرورت یوں لاحق ہوئی تھی
ایک شاہی دربار میں جو یکبر بادشاہ کی خدمت پر دہلی میں منعقد ہوا تھا کوئی خاص بابا
کہی گئی جو سندھیا نے خود تو نہیں کہی تھی لیکن اُس کے اشارہ اور منظوری سے کہی گئی تھی لیکن
اُس کو سندھیا کی صلح جوئی اور معاملہ نہی سمجھنا چاہیے کہ اُس نے فوراً اس معاملے میں مداخلت
کر لیا اور وہ مداخلت ایسے تھے جو قبول کلکتہ گزٹ کے برطانیہ کا اتحاد مرثوں کے ساتھ
استوار کرنے والے اور ہندوستان کے امن عامہ کو مدہ دینے والے تھے :-

منفیہ ۱۱۱

ہندوستانیوں میں سندھیا کو پیل ہی کے نام سے پکارا جاتا تھا اور یہ پیل
اب شمالی ہندوستان میں مختار کل بنا ہوا تھا۔ آپس میں انفاق رکھنے والے سب مغل سردار
اس وقت گردنیں جھکائے ہوئے تھے اور شاہ جہاں کے لال قلعے میں

بادشاہ سلامت کی حفاظت کے لئے سندھیا کی طرف سے ایک مقامی فوج تعین کر دی گئی تھی مگر جہاں پہاڑ لے آگئے تھے تھے فوجی کارروائیوں کے لئے اس مقام پر خود بھی میدان جنگ کی سرپرستی فرمائی تھی اس کے بعد جہاں پہاڑ ہنسٹ فرمائے دارا کو مست ہو گئے تھے اور پٹیل وزیر مختر اچلا گیا تھا کہ چونکہ ہندوؤں کے اس مقدس مقام کو اُس نے اپنا خاص یا تہ بنایا تھا کہ

جو واقعات کہ اس وقت پٹیل کے عروج مناصب اور اُس کے لئے مقبوضات کے امن کے مددگار تھے اُن میں سے ایک واقعہ تھو جی بلکر کا بھی راہ راست پر رہنا تھا مہاراجا بلکر کی وفات کے بعد سے جو واقعات پیش آتے رہے تھے اُن سب کے دوران میں تھو جی کی فوجیں اعدادی و اخلاقی حیثیت سے سندھیا سے اس درجہ کم تھیں کہ انہوں نے اپنی کستری کو قبول کر لیا تھا اور فوجی اور سیاسی لحاظ سے مالوہ اور شمالی ہند میں سندھیا سے دوسرے صوبہ پر رہنے پر قانع ہو گئی تھیں ان دونوں میں کوئی خاصیت نہیں تھی لیکن یہ فقدان فیاضیت حقیقتہً اس لئے تھا کہ بلکر کی پیام نہ صرف دوسرے درجہ پر تھی بلکہ تھو جی بلکر خود بھی اپنے انکسار کو محسوس کرتا تھا بلکہ وہی بلکر بنات خود بہادر اور قابل اعتبار کارکن تھا اور اُن اچھے لوگوں میں سے تھا جن کی خوبی یہ ہوئی ہے کہ اکثر ایسے کاموں میں ہاتھ ڈالنے سے احتراز کرتے ہیں جن سے صرف اُن کے ذاتی نام و نود کے علاوہ اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا ہو جس وقت کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں اس وقت تھو جی بلکر ایسے بائی سکے ملازم کی حیثیت رکھتا تھا اور شیو سلطان خلع حید علی کے خلاف جنگی کارروائیاں کرنے میں پونا دربار کے سپہ سالار کی حیثیت سے مصروف تھا ان محاربات کے اختتام کے بعد اُس نے چہر اپنی اطاعت شہنشاہ روشن کے مطابق اپنے آقا نادے کی بیوہ کی خدمت میں حاضر رہنا شروع کر دیا۔ مگر یہاں اسے دفعہ اُس کا قیام مختصر ہوا کیونکہ پونا دربار سے اُس کی طبیعت کا بندوبست کرنے کے لئے ہوئی۔ یہ صوبہ عرصے سے نہایت بد امنی کی حالت میں تھا اور پیشوا نے آخر کار یہ طے کر لیا تھا کہ اس کو جی کسی جاگیر دار کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ گجرات اور مالوہ پر اس تجربہ سے متقول کامیابی ہو چکی تھی۔ جو سردار اس جاگیر کے مطا ہونے سکے۔ لئے جو تیریا گیا تھا وہ ایک مسلمان سی علی بہادر تھا جو متونی پیشوا کا بیٹا ایک مسلمان

نوا میں سے بطن سے تھما۔ علی بہادر خاں پہلے سندھیا کی فوج میں آفسر تھا لیکن بعد کو وہاں سے ہواگ کر چلا گیا تھا۔ اس وقت سندھیا نے سب معمول اپنی معاملہ بھی درو اور ہی سے کام لیکر علی بہادر خاں کے بلکہ گھنٹا میں نہیں بنائے جاسکے۔ کوئی اعتراض نہیں کیا اس بلکہ علی بہادر خاں نو بابر باندہ کے تمام ان سکوت کا مورست اعلیٰ جنگیابہد وہی نو بابر باندہ ہیں جن کے ایک۔ نو کو لارڈ کسٹنگ نے برطانیہ کی مخالفت کی وجہ سے معزول کر دیا تھا اور جن کا آخری حکمران شہنشاہ کے عہد میں ناقابل اطمینان رویہ اختیار کر کے بادشاہ سے معزول کیا گیا تھا۔

صفحہ ۱۱۰

اس خدمت اور اسی قبیلہ کی دیگر فداہت کے صلہ میں بلکہ کو بھی اس تجارتی راستہ سے کے متنازع سے جو مرہٹہ بادشاہ نے تمام کئی چھوٹے دیگیا اور جو عادی اس جیسے کے حلقہ بلکہ کو پیدا ہو گئے تھے اسی سے دو بیج بودیا جو بعد کو غلط فہمی جنگ بازی اور آخر کار تباہی کا پھیل لاکر ہاں پھر بھی یہ امر ضرور قابل غور ہے کہ اُس زمانے کے تمام سرداروں میں کوئی ایسا نہیں تھا جس کی قوت ایسی شہر جیسی حکمرانان کو الیاد و اندوز کی تھی۔

سندھیا کو سب سے پہلے یہ فکرتھی کہ اپنی جنوبی مالوہ کی جاگیروں سے سیدھا راستہ گواہاں ہوتا ہوا دہلی تک رکھا ہے۔ اس راستے میں ایک پہاڑی قلعہ راگھوگرھ پڑتا تھا جو اُس وقت بھی اس زمانے کی طرح چوہان راجپوتوں کے کچھ قبیلے کے قبضے میں تھا۔ سندھیا نے شہنشاہ میں اس قلعے کے سردار راجہ بلونت سنگھ سے محاصرت شروع کر دی تھی اور اب اُس نے اُس قبیلے کا عرصہ کرنے کے لیے ایک دستہ نمیبگ کی سرکردگی میں بھیجا جس کو وہ کسی کام پر لگا دینا چاہتا تھا۔

کچھ مختصر سا مال چوہان راجپوتوں کے کچھ قبیلے کا اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہ اس سے ہندوؤں کے ایک نہایت شریف خاندان کے ساتھ اُن مرہٹوں کے تعلقات و ارتباط کا حال معلوم ہو جائیگا جو خود بھی اگرچہ خاص امتیاز حاصل کر لینے والے ہندو تھے مگر اُن میں دیگر ہندو کی طرح اہل خاندان ہونے کی کوئی امتیازی شیوناست و علامات ایسی نہیں جن سے اُن کے طبقہ کو دوسرے مالی خاندان ہندوؤں کے مقابلے میں تیز کیا جاسکے۔ راگھوگرھ کا کچھ قبیلہ بھی چوہان راجپوتوں کا ایک شعبہ تھا۔

صفحہ ۱۱۱

جس طرح کہ اودھ پور کا حکمران خاندان سیسویا تھا۔ اور یہ دونوں قبیلے اپنی قوم کے سردار بننے میں اور اپنی نسلوں کو ذرہ بذر نہ بگڑنے دینے میں ایک دوسرے پر جھڑپت سے سبقت لیا کرتے اور فوقیت رکھنے کے مدعی تھے۔ راگھو گرھ اور اودھ پور کے دونوں قبیلوں کو اُس پر ناز تھا کہ انھوں نے راجگان جیو رو جو دھپور کی بھی اس معاملے میں تقلید نہیں کی کہ مغل شہزادوں کو اپنی بیٹیاں دی ہوں بلکہ اس معاملے میں انھوں نے سلطنت مغلیہ کی طرف سے ہر قسم کی سختیاں اور اذیتیں برداشت کیں مگر اس منگ کو سرگزوار نہیں کیا۔ ان دونوں میں اودھ پور زیادہ طاقتور اور عموماً ہر معاملے میں پیش قدمی کرتا مگر راجہ بلونت سنگھ کے بیٹے اور جانشین نے بھی بعد کے زمانے میں جو ایک سرحدی برطانوی حکام کو سندھیا کے خلاف اتحاد کرنے کی تجویز سے متعلق لکھا تھا اس میں اُس نے اپنے تئیں سب راجپوتوں کا اہل سردار اور موروثی سردار و پت یعنی ہنود کا راجہ ظاہر کیا تھا۔ یہ دعویٰ غالباً راجپوت بھائوں کے اس عقیدے پر مبنی تھا کہ راگھو گرھ کے کبھی راجپوت اپنا اسلسلہ نسب پر تھی راج عرف نامے چھوڑے۔ لہٰذا ہے جس کے کارنامے شہرہ کی شہرہ آفاق نظم کا مضمون ہیں اور جس کے اتحاد کلمات اب بھی پُرانی دہلی میں قطب بھار کے قریب نظر آتے ہیں۔ اٹھارھویں صدی کے وسط میں جبکہ مرہٹے ملحقہ حاکموں پر قبضہ کئے ہوئے تھے اس خاندان کا مفرد سردار کم سے کم تیرہ راجپوت سرداروں کے مجموعی حلوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ مگر اس تمام گردہ پردہ غالب آگیا اور اس واقعے سے پیشہ ابالاجی باجے راؤ کے دل میں اُس کی وقعت و عظمت ایسی ٹھکانی کہ مرہٹوں کی جبر داری کرنے کے لئے اُس کا اتحاد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ چونکہ راجہ راگھو گرھ کے پاس اپنے راجپوت ہمسایوں کے ساتھ تعلقات استارتباط قائم رکھنے کے بہت کم وجوہ باقی رہ گئے تھے اس لئے اُس نے مرہٹوں سے کہہ اس تحفہ حودات کو قبول کر لیا اور پھر اور سندھیا خاندانوں کا ترم و ہر مقدم ہر معاملے میں اُس زمانے میں بنار یا جبکہ یہ دونوں قبیلے مانو۔ میں اگر بے لختے۔ اس راجہ کا منہ اس سے انتقال ہوا اور یہ اپنے بیٹے اور جانشین بلونت سنگھ کو نہایت مہر و مال اور زر و ہمت سے نفع دے کر مراد۔ یہی وہ بلونت سنگھ تھا جس کے خاندان اُس زمانے میں نہایت بگڑا ہوا۔ اُس کی بیقاعدہ فوج سے کام لے رہا تھا۔ پہلی ہی فتح پر نہایت بہت سے ملحقہ

راجہ بلو شستہ ننگ پر بھی قبضہ پایا تھا مگر اُس راجہ کے ایک وفادار باجگذار سردار شیر سنگھ نے ایک خاص تدبیر سے اپنے آقا کو راکر لیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بغیر اعلان جنگ کیے ہوئے اور بغیر ایک سپاہی بھی سندھیا کے علاقے میں آتا رہے ہوئے شیر سنگھ نے سندھیا کو راکھو گڑھ سے چھینے ہوئے قبوضات کے تمام فوائد سے ایک دم میں محروم کر دیا۔ کیونکہ اُس نے کچی دائرہ یعنی ریاست راکھو گڑھ کے تمام کاشتکاروں کے پاس انعام بیج دیئے کہ اپنی کھیتیاں بن جتنی چھوڑ کر سب کے سب بھوپال کے متصلہ علاقے میں جائیں جہاں اُس نے اُن کی حفاظت اور اُن کے لئے ضروری سامان کا انتظام بھوپال کے وزیر اعظم کے ذریعے سے طے کر لیا تھا۔ بہہ وزیر ایک مسلمان تھا جس کا نام پیتا خاں تھا اور بہہ امر ضرور قابل لحاظ ہے کہ اس مسلمان نے کچی راجپوتوں کی طرف از ہی ایسے دشمن کے مقابلے میں کچی کے بہہ جنگی کارروائی کرنے کے اختیارات تمام اسلام کی طرف سے عطا شدہ سمجھے جا رہے تھے اور ساتھ ہی اُس کے سندھیا کے بہہ وزیر کی اس حرکت سے بلا کسی سزا دی کے ارادے سے درگزر کر لیا۔ لیکن سندھیا کی اس کینجراچی اور درگزر کا اولیٰ اول کچھ اچھا بدلہ اُس کو نہیں ملا۔ شیر سنگھ نے اگرچہ بظاہر تو سندھیا سے جنگ شروع نہ کی لیکن بیدیع ظلم و ستم اُن مرہٹہ راجپوتوں پر توڑنے شروع کیئے جو اُس کے ہاتھ بڑگئے کیونکہ وہ بہہ کہتا تھا کہ انہی لوگوں کے مشورے سے سندھیا طے بہہ آباد ہو رہا تھا اس لئے میں انہیں اچھی طرح سے بہہ سبق پڑھاؤں گا کہ کسی راجپوت ریاست پر ہاتھ ڈالنا کیسا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہی ایک ایسا خوشگوار واقعہ پیش آیا جس سے ایک طرف توجہ مانوں کی عالی خوشگلی و جو اندری کا پورا ثبوت ملتا ہے دوسری طرف امداد صوبی کی مراد گلی پسند طرخت بلیمت کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ایسا ہوا کہ سندھیا کی بیوی مدہ دیگر مرہٹہ سرداروں کے اہل و عیال کے پونا سے تھرا آ رہی تھی اور اُس کے متعلق بڑی تشویش پیدا ہوئی کہ اگر شیر سنگھ اس جماعت کو گمیر کر اسے میں گرفتار کر لے تو کیا ہوگا اس لئے سندھیا نے چیتا خاں و دیوان بھوپال کو لکھا اور چیتا خاں کی سفارش پر شیر سنگھ نے ان مسافروں کو کچی وارے سے بڑے احترام و آرام کے ساتھ گزر جانے دیا اور سندھیا نے اس انسانیت پر ایک نہایت معقول تحریر کے ذریعے سے اظہارِ منونیت کیا۔ اس کے کچھ مہینے بعد باجگان چیمپور و جو دھپور سے سندھیا کا صلنا ملے ہو گیا اور ان راجاؤں کی

سفارش پر بلونت سنگھ کی بھی رہائی کا حکم دیدیا گیا۔ لیکن سندھیا کے سپہ سالار مالوہ
سسی آنبا جی انگلیا نے بلونت سنگھ کے زرافندیہ کے متعلق زبردستی کا ایک جھگڑا نکال کھڑا
کیا اور قلعہ راگھوگرھ کی واگراشت سے انکار کر دیا۔ چنانچہ بلونت سنگھ زور و زور سے
مخردم ہو کر جیپور آ بیٹھا اور یہیں مر گیا اُس کے بعد اُس کا بیٹا بہ سنگھ جانشین ہوا جو بڑا
من جلاگر و جرم نوجوان تھا۔

پہلی وارہ کی بقیہ داستان سے سندھیا کی زندگی کا کوئی تعلق نہیں مایسا معلوم
ہوتا ہے کہ پچھلیت سندھیا کے قائم مقام کے اُس کے سپہ سالار آنبا جی انگلیا نے
راگھوگرھ کے معاملے میں جو جھگڑا نکالا تھا اس سے اُس کو باز رکھنے کی جرات سندھیا
نے نہیں کی۔ نہ ہم کو اس موقع پر اس بحث کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ آنبا جی کا یہ
فعل کہاں تک جائز یا ناجائز تھا۔ بہر حال اس حرکت نے جے سنگھ کو بہت برا فرقہ کیا
جو اپنے باپ سے زیادہ جوش و خروش رکھتا تھا لیکن وہ اپنے اس جوش و خروش کو
بعض اتفاقات ایسی برہمی کے طریقے سے ظاہر کرتا تھا کہ اُس پر تنویر عقل کا کمان ہونے لگتا
تھا۔ اس فحاصت میں جے سنگھ کو درجن لال نے دل و جان سے امداد دی جو کہ سندھیا
کے دربار میں راہِ بلونت سنگھ کا وکیل تھا۔ اور ان فحاصتوں کا سلسلہ سندھیا کی وفات
کے عرصہ بعد تک جاری رہا۔

جس زمانے میں کہ محمد بیگ کی سرکردگی میں راگھوگرھ پر ہم بھیجی گئی ہے اسی
زمانے میں اپنے اقتدار کو زیادہ مستحکم کر نیکیے لیے سندھیا نے میرزا جو اس تخت و سیمین سلطنت کو
کھنوسہ دہلی دہلی کی دعوت دی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ احمد شاہ ابدالی نے کھنوسہ میں
عارضی حکومت قائم کر تہ وقت اس سمجھدار اور نیک طینت شہزادے کو صدر حکومت
بنادیا تھا۔ اس زمانے کے بعد سے اس شہزادے کو بہت سی گڑبڑیں دھنی ہوئیں۔ اور
افریاب کے عہد وزارت میں وہ کسی طرح اپنی جان لیکر محل شاہی سے نکل گیا اور
اختتام ماہ اپریل ۱۸۵۷ء میں کسی نہ کسی طرح کھنوسہ پہنچا۔ یہاں اُس نے دارن پشیمنگز کے
ساتھ ملاقات کی جس کو اس لائق شہزادے کی مصیبتوں کے ساتھ بڑی ہمدردی پیدا ہوئی
اور اس کا چار لاکھ سالانہ وظیفہ مقرر کر کے بڑے زور کے ساتھ بہہ مشورہ دیا کہ
اپنے تئیں سندھیا کی حمایت میں دیدے۔

لیکن مشائے میں وارن ہیکز ہندوستان سے چلا گیا تھا اور اس کی جگہ
 لارڈ کارنوالس نے نیپال کا نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور یہ اختیارات
 اس کو حاصل ہو گئے تھے کہ اگر اس کی کونسل کسی اہم معاملے میں اس کی مخالفت بھی
 کرے تو یہی وہ اپنی ذمہ داری پر اس کی تجویز کو مسترد کر کے اپنی رائے اُن کو منوا دے
 اور یہ بتایا جاتا ہے کہ اس نے یہی میں کہ خواہ کچھ ہی صرف ہو جائے مگر صلح جوں کا پابند رہے
 اس صلح جوں کے اصول کے طریقے پر نئے کے معاملے میں بعض کارکنان حکومت میں
 سلطانہ اختلاف آرا ہو رہا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہزادہ جواں نخت کو بلا وجہ سندھیا کی
 نیت پر کچھ بدظنی ہو گئی اس لیے اُس نے اُس کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور
 جواؤن نے کہ اگر زولہ کو دلی ملتا رہے تو وہ بھی یا تو سنی نہ لیں یا ان سنی کر دی گئیں۔
 شاید یہ وجہ ہوئی ہو کہ حیدر علی اور اس کے بیٹے کی حال ہی کی کامیابیوں نے اور
 دور دور زمانہ میں پورنجی سنگھ کی جو کثیر اثر اجات ہوتے تھے اور راستے میں
 انجا سم خیر جوں سے مدھیہ ہو جانے کے جو خطرات تھے اُن سب نے کارنوالس کو
 ڈرا رہا تھا جو کہ فن حرب کے فلسفیانہ اصول پر نئے کا عادی تھا اور حرب و یکا میں
 بہت کم ہر سال اس کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ میجر پامر ریڈنٹ لکھنؤ نے اس معاملے
 میں ایک آواز سنائی سے قائم کیا تھا۔ یہ مشائے میں لکھ چکا تھا کہ شاہ عالم ضعیف
 اور معذور ہو چکا تھا اور کبھی کے اغراض اب ولیعہد کے اغراض کے ساتھ
 وابستہ ہیں۔ جب تک کہ ولیعہد برطانیہ کے زیر اثر رہیگا اُس وقت تک سندھیا کا
 قبضہ کا دست ختم نہیں رہیگا اور جب تک کہ مملکت ریچکا تب تک ایک خطرہ عظیم
 سر سے ٹھارہ رہیگا۔ اگر شاہ نے میں لارڈ کارنوالس نے انعام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا
 اور اوودہ کی یہ اجات پر کچھ عرصہ زور دینے کے بعد اس گورنر جنرل کی تائید توجہ
 صرف دکن پر مرکوز ہو کر رہی۔ لارڈ کارنوالس نے ہی سمجھ لیا تھا کہ جہاں تک
 ہندوستان کا تعلق ہے مجھ کے چہرے کا نہ چھیڑنا ہی اچھا ہے۔ چنانچہ ۸ مارچ ۱۸۱۷ء
 کے حکمت گزٹ نے لکھا تھا کہ بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ ہندو قوت کا مقابلہ
 کرنے کے لیے مغلیہ قوت کو زور دینا یا جائے۔ لیکن یہ غلط اصول عمل ہے کیونکہ اس
 سے بلا وجہ ہم بار خاطر ہو جائیں گے اور گویا اپنی جان کو ایک زوال پذیر سلطنت کے

لیجے ہوئے اغراض کے ساتھ الجھا دینگے کہ
غرض یہ ہے کہ وہ چند نکات پر مبنی ہیں، پہلا اور اہم ترین اس پر قانع رہتا ہے کہ کنگال و غیرہ کا خراج
دینے سے بچے نہیں اور یہ وہ جگہ ہے جہاں کوہ پانچ پانچ اور کنگال کے پھٹنے سے رہنے دیا جائے اس
حالت میں کنگال کو اپنے تازہ حالت میں دیکھ کر آدمی نے عجیبے عجیبے طریقے پر ہاتھ پاؤں مارنا کا موسم
مل گیا چنانچہ اس نے یہ کام نہایت ہی جلدی سے کیا کہ اس کی جلدی شروع کر دی تھی کہ اسے ثابت سے مل گیا
ماتحتاری دو لوگ ہجوم کرتے ہوئے تھے، یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنے اس کو کیسے دوہرے ہوئے
جاگیر دار پر، بیٹھے تھے، مسافری کی حالت میں وہ طریقہ بہت مناسب ہے، اس طرح سے وہ سنا
الوں میں سے کہ اس چھوٹی سی کتاب میں اس کی تفصیل کی تلاش نہیں ہے، لیکن
یہاں صرف یہ ہے کہ اور ایسا کہ طریقہ کا فرق بیان کر دیا گئی ہو گا۔ یورپ میں
دوسری صدی عیسوی کے دوران میں اسی کی تقسیم ہوئی، ہزاروں کے درمیان عمل
میں آگئی جس کو نیو ڈلسم کہا جاتا ہے اور اس طرح سے کہ رواج پانے سے پہلے وہ
طریقہ نسخہ نو کیا ہے اور اس میں سٹمپ ہے۔ تھے اور جس کی رو سے خود کا شکار زمین کے
آزاد مالک سے جیسے جیسے تھے، مگر ہم نیو ڈلسم کے نام سے ہونے سے بڑی بڑی جاگیریں
معرض دو دیر آگئیں جو بعض قیود و پابندی کے تحت اسے ملک میں باپ کے درمیان
بڑے بیٹے کو مل جاتا کرتی تھیں اور اس طرح جاگیر داری کے اس قانون کی بنیاد پر آگئی
جواب تک یورپ میں رائج ہے۔ برخلاف اس کے ہندوستان میں اور بہت سے
دوسرے ممالک مشرق میں اراضی کا نسبت یورپ کے کانوں کے نام سے یا چنانچہ کے
کمیا کی طرف سے کہ جاتی ہے جس کی شرح یہ ہے کہ فاضل پیداوار سرکاری خزانے
میں داخل کر دی جائے کہ۔ وصول تفصیل کا کام مختلف طریقوں پر کیا جاتا ہے۔ ہر ملک
ہر موضع کی تفصیل بہت متوری ہوئی ہے اس لیے ہر ملک کے اپنے آدمی اس میں
ہوتی تھی کہ چند مواضع اس کو ایک جگہ میں جمع کر دیا جاتا تھا۔ اور اس علاقے کا اندازہ
کسی زمیندار سے حوالہ کر دیا جاتا تھا جو بولی بول کر اس تمام علاقے کو اجارہ پر لے لیتا تھا
اور مستاجر کہلاتا تھا یا کسی ٹھکانیدار کے حوالے کر دیا جاتا تھا جس کو کل پیداوار کا ایک
معینہ حصہ سرکار میں داخل کرنا ہوتا تھا۔ یہ ادائیگی غلہ یا زر نقد یا فوجی خدمت کی صورت
میں حسب قرار داد ہوتی رہتی تھی۔ اس حد تک دونوں طریقوں کے طریقوں میں کچھ بہت زیادہ

فرق نہیں نظر آتا سو اُسے اس کے کہ ہندوستان میں اہل موافق اپنی ہستی کے اور اپنے قدیمی حقوق کے قائم رکھنے میں اس درجہ غلو سے کام لیتے ہیں کہ کبھی کسی مستاجر یا ٹھکاندار کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ اپنے کاشتکاروں کو محض اپنی مرضی کے مطابق سب چاہے رکھے جب چاہے نکال پائے کرے۔ لیکن یہ بھی کوئی بہت بڑا فرق نہیں ہے۔ اگر مستاجریاں یا ٹھکانے بھی موروثی ہونے لگتے تو کاشتکاروں کے حقوق کا بخانا بلکہ خود انصاف ہی آخر میں فنا ہو جاتے جیسا کہ بندہ دست استمراری کے بعد بنگال میں ہو گیا جہاں کہ خود مستاجر ہی قابض اراضی ہو گئے۔ جس اتفاق سے کسی مستاجر کے لئے یہ ہے کہ وہ موروثی بنو کیونکہ اُس کی اصلیت ہی یہ ہے کہ ایک میعاد معینہ کے لئے اجارہ بدریغہ نظام کے فروخت کر دیا جائے۔ رہے ٹھکانے اُن میں اللہ اکثر ایسا ہو سکتا ہے کہ ٹھکاندار کے مرجانے پر اُس کا وارث اُن کو دوبار بیٹھا ہے۔ یا اگر کبھی حکومت بہت کمزور نہ ہوئی تو اس وارث سے ایک رقم بطور جرمانہ کسے وصول کر کے ٹھکانہ اُسی کے قبضے میں رہنے دیا جاتا ہے اور اُس سے اُسے بدل نہیں کیا جاتا۔ لیکن عام طبقات رعایا کی خوش قسمتی سے یہ طریقہ اصول حکمرانی کے لئے بھی اور عام رعایا کے مفاد کے لئے بھی مضر سمجھا جاتا رہا ہے۔ اسلامی سیاست معاً اس کی مخالف ہے کہ جاگیر است بطور وراثت کے ملا کریں جس سے کوئی جاگیرداروں یا خاندانیوں کا علیحدہ طبقہ پیدا ہو جائے۔ چنانچہ سلطنت مغلیہ کے عروج کے زمانے میں کسی ٹھکاندار کی جاگیر کو اُس کی تنخواہ یا وظیفہ کا بدل سمجھا جاتا تھا جو محض حین حیات تک جاری رہتی تھی اور اُسکی موت پر فوراً ضبط کر لی جاتی تھی۔

یہ معاہدہ شہرہ آفاق طریقہ جاگیر داری جس کا تاریخ ہند میں اس کثرت سے تذکرہ آتا ہے۔ اور اس قسم کی جاگیروں کی برتال کرنے کا اب سندھیانے حکم دیا تھا۔

مثلاً ریاست جے پور میں جب ٹھکاندار مر جاتا ہے تو کبھی اُس کے جلی یا بیٹی وارث کو ٹھکانے سے بیفیل نہیں کیا جاتا بلکہ اُس سے ایک رقم وصول کر لی جاتی ہے جسے یہاں کی اصطلاح میں ماتمی کہتے ہیں۔ مزید یہ ہے کہ اس رقم کو بھی ماتمی کہتے ہیں جس کے ذریعے سے گویا ریاست اُس وارث کا حق اُس ٹھکانے پر تسلیم کرتی ہے۔ مگر جے پور میں تو اکثر ملازمتیں بھی درمے میں مل جاتی ہیں۔ ۱۲۰ سترجم

اُس کو یہ امید تھی کہ جہاں کہیں سندھ کوک یا نا جائز ہوگی اور معطلی بھی اس قدر ضرور ہوگا کہ سلطنت کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہوگا وہاں تمام آمدنی ضبط کر کے سلطنت کے کام میں لائی جائیگی۔ یہ کارروائی بالکل منابطہ کے موافق تھی۔ اس کے لیے کسی سیاسی توجیہ کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اگر یہ پوچھا جائے کہ یہ موقع اور مصلحت کے مطابق بھی تھی یا نہیں تو اس کا جواب صرف یہ دیا جاتا کہ متواتر کامیابیوں سے سندھیا کا دماغ چل گیا تھا۔ سندھیا کی اصل غرض یہ تھی کہ جاگیرداروں کے ٹھکانے کے سواروں کے بدلے کمپنی کی سپاہ کی طرح ایک باقاعدہ فوج مرتب کر لی جائے اور جاگیردارت کی مضبوطی کے یہی منہ تھے کہ غاصب جاگیرداروں کے ٹھکانوں کی فرضی یا اصلی مگر کمزور جمیعتوں کے عوض ایک تنخواہ دار قواعداں مقامی سپاہ تیار کر لی جائے۔ لیکن شیل کو ان جاگیرداروں کی ہمت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اُس طبقے کا بھلا اسی میں تھا کہ اس تغیر کی مخالفت کریں۔ چنانچہ جاگیرداروں نے مقاومت کی تیاریاں شروع کر دیں اور فیمبیک نے اُنکی پشت گری کی کیونکہ وہ بھی اسی طبقے کا ایک سربراہ اور دھڑکن تھا۔ اور اس وقت اگھوگرہ کے قلعے کے تسخیر کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر بجائے والیہ، جعفر مونہ کے دہلی کے علاقے میں ٹھہرا ہوا تھا۔

باقاعدہ فوج بھی اس اثنائیں ترتیب پاتی رہی۔ علاوہ ایم ڈی باؤن۔ دوسرے تجربہ کار افسر بھی سندھیا کے دل میں جگہ پاتے جا رہے تھے جن میں بہترین انباجی انگلیامرٹھ اور اناخال مشتی سندھیا کے جان نثار یہ دونوں تھے۔ ان فوجوں اور افسروں کے بھروسے پر سندھیا نے فیمبیک کو کچی داڑھ کے نئے مقبوضے سے طلب کیا اور اُس کو ٹھکانے کے سواروں کی برخاستگی کا حکم دیا۔ فیمبیک اس حکم کی تعمیل کو ٹال گیا۔ ہمت بہادر پندلیکھنڈ کے ایک جاگیردار نے سبب دینے سے انکار کر دیا اور بغاوت کر دی۔ راجپوت سردار ظلیہ راگھوگرہ سے جرأت پا کر باغیوں کے اتحاد میں شریک ہو گئے اور تمام وسط ہند میں آگ کے شعلے بھڑکتے نظر آنے لگے۔ وصول تفصیل کی کارروائی اکثر جگہ بند ہو گئی اور سندھیا کا ارتباط مالوہ اور دکن کے ساتھ قطع ہو گیا۔ جیپور کے راج پرتاب سنگھ نے جو دھپور کے مہاراجہ بجے سنگھ سے امداد طلب کی جو بڑی آمادگی کے ساتھ دی گئی۔ اور اس اتحاد میں ملنے اور

اور دورے چھٹ بجتے بھی تھوڑے عرصے میں شریک ہو گئے۔ بالکل اچانک اور بغیر اپنی نوج کی ترتیب کو مکمل کئے ہوئے سندھیا نے اپنے اقتدار حکومت کے مقابلے کے لیے ایک لاکھ سوار و پیدل کی جرار سپاہ کو تیار پایا جن کے ساتھ چار سو ضرب توپیں بھی تھیں۔ اس سپاہ کے مقابلے میں سندھیا کو آئنا جی انگلیا اور رانا خاں کی باقاعدہ فوجیں ایم ڈی ہائن کا چھوٹا سا نیا دستہ اور سلطنت مغلیہ کے رسالے اور قواعد داں پلٹنیں جن کی قیادت محمد بیگ جیسے مشتبہ قائد کے سپرد تھی لانی پڑیں۔ محمد بیگ کا مددگار اُسی کا بھتیجا آٹھیل بیگ تھا جو تارکان وطن نعل سرداروں کا آخری فرد تھا۔ یہ شخص میدان کارزار میں کبھی ہمت نہیں ہارتا تھا اور گرگراں رسالوں کی قیادت بڑی شان سے کرتا تھا مگر اصول جنگ اور موقع شناسی سے بالکل نا بلد تھا۔

یہ وہ سندھیا کے خلاف اُس غلطی کی وجہ سے پیدا ہوا غلطی وہ مصلحت وقت کے سمجھنے میں اپنی کامیابی کے وقت اکثر کر بیٹھتا تھا اور جس سے ناکامی کے وقت محسوس رہتا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اُس نے اپنے ہم قبیلہ ایک سردار راجا جی سندھیا کو مطالبہ خراج کے لیے جے پور کی دیواروں تلے بھیجا۔ اور جس وقت کہ راجہ نے تذکرہ صدر اتحاد کے بل پر ادائیگی سے انکار کر دیا تو دنیا نے یہ دیکھ لیا کہ راجا جی میں اتنا ہوتا نہیں تھا کہ زبردستی وصول کر لیتا۔ دہلی کے مسلمان درباریوں نے اپنے کافر سردار کی اس ناکامی پر خوشیاں ظاہر کیں۔ یہاں تک کہ کمزور پورے بادشاہ نے بھی آثارِ فاصمت ظاہر کرنے شروع کر دیئے بلکہ اُس نے اپنے حمایتی کی خود سرانہ روش کی علانیہ نکالت شروع کر دی اور اُس پر یہ الزام لگایا کہ اُس کا برتاؤ خلاف ادب ہوتا ہے اور اخراجات شاہی کے لیے وہ رقم بھی کافی نہیں دیتا ہے جس وقت کہ سندھیا ہر طرف مصیبت ہی مصیبت دیکھ رہا تھا اور اپنے تمام وسائل کو کامیاب فوج کشی کے قابل نہیں پاتا تھا عین اُسی وقت

صفحہ ۱۲۳

لہ یہ خاص راجپوتانہ اور مالوہ کی اصطلاح ہے۔ چھٹ بجتے ہوئے جمع کا صیغہ ہی بولا جاتا ہے جو مختلف ہے چھوٹے بھائیوں کا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ریاستوں میں عموماً گدی کا مالک بڑا بھائی ہوتا تھا اور چھوٹے بھائیوں کو کچھ جاگیریں گزارہ کے لیے مل جایا کرتی تھیں۔ اور وہ اور ان کی اولادیں چھٹ بجتے ہی کہلاتے تھے۔ اب چھوٹے موٹے رئیسوں کو اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ ۱۲۰ مترجم

اُس کو یہ ناگہانی ضرورت آ پڑی کہ اپنی فوج کے دو بہترین دستوں کو آنا جی انگلیا کی سرکردگی میں اُن سکھوں کی مدافعت کے لیے بھیجے جو یکا یک دہلی کے شمالی اضلاع پر چڑھ آئے تھے۔ اس کے بعد اُس نے بقیہ فوج کو ساتھ لیکر بغیر انیس میدان سبھالا اور ناٹاں ایم ڈی باؤن۔ مگر بیگ اور اپا کھانڈی کی بدلیکھنڈ سے واپس آنی والی فوج کے ساتھ جے پور پر پیش قدمی کر دی۔ یہ فوج گویا شاہی فوج تھی اور یہہ علی بھی شاہانہ انداز کے ساتھ اس لیے اس کو زیادہ آسانی سے وہی خاص چالیں چل کر دشمن نے پریشان کیا جو بھی اورنگ زیب کے خلاف چلی گئی تھیں۔ دشمنوں نے پھل کر اُس کو گھیرے میں لے لیا۔ رسد رسانی کے یا پھر جانواے دستے گرفتار کر لیے گئے اور اس کی رسد میں کمی بڑتی چلی گئی۔ علاوہ براں یہ سپاہ یکدل بھی نہیں تھی اس لیے کسی اجتماعی کارروائی میں اُس پر بھروسہ بھی کم کیا جاسکتا تھا۔

جنگ لال

صفحہ ۱۲۱

اس حالت میں اتحادیوں نے اس کا مقابلہ جے پور سے چالیس میل جانب جنوب موضع لال سوٹ پر اور آخر میں ششٹہ میں کیا۔ محمد بیگ دشمنوں سے جا ملا اور اُس کے پیچھے ہی اسمیل بیگ مع غل رسالے اور بہت عمدہ میدانی اور بھاری توپوں کے چلتا بنا اس بے چارے کو مقابلے میں تین دن کی مہیب جنگ اور ہر مرتبہ شکست کھانے کے بعد اور اُن غارتگر ٹولیوں کی دستبرد سے پریشان ہو کر جو راتوں کو اُس پر چھاپے مارتی تھیں سندھیا نے سپاہی کا غم کیا۔

لیکن اگر اُس کو خوش اقبالی نے بہلا کر غلطیوں پر مائل کر دیا تھا تو اس وقت کی بد اقبالی پر اُس نے کسی پست ہمتی کا اظہار نہیں کیا۔ اُس نے نہایت ترتیب کے ساتھ سپاہی اختیار کی۔ پہلے اپنا گرنار سامان ایک زبردست پہرے کے ساتھ گوالیار بھیج دیا پھر اپنے تمام منتشر دستوں کو ایک جگہ جمع کیا اور آہستہ آہستہ اپنے حلیف علاقے بھر پور کی طرف ہٹنا شروع کیا۔ قلعہ ڈیگ پر پہنچ کر اُس نے جاٹ سردار کو یہ قلعہ دیکر راضی کر لیا جو کہ اس خاندان کا پرانا مقبوضہ بھی تھا۔ اور دو اسپہ پیام نانا فر نويس کے پاس پونا بھیجا کہ بہا ل شتر کی بات رکھنے کے لیے فوری کمک فوراً بھیج جائے۔ اس کے بعد اُس نے اپنے بھاری توپ خانے کو بھر پور کے ناقابلِ تسخیر قلعہ میں امانت رکھا اور کچھ کمک آگرے کی مقامی فوج کے لیے بھیجی جو اُس کے وفادار تریں سپہ سالار کو ادا کی مانتی میں وہاں قلعہ بند تھی۔

اس موقع پر جو مراسلہ سندھیا نے نانا فرانسس کو لکھا تھا اس کا ترجمہ گرانٹ ٹرن
جلد سوم صفحہ ۲۲ کی تاریخ میں موجود ہے اور اس کے ملاحظے سے واضح ہو سکتا ہے کہ ایسا
شخص جو اس وقت کسی طرف سے سہارا نہیں رکھتا ہو کس طرح اپنے ایک بھتیجے سے امداد
طلب کرتا ہے جس کی دوستی مشکوک سی ہے اور پھر یہ مسئلہ کسی طرح اپنی بات ایسی نہیں
ہونے دیتا۔ نانا فرانسس اس وقت کچھ تنگدلی پر آمادہ تھا اور اس نے بادل ناخواستہ سندھیا
کی استدعا کی تعمیل کی اور بڑی تاخیر و تعویق کے بعد وہ اس کمک کے بھیجنے پر راضی ہوا
اور وہ بھی بڑی ناگوار شرائط کے ساتھ البتہ بعد کو وہ اس معاملے میں زیادہ گرم نظر آنے لگا۔
راجپوتوں نے تو اپنی فتوحات کی سرودی نہیں کی مگر ایک تازہ مصیبت بہت جلد
نازل ہو گئی۔ ضابطہ خاں شاہ میں انتقال کر گیا اور اس کا بیٹا غلام قادر اسکا جانشین
ہوا جس کے ساتھ شاہ میں جو بدسلوکی کی گئی تھی اسکا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ غلام قادر خاں
اس وقت اپنے باپ کی جاگیر واقعہ دوا بہ کا وارث ہوا اور اس نے اپنے باپ
سے ورثے میں اس کی تمام شورش پسندی اور اس سے زائد مستعدی بھی بائی جو جوش انتقام
اس کے دل میں اور اپنی توت سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے جو حوصلے اسکی طبیعت
میں بھرے ہوئے تھے وہ سب ابھی تک سندھیا کا مادی اور اخلاقی زور بہت زیادہ
ہونے کی وجہ سے دبے ہوئے تھے۔ اب وہ وقت آگیا تھا جس کی اسے عرصے سے
تمنا تھی۔ جس وقت کہ سندھیا راجپوتوں کے ساتھ دست و گمبیاں ہو رہا تھا اس وقت
غلام قادر خاں کو یہہ اچھا موقع نظر آیا کہ اپنی فوج کو اسماعیل بیگ کی سپاہ کا شریک کر کے
آگرہ دہلی پر قبضہ کرے اور اپنی موروثی جاگیرات کے اور اسلامی اتحاد کے نام سے
ایک ضرب کاری لگائے۔ اس نے یہہ سوچ لیا تھا کہ بادشاہ کی ذات پر قبضہ کر کے
وہ اور اسماعیل بیگ دہلی غازی الدین دلی پرانی چال پھر سے چلینگے اور پھر ہندوستان پر
حکومت کر کے اپنی ذات اور اپنے مذہب کو فائدہ پہنچائینگے۔ چنانچہ اس وقت اسماعیل سے
اس نے نامہ و پیام شروع کیا جو اگرے کا محاصرہ کئے تھا اور اپنی شمالی جاگیرات سے
خروج کر کے دار الحکومت کے قریب وجوار کے علاقے کی تسخیر شروع کر دی۔
اس اثنا میں راجپوتوں نے اپنی کھلی کامیابیوں کے ترنوالے کو اچھی طرح سے
بہم کر کے پھر سندھیا پر دندان یورش تیز کئے۔ سندھیا کے ایک دستے کو جو زیر کر دی

آج بھی تھا راجپوتوں نے یکا یک گھیر لیا اور سخت نقصان کے ساتھ اُسے شکست دے کر دیکھ بھگ دیا اور سندھیا کو بھی قلعہ گوالیار میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ مگر بقول ڈی بائن کے یہی ابتدائی زمانہ سندھیا کی غفلت کے امتحان کا وقت ثابت ہو کر رہا اور بہرہ فریسی طالع آزمایہ اس واقعے کے بعد بہت ہی خبردار رہنے لگا۔ اول اول تو ڈی بائن پر مایوسی طاری ہونے لگی مگر سندھیا پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا۔ ڈی بائن نے ایسی ملازمت سے کنارہ کش ہونے کا ارادہ کر لیا جس میں اُسے متول یا امتیاز کی کوئی امید نہیں نظر آتی تھی اور کھنڈو کے مشہور تاجر کھلاڈا مارٹن کی کوٹھی پر جا کر ملازمت حاصل کر لینے کی سوچی۔ مگر سندھیا نے اُسے اُس پر ترغیب دی کہ موجودہ بلاؤں سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے ایک مرتبہ اور باہتہ پاؤں مارے اور ڈی بائن اُس پر رضامند ہو گیا۔ غرض یہ کہ اُس وقت تو آقا و خادم دونوں گوالیار ہی میں رہے جہاں وہ نسبتاً امن میں تھے اور ایک مرتبہ اور قسمت آزمائی کر لینے کے لیے رفتار و اوقات پر نظر پائے رہے۔

اب برشکال آچکا تھا جس سے تمام جنگی کارروائیاں معرض التوا میں آگئی تھیں۔ لیکن اختتام برشکال پر سطل بیگ تو قلعہ آگرہ کا محاصرہ کئے رہا اور غلام قادر دہلی پر پڑھا اور جہاں کے دہنے کنارے مقام شاہدرہ بمقام محل سلطانی کے محاذ میں خیمہ زن ہوا۔ اس وقت شہر دہلی میں ایک مرتبہ مقامی فوج سندھیا کے دامادوں کے گھروں کی اور ایک مسلمان سردار شاہ نظام الدین کی قیادت میں تھی جس کو سندھیا نے حال ہی میں عہدہ منظم جاگیرات شاہی پر سرفراز کیا تھا۔ ان سرداروں نے غلام قادر پر انتہائی شروع کی جس کا ترکی بہ ترکی جواب ملنے لگا مگر کچھ عرصہ بعد جہاں ان دونوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ ناظر جلسہ شاہی اور دوسرے نفل سرداروں کی ہمدردیاں اور سازشیں غلام قادر کے ساتھ ہیں تو انھوں نے ممانعت ترک کر دی اور بلب گڑھ کے قلعے کی طرف پسپا ہو گئے جو ایک حلیف جاٹ سردار کے قبضے میں تھا۔

غلام قادر فوراً دہلی میں داخل ہو گیا اور مرزا نجف کے سردار ناظر منظور علی نے اُسے بادشاہ کے حضور میں پیش کر دیا۔ یہ ناظر کچھ عرصے سے اس باغی سردار کے ساتھ خفیہ نامہ و پیام کر رہا تھا۔ ممکن ہے کہ اس کو کچھ عطیات کا لالچ دیا گیا ہو یا ممکن ہے کہ

اس کو احیاء اسلام کی امید موہوم نے آمادہ کیا ہو۔ ناظر موصوف نے غلام قادر خاں کو اُس مکان میں ٹھہرایا جو امیر الامرا کی قیام گاہ کے لئے مخصوص تھا۔ یہی وہ عہدہ تھا جس پر سب سے پہلے نجیب الدولہ شکن رہ چکا تھا اور ضابطہ خاں برابر انکا مدعی چلا آتا تھا اور اب غلام قادر خاں نے اپنی سخت طبیعت کو اس کے محل کر تکلیف دینا شروع کیا۔ لیکن بادشاہ بھی تک آنا گز نہیں گیا تھا کہ ایک باغی کو کچھ انعام دیتا۔ بیگم سمر اس بغاوت کی خبر سن کر تعجیل تمام دہلی آگئی تھی اس لئے اُس کی ہمت کے بل پر بادشاہ نے اس نوجوان چٹان کو بے نیل مرہم رخصت کر دیا اور وہ اپنے لشکر کو واپس چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے نئی فوج بھی بھرتی کر لی اور مرزا نجف کے ایک پرانے رفیق نجف قلی خاں کو اس کی جاگیر ریواڑی سے طلب کیا جو دہلی سے پچاس میل پر واقع ہے۔ اس سردار نے فوری بیچنے میں احکام شاہی کی تعمیل کی اور وہ نو مہینے کے بعد دہلی پہنچ کر بیگم سمر کے دوش بدوش خیرین ہوا جو محل کے صدر دروازے کے بالکل سامنے تھا۔ باغیوں پر گولہ باری شروع کی گئی جنہوں نے ترکی بتر کی جواب دیا اور اُن کے بعض گولے محل شاہی کے اندر وئی حصے میں بھی آکر پڑے۔

مگر ابھی سندھیا اپنی مشکلات میں مصروف گویا رہی میں تھا اور اسکی بہترین سپاہ اسماعیل بیگ کے محاصرے میں ہی تھی کہ دہلی میں ایک سمجھوتہ بھی عمل میں آگیا۔ غلام قادر خاں کو باضابطہ قلعہ ان وزارت سپرد کر دیا گیا جس کی اُسے مدتوں سے تمنا تھی۔ اس کے بعد غلام قادر خاں نے سندھیا کے علی گڑھ کے قلعے پر حملہ کرنے کے لئے خرچ کیا جس کو اُس نے معمولی سی مدافعت کے بعد تسخیر کر لیا اور وہاں سے وہ آگرے کی دیواروں کے نیچے اسماعیل بیگ کی شرکت کرنے کے واسطے روانہ ہو گیا۔

اور نیر شترنگ میں پونا سے زبردست کمک آ جانے پر سندھیا نے دھولپور پر اسماعیل کو مجبور کیا اور آگرے کا محاصرہ اٹھانے کے لئے بڑھا۔ غلام قادر خاں اور اسماعیل بیگ نے اُس کی آمد کی خبر پا کر خود محاصرہ اٹھالیا اور اُس کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ موضع چکسانہ کے قریب دونوں فوجوں کی مدبھی ہوئی۔ سندھیا کی فوج کی قیادت رانا خاں کے سپرد تھی اور باقاعدہ پلٹیش ڈی ہائن کی سرکردگی میں تھیں اور جو معرکہ پیش آیا اُس کا حال خود ڈی ہائن کے الفاظ میں

درج ذیل ہے:

مسلمان سردار بڑی عمدگی سے لڑے۔ غلام قادر خاں نے اپنے رسالے سے اس زور شور سے حملہ کیا کہ مینہ کی پیل صفوں کو توڑ دیا۔ ایلنگ نے بھی پی نقل و حرکت ڈی بائن کے خلاف کی مگر وہاں استقلال دکایا۔ بی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا گیا۔ لیکن مرہٹہ رسالے نل زورہ پوکا کے مقابلے کے نہیں تھے اور یورپین افسروں کو اپنی تائمر قوت قابلیت اس میں صرف کرنی پڑی کہ اپنی پیدل سپاہ اور بھاری توپوں سے پیاہونیالوں کی حفاظت کریں۔ رانا خاں رات پڑے بھرتو پر کی طرف پیاہو گیا اور دشمن نے بھڑاگرے کا محاصرہ قائم کر لیا جس میں اس طرح بے نتیجہ مداخلت کی گئی تھی۔

مگر جنگ کے کچھ ہی عرصہ بعد غلام قادر خاں کو اپنے شمالی مقبوضات کی طرف مراجعت کرنی پڑی کیونکہ سندھیا کے گروگوں نے سکھوں کو اکسا کر جینا پار سے غلام قادر خاں کے مقبوضات پر لاڑھا یا تھا۔

صفحہ ۱۲۹

۱۲۹ء کے موسم سرما میں برابر مرزا جواں بخت کی طرف سے برطانیہ کو مدد کے لیے لکھا جاتا رہا۔ لارڈ کارنوالس سے کسی امداد کی امید نہ پا کر شہزادہ مذکور دہلی آگیا جہاں سے اُس نے براہ راست شاہ جاج سوم کو خط لکھا۔ یہ خط دراصل برطانوی ہند کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اس کے صرف اسی قدر حصے کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے جو سندھیا سے متعلق ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ سندھیا سے بے نتیجہ یہہ امید رکھی جاتی ہے کہ وہ قدیم خاندانوں کو پھر شاہی خاندان کے ساتھ برسر مصالحت لے آئیگا اور مصیبت زدہ دہقانوں کی طرف دست امداد ڈھائیگا۔ دراصل غلام قادر خاں کی طرح وہ بھی شاہی خاندان اور اُس کے پیروں کو اپنی یعنی سلطنت کے راجگان و شہزادگان کا دشمن ہے۔ یہ خط اس پر زور اسد عا پر ختم ہوتا ہے کہ شاہی حکومت کو بھر قائم کر دینا ہے باغیوں کو سزا دی جائے خلق اسد کو بھر اس چین دیا جائے اور اس کا رخیہ کو انجام دیکر شاہ انگلستان اپنا نام نیک شاہان عالم میں مشہور کرے۔

اپنے بدبخت باپ کو امداد دینے کی تمام کوششوں میں ناکام ہو کر اور اپنی جان اور

آزادی کو غلام قادر خاں کے ہاتھوں نظر سے میں پا کر بے بس شہزادے نے پھر برطانیہ کی حمایت میں بنارس آجانا گوارا کیا اور اسی مقام پر اس نے منی مسئلہ کو اس کا انتقال ہو گیا اگرچہ یہ تیس بائیس بعد از کار معلوم ہوتا ہے پھر بھی ہم اس موقع پر بریل تذکرہ یہ سوال ضرور کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ولیم بعد نے سندھیا کی شرکت کر کے مسلمان سرداروں کو اگر وہ دہلی کے خلاف نقل و حرکت کرنے سے باز رکھا ہوتا تو صورت معاملات کیا رنگ اختیار کرتی؟

ولیم بعد اور برطانیہ کی امداد سے محروم ہو کر سندھیا کا ستارہ اقبال تیزی سے برجِ بخش کی طرف آنے لگا۔ بھرپور سے الوداع جانے کی کوشش میں سندھیا کا راستہ راجہ جے پور نے روکا اور اسے شکست دیکر اگر سے کی طرف پیچھے ہٹا دیا۔ اگر سے کی طرف لوٹتے میں اس پر سٹیل بیگ نے حملہ کیا اور اسے مجبوراً پھیل پار بھاگنا پڑا جو دھپور کی فوج نے آناجی کو شکست دی اور اسے اپنے مالک کے پاس ملک لے جانے سے روک لیا۔ بہر حال دکن سے تازہ ملک آنے پر سندھیا نے پھر اگر سے کو خلاصی دلانے کی کوشش کی جہاں لکھو دادا اب تک پامردی کے ساتھ مدافعت کرتے جا رہے تھے۔ آخر پھر سیکری کے قریب پھر ایک سو کہ پیش آیا جس میں ڈی بانن کی پلٹنوں کو لوری ٹنکر جیلنی پڑی مگر آخر کار سندھیا کا میاں ہو گیا۔ سٹیل بیگ کو شکست فاش نصیب ہوئی اور اسے اپنی جان بچانے کے لئے جناں سے اپنا ہوا تیرا کر نکالنا پڑا اور پورے بارہ مہینے بعد اگر سے کا محاصرہ نہیں جا کر اٹھا دوسرے کنارے پر سٹیل بیگ کو غلام قادر ملا جو سکھوں سے مقابلہ کر کے چلا آ رہا تھا یہاں سے دونوں دہلی پر چلے جہاں جون کے مہینے میں پہنچے۔

اس اثناء میں ایمر ڈی بانن ایسی جنگبازی سے شگ ہو چکا تھا جس میں تمام نقصان و خطرہ اس کو اٹھانا ہوتا تھا اور منافع بالکل ہاتھ نہ آتا تھا اس لئے اسے سندھیا کی طاقت سے ترک کر دی اور سکھوں میں کار بار شروع کر دیا۔ اس پیش بہانہ دگار کی خدمات سے نمونہ ہو کر سندھیا کچھ دن آرام لینے کے لئے ستھرا چلا گیا اور وہ بادشاہ جس کی ضعیف عقل سازشیں اور پس پردہ فحاشتیں برابر سندھیا کی کارروائیوں میں خارج ہوتی رہتی تھیں اب بالکل آزاد ہو گیا کہ اپنے سے ندیموں کی صحبت میں جو کچھ چاہے کرتا رہے۔ بادشاہ کے دل میں سندھیا کی طرف سے جو برائی تھی اس کا اندازہ

صفو ۱۳۱

دلچسپ کے مکتوب بنام شاہ انگلستان سے ہو سکتا ہے۔ لیکن بادشاہ نے اپنی مخالفت کو
نمایاں طور پر ایک تو اس طرح ظاہر کیا کہ خفیہ خطوط راجپوت رئیسوں کے پاس بھیجا رہا
دوسرے اس طرح کہ اُس نے موسم بہار میں علانیہ اجیر پر چڑھائی کی۔ یہ سچ ہے کہ
بادشاہ سلامت گوکل گڑھ سے آگئے نہیں بڑھے جو نجف علی خاں کا قلعہ تھا جس نے
کچھ سرتابی کا اظہار کیا تھا لیکن بادشاہ نے دراصل یہ ہم سندھیا کی مخالفت کا اظہار کرنے
کے لئے ترتیب دی تھی جو بیکار تھی۔ کیونکہ اس مہم کی ترتیب راجہ جو دھپور کی ترغیب
سے عمل میں آئی تھی۔ ب کی تائید راجہ جیور نے بھی کی تھی ان دونوں سے سندھیا علانیہ
برسر پیکار تھا۔ جب گوکل گڑھ سر ہو گیا تو بادشاہ اس ادنیٰ اسی کامیابی پر مطمئن ہو کر
دہلی لوٹ آیا مگر راستے میں بہت بہادر اُس کی ہمرکابی میں راجہ جو دھپور کا حکم کھلا دشمن
سندھیا کا تھا۔

۱۰۔ دلچسپ کا خط شاد جارج سوم کے نام دراصل بادشاہ کے اصلی خیالات سندھیا کی نسبت
ظاہر کرتا ہے کیونکہ دلچسپ جس نے یہ مسودہ تیار کیا تھا وہ اس زمانے میں اپنے بند نصیب
باپ کے محل میں موجود تھا۔ ۲۰ مصنف

باب ششم

سندھیا اور غلام قادر خاں

صفحہ ۱۳۲

اس باب کے خاص واقعات میں مادھوجی نے خلافت امید بہت کم حصہ لیا ہے۔ سندھیا کے مداحوں کے لیے یہ معہ ہی رہا ہے کہ کیوں وہ اس بادشاہ سے الگ ہوا جس کا خادم ہونے کا اُسے ادعا تھا خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ ایک پیرانہ سال بادشاہ ایسے لوگوں کی توہینوں اور بدسلوکیوں کا شکار بنا ہوا تھا جن کا سندھیا حال ہی میں سخت دشمن رہ چکا تھا۔ لیکن اس باب میں ہم اس معصے کو مل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ممکن ہے کہ سندھیا نے اپنی فوجی قوت کو محاصرہ دہلی کے قابل نہ سمجھا ہو یا ممکن ہے کہ اُس نے یہ چاہا ہو کہ کچھ روز کے تلخ تجربات سے بادشاہ کو یہ سبق سکھا دیا جائے کہ اُس کے اصلی دوست کون ہیں اور اُس کے اغراض کس فریق کی طرف داری سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ تو یقینی ہے کہ سندھیا کو اُن انتہائی حالتوں کا سان گمان بھی نہ تھا جو غلام قادر خاں کی مغلوب الغرضی کی وجہ سے پیش آگئیں۔ یقیناً اُس نے خاندان تیموریہ کے جان و مال کو اٹھیل بیک جیسے بہادر سپاہی اور غلام قادر خاں جیسے متمول اور عالی خاندان سردار کے ہاتھوں میں بالکل محفوظ سمجھ رکھا تھا۔ غرض یہ کہ وہ تمہارے تین ماہ تک بغیر نقل و حرکت کے رہا اور اس عرصے میں مغلوب بادشاہ کی انضامی جوانمردی اور اُس کو اذیت دینے والوں کی بہائم صفت سختیاں حد سے تجاوز کر گئیں۔ اور تاریخ عالم میں اُن کی نظیر نہ ملے گی اگر ۹۲ء کے فرانسیسی انقلاب پسندوں کی سختیاں اور بد بخت لومیس شانزدہم کی بالذکر بوجہ تباہی کا واقعہ دینا میں نہ پیش آگیا ہوتا۔ گرانٹ ڈفٹ سندھیا کی خوشی کی ایک وجہ بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سندھیا ابھی تک دکن سے مزید ملک کا محتاج تھا اور نانا فرنیس اور ملکر مزید ملک بھینچنے پر اُس وقت تک راضی نہیں تھے جب تک سندھیا اُن کو اپنے ہندوستانی اختیارات میں ساجھی

صفحہ ۱۳۳

بنانے کا وعدہ نہ کر لے پڑ

انقلاب دہلی اب درج تکمیل کو پہنچا ہوا نظر آتا تھا۔ ہلال کی فوقیت کو شاہ دہلی اور درباریوں نے قبول کر لیا تھا۔ بلکہ خواجہ سراؤں اور خوشامدیوں کے اُس جم غفیر نے بھی تسلیم کر لیا تھا جو سنگ مرمر کے دیوان خانے میں اور محل شاہی کے احاطے میں جوق جوق جمع ہوتے جا رہے تھے اور کرٹان بگیم اور ہندو ٹیل کی کوششوں کا منہ کھٹا اٹا رہے تھے۔ اب صرف ایک مسلمان حریف یعنی وزیر اودھ ایسا رہ گیا تھا جو نزدیک تھا مگر اُس کی عیش پسندی نے اُسے اُن فضول جھگڑوں سے بہت دور رکھ چھوڑا تھا۔ غلام قادر خاں دہلی میں سب سے بڑا عہدہ دار بن چکا تھا کیونکہ اب وہ باضابطہ وزیر اعظم ہو گیا تھا اور اس طرح وہ عہدہ حاصل کر چکا تھا جس کے فرائض غیر محدود تھے اور جس پر سرفراز ہونے والا تمام سیاسی اعتبارات اپنی ٹھیں میں رکھتا تھا فوج کی سپہ سالاری اسماعیل بیگ کے قبضے میں تھی جس نے اپنی سپاہ کو فیروز شاہ غلٹی کے پرانے شہر میں مقیم کر رکھا تھا۔ یہ برسات کا وسطی زمانہ تھا۔ ۱۰ جولائی ۱۷۸۷ء کو سب رازدار پچاس مسلح ہمارہیوں کے ساتھ محل شاہی میں داخل ہوئے اور خلعتوں سے سرفراز کئے گئے۔ اس کے بعد وہ ہر طرح کے ظاہری آداب و احترام کے ساتھ واپس لوٹے تاکہ غارتگری کی اُس مشترکہ تجویز پر عمل درآمد کرنے کیلئے انتظامات کرے جائیں جس میں اسماعیل بیگ کے سیر تو خاص شہر سے استیصال کا کام تھا اور غلام قادر کے ذمہ محل شاہی کا ستھراؤ کرنا تھا۔

صفحہ ۱۳۴

ان ارادوں کی کچھ بھنگ پا کر اور روپے کے مطالبات کو برابر بڑھتی ہوئی بیباکی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہوا دیکھ کر بادشاہ کچھ چونکا ہو گیا اور اب جبکہ وقت نکل چکا تھا اُس نے سندھیا کے پاس ادا کا پیام بھیجا۔ ۲۷ جولائی ۱۷۸۷ء کو علی الصباح غلام قادر خاں محل وزارت سے روانہ ہو کر دیوان خاص میں آیا اور بتا کہ تمام بادشاہ کی خدمت میں حاضری کا مطالبہ کیا۔ باوجودیکہ ابھی صبح کے سات ہی بجے تھے مگر بادشاہ خلوت گاہ سے برآمد ہو گیا اور بہت سے درباریوں اور سرداروں کو لٹے لٹے تخت طاؤس کے گرو جمع پایا۔ اسماعیل بیگ کے ذریعے سے نئے وزیر اعظم نے یہہ اعلان کیا کہ بادشاہ سلامت کے احکام کے مطابق فوجیں تھراپڑ چھائی کر نیکی لینے

تیار میں تاکہ مرہٹوں کو ہندوستان سے نکال باہر کریں لیکن فوجبشی سے پہلے یہ لازمی ہے کہ سپاہیوں اور افسروں کے بقایا کی ادائیگی کا انتظام کر دیا جائے ان کی گزشتہ خدمات سلطنت کے واسطے ضروری تھیں اس لئے سلطنت ہی کے خزانے سے ان کی بقایا کی ادائیگی ہونی چاہیے۔ یہ بہ تقرر کچھ عرصے تک جاری رہی اور اس کے اختتام پر وزیر کے جانبداروں نے جن کا سرگروہ ناظر تھا صدارت کے تحسین و آفریں بلندی لاکھ لاکھ خزانچی کو بلا کر مالی حالت کے متعلق دریافت کیا گیا مگر اس نے جواب دیدیا کہ ادائیگی ناممکن ہے۔ اس نے کہا کہ محکمہ بٹھانوں کی خدمات کے جواز یا عدم جواز سے کوئی بحث نہیں میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ خزانے کے صندوق خالی پڑے ہیں۔ آپ سب صاحبوں کو معلوم ہے کہ بادشاہ سلامت کو خاص شاہی محافظوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے اپنی ذاتی سوئچی میٹیں گھلائی پڑی ہیں اس لئے اب بٹھانوں کو دینے کے لئے روپیہ کہاں سے آجائیگا۔ بہ جواب شکر غلام قادر خاں نے لیکھا ایک منگولانہ انداز اختیار کر لیا اس تماشہ گاہ کا پہلے سے ٹھاٹھ باندھ لیا گیا تھا بلکہ شاید ناظر کے شعور سے ملے کر لیا گیا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے بادشاہ کا ایک خط سندھیا کے نام کا نکالا جس میں سندھیا سے امداد طلب کی گئی تھی اور جو وزیر کے گرد آوروں نے راستے میں پکڑ لیا تھا۔ وہ خط دکھا کر اس نے بادشاہ کے ہتھیار لے لینے کا اور اس کو قید سخت میں ڈالنے کا حکم دیا۔ بادشاہ نے کچھ مقناومت کرنی چاہی جس پر غلام قادر نے تلوار کھینچی اور اگر ناظر اسے نہ روکتا تو وہ اسی جگہ بادشاہ کے ٹکڑے کر ڈالتا تین دن تک بادشاہ کو معہ اہل و عیال کے اسی کمرے میں بے آب و دانہ پڑا رہنے دیا گیا اور کوئی اس کے پاس تک نہ پھٹکنے پایا۔ اور غلام قادر نے ایک نجیف الجذہ گوشہ نشین کو بیدار بخت کا خطاب دیکر تخت پر بٹھا دیا اور اپنی مدتوں کی سوچی ہوئی بیصرف غارتگری کی تجویز پر عمل کرنے میں مصروف ہو گیا۔

مگر اسمیل بیگ ذرا کرار اساتذہ نکلا۔ جب اس نے دیکھا کہ غلام قادر خاں نے تمام محل پر قبضہ کر لیا ہے اور ہر سے ہمراہیوں کے لئے کوئی تنخواہ وغیرہ نہیں بھیجتا دریاں حالیکہ کہ اس کا دار و مدار ان ہی ہمارہوں کے بھروسے پر تھا تو اسمیل بیگ کو خطرہ محسوس ہوا اس نے شہر کے بڑے آدمیوں کو طلب کر کے کہا کہ آپ سب صاحب

اپنی اپنی حفاظت کا خود انتظام فرمائیں اور میں اپنے سرداروں کو تاکید دہا یا است
دے دیتا ہوں کہ جب تک ہم یہاں ہیں ہم آپکی حفاظت بدل و جان کرتے ہیں گے
ادھر غلام قادر خاں نے محل شاہی کو گھونڈنا شروع کیا۔ نئے بادشاہ کو بھی گیا
کہ جا کر اپنے پیشرو کو لوٹ کر لائے اور عورتیں شاہی بیگمات کی تلاشیاں لینے اور جو بہتر
اتار نے پرقر کی گئیں۔ اس اتھصال بالجبر کی مجموعی آمدنی سے طمن نہ کر وہ ایک ایسے
خیال پر آجا جو بڑھتے بڑھتے جنون کی طرح اس کے دل و دماغ پر طاری ہو گیا۔ اُسے یقین
ہو گیا کہ محل شاہی میں کوئی گنج مخفی ہے جس کی کلید سوائے بادشاہ کے اور کسی کو معلوم
نہیں ہے۔ بہت سے مطالبہ جو اس پٹھان نے کئے اُن کو اسی گنج مخفی کے ضبط سے
منسوب کیا جاسکتا ہے جس کو اُس کے یقین کے مطابق ایک بے بس غرضہ کے پورے
بوڑھے نے باقصہ اُس سے چھپا رکھا تھا۔

صفحہ ۱۳۶

اسٹیل بیگ کے ساتھ چھپا کر چلے جائیگا اور اس کم قفل مگر بہادر شہسوار اور اس کے
بہاؤیوں کی حمایت سے محروم ہو جائے گا۔ غلام قادر خاں کا خطرہ برابر
بڑھتا جا رہا تھا۔ ۱۵ جولائی کو سندھیا کا ایک دس بی بی پہنچ چکا تھا جس کے پیچھے ہی
دو نہر مرید سوار بھی ریا پتی سندھیا کی سرکردگی میں آگئے تھے۔ یہ بھی خبر آپکی تھی کہ محل نے
بیم سر کو بھی لکھا ہے کہ اپنے امکان بھر کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھے۔ یہ سیکرٹری مرتبہ اپنی نکالانی
شوٹ دے چکی تھی اور اب بھی باج پیڈل مشین یورپین افسروں کی سرکردگی میں معہ کیاس
توپوں کے لیے چلی آرہی تھی اور صرف چار منزل دہلی سے رہتی تھی۔ سوائے اسٹیل بیگ
اور اُس کے بہاؤیوں کے اور کوئی سپاہ ایسی نہیں تھی جو اس وقت دہلی کے شمال مغرب
میں حفاظت قائم تھی اور غلام قادر خاں کو محل کی تلاشیاں لینے کا موقعہ دیتی۔ اس لیے
غلام قادر خاں نے اسٹیل بیگ اور اُس کے بہاؤیوں کے لیے یکشت باج لاکھوڑیم
علی الحسا ب بھیج دیا اور بقایا کے متعلق اُن کو ہدایت کردی کہ ہندو ساہوکاروں سے
بالا ہتمام نذرانے وصول کر کے پورا کریں۔

بہر حال غلام قادر خاں ابھی تک اپنے تئیں محفوظ سمجھے ہوئے تھا اور محل شاہی
کی تلاشیوں کو تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا۔ ۲۹ جولائی کو اُس نے بادشاہ کو بھی طلب کیا
اور اپنے سامنے اُس کے کوڑے لگواے اور بیدار بخت ہی کے سپرد یہ کام کیا کہ

صفحہ ۱۳۷

وہ اپنے ضعیف العمر رشتہ دار کی تنگی پیچھے برتازیا نے مارے۔ دوسرے دن بلا اشتہار تمام بیگمات کے تازیانے لگوائے گئے اور ان کی پروردچیوں سے شاہ جہاں کے محل کے شاندار درو دیوار گونج اٹھے۔ یکم اگست کو پھر ایک سخت کوشش یہہ کی گئی کہ بادشاہ کی ہٹ کو توڑا جائے اور اس سے پوشیدہ خزانے کی کبھی حاصل کی جائے۔ دریاں حالیکہ کسی ایسے خزانے کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ بادشاہ نے بالاصرار انکار کیا اور کہا کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ میں نے کوئی خزانہ چھپا رکھا ہے تو وہ میرے جسم کے اندر ہو گا اب مجھے چروا کر دیکھ لو۔ پھر اس ہنسی نے تسلی دلا سے اور لالچ دیکر پوچھا چاہا مگر وہاں تھا کیا کہ ان باتوں کا کوئی اثر ہوتا۔ بادشاہ نے بھی مجبور ہو کر یہہ کہہ دیا کہ یہہ ذلت خدا تعالیٰ کی طرف سے یہہ سے لینے مقدر ہے اس لیے میں اپنی تقدیر پر شاکر ہوں۔ خدا تمہارا بھلا کرے جبکہ بیگمات کو ان کے مال متاع سے محروم کر دیا گیا جن میں کئی ایک اگلے بادشاہوں کی خاص بیگمیں تھیں تو ان سب کو جو بھی مرنیکے لیے لگیوں میں نکال دیا گیا۔ غلام قادر خاں یہہ چاہتا تھا کہ یہہ تمام گناہ محض بے لذت نہ رہے اس لیے وہ روپیہ کے لیے ادھر ادھر بوٹھلا یا پھرتا تھا۔ جو ناظر کسی زمانے میں اس کا بڑا دوست بنا ہوا تھا اس سے بھی اس نے سات لاکھ سیطرح حاصل کیا۔ ۳ اگست کو وہ تخت پر بیدار بخت کے پاس بیٹھا حقہ پی رہا تھا اور دھواں بیدار بخت کے منہ پر چھوڑتا جاتا اسی قسم کی راحت کا کوئی وقت تھا کہ اس نے دیکھا کہ تخت کے طلاکار میں کچھ ٹکڑے خالص سونے کے اب بھی باقی ہیں چنانچہ اس محترم ڈھانچے کو اس نے بالکل تڑوا دینے کا حکم دیدیا جو نادر شاہ کی لوٹ کھسوٹ سے بچا ہوا اب تک قائم تھا۔ پھر اس نے تمام زندہ قیدیوں کو اور دیگر کو ایک جگہ جمع کروایا اور سب کو کرکھاؤں میں ڈال کر گلوادیا۔ ۷ اگست کو اس پر کسی قدر شیمانی کا غلبہ ہوا اور اس نے بادشاہ سے ملاقات کی اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے بیٹے اکبر کو تخت پر بٹھا دوں۔ یہہ عجیب بات ہے کہ یہی شہزادہ مدت بعد تخت پر بیٹھا اور وہ اسی اکبر شاہ ثانی کا بیٹا تھا جو ۵۵ء میں برائے نام شہنشاہ بنایا تھا جبکہ اس نے ان مطالب کا حکم تو نہیں مگر خفست ضرور دی جو اس نے کمسنی میں اپنی آنسوؤں سے ہوتے ہوئے دیکھتے تھے۔

۱۳۸

آخر کار ۱۰ اگست کو غلام قادر خاں کو معلوم ہوا کہ اس

وقت بہت کم رہ گیا ہے اپنی تلون مزاجی اور آنے والے خطرے کے خیال سے اب اُس میں صبر باقی نہیں ہے۔ پھر وہ اپنے چند نہایت بہائم صفت ساتھیوں کو لیکر دیواں خاص میں گیا اور بادشاہ کی طبی کا حکم دیا۔ پھر اُن کی مخفی کی منقح کا مطالبہ ہوا اور پھر اُس کے وجود سے یا اُس کے انخفا سے انکار ہوا۔ اس کے بعد کچھ دشنام دہی اور بچوں کو اذیت پہنچا کر بوڑھے بادشاہ کو کچھاڑ دیا گیا اور چند ظالم بچانوں کی بیدار بنی خیر یوں نے اُس کی آنکھیں کاٹ کر نکال لیں۔ اور سب چھوٹے بڑے شہزادوں کا بھی یہی حال کیا جاتا اگر خیر باقی آڑے نہ آ جاتا جسے مالاخص کرنا غلام قادر کو پسند نہ تھا۔

اس کے بعد بد نصیب بادشاہ کو گمشدہ کر اُس حصے میں نخل کے پہنچا دیا گیا جہاں مغزول حکمران یا بڑے آدمی نظر بند کئے جاتے تھے اور غلام قادر خاں مودی کو اتنی فرصت مل گئی کہ وہ کچھ عرصے تک گفت و شنود کرتا رہا اور پھر غور سے اپنی موجودہ حالت کو سوچنے لگا۔ ۱۲ اگست کو اُس نے اسماعیل بیگ کو قابو میں لانے کی پھر ایک کوشش کی لیکن یہ نفل سب ابھی کسی طرح ایسے ظالم سفاک کا مل فدا رہنا سمجھنے پر راضی نہ ہوا۔ ۱۴ اگست کو مرہٹہ فوج کی چھتیس سو سوار بھیج دی گئے۔ جو سب میں نو وار ہونی شروع ہو گئیں اور اسماعیل بیگ نے جن جا سو سوں سے نامہ و پیام شروع کر دیا جو سندھیا کے نفع لوے بھائی اور سپہ سالار دانا خاں نے آگے بھیج دیے تھے۔ شہر کا باقاعدہ محاصرہ تو نہیں ڈالا گیا تھا مگر سب طرف سے ناکے روک لیے گئے تھے۔ دوکاندار اپنی دوکانیں بند کر کے بھاگ گئے تھے۔ گرانی جاری تھی اور روز بروز بڑھ رہی تھی۔ نہایت ہی عالیشان دان لوگ محل شاہی کے اندر بھوک سے مر گئے تھے صرف سفاک غارتگر تنہا می نوشیوں اور ضیافت خوار یوں میں مصروف تھا۔

لیکن اُس کے ہمراہی بھوکے مرنا نہیں چاہتے تھے چنانچہ انھوں نے صد کی کمی کی شکایتیں شروع کیں اور پھر دھمکیاں دینے پر اتر آئے۔ آخر کار ایک مرتبہ فوج میں غدربھی ہو گیا جسے غلام قادر خاں نے جان بچھیل کر فرو کیا۔ ۱۷ ستمبر کو اُس نے اُس مقام کو چھوڑنے کا غزم کر لیا کیونکہ اب یہاں رہنا ممکن نہ تھا۔ اُس نے اپنے تمام ہمراہیوں کو دریا پار شاہدرہ بھیج دیا جو تنہا مقام ایسا رہ گیا تھا جس پر اُس کا قبضہ تھا۔

کیونکہ اسٹیل بیگ نے ایسے ساتھی کی امداد سے بالکل ہاتھ کھینچ لیا تھا جو اس قدر بے صرف اور بے اعتبار تھا۔ مال غنیمت کا بڑا حصہ غوث گریہ کی طرف روانہ کر دیا گیا جو غلظت و فتنہ کے قریب ایک زبردست قلعہ تھا اور اب جس کی ایک مسجد کے سوائے اور کچھ بانی نہیں ہے۔ ۱۴ ستمبر کو غلام قادر خاں نے بادشاہ سے مفروضہ کنج مخفی کا راز دریافت کرنے کی آخری کوشش بھی کر لی۔

صفحہ ۱۴۰

یہی تشویشناک صورت حالات تین ہفتے تک طول پکڑتی چلی گئی اور اس عرصے میں کسی فریق نے دوسرے پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ آخر کار امرکتو برائی جو عاشورے کا دن تھا۔ اُس دن یہ معلوم ہو گیا کہ اسٹیل بیگ جاکر رانا خاں سے مل گیا ہے اور رانا خاں کے پاس دکن سے زبردست کمک بھی آگئی ہے۔ اب غلام قادر خاں کی آنکھیں کھلیں اور وہ سمجھ گیا کہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلانے کا نہیں چلنے کا۔ کیونکہ ہر خطہ یہ ممکن تھا کہ اُس کے لشکر پر حملہ کر دیا جائے یا قلعے کے استحکامات پر حملہ بول دیا جائے۔ اس لئے اُس نے راستہ کو لال محل کا بارود خانہ اڑا دیا اور ایک ہاتھی پر بٹھیکر دریا پار بھاگا اور اپنے آگے بہت سے لوگ جنہیں خاندان شاہی کے ارکان بھی تھے اور اُس کا اپنا بنایا ہوا بادشاہ بیدار نجات بھی تھا بطور یرغمال کے بھیج دے۔

رانا خاں نے فوراً قلعے پر قبضہ کر لیا اور بارود خانے سے جو آگ چلتی جا رہی تھی اُسکے شعلے جگہ جگہ ٹھنڈے کر آئے۔ شاہ عالم اور اُس کے خاندان کی جو بیگمات باقی رہ گئیں تھیں وہ سب رہا کر دی گئیں۔ سب اسیران ہلاکی بہت کچھ تسلی بخشی کی گئی اور ہر طرح سے اُن کی آسائش کے سامان ہم پہنچائے گئے۔ اُس کے بعد رانا خاں نے جلد اتفاقات کی کیفیت اور مزید کمک کی استدعا سندھیا کے پاس بھیجی اور چٹھانوں نے شاہدہ سے اپنا ٹانڈا لادا اور شمال کی جانب پسپائی شروع کی۔

ناظرین کو یاد ہو گا کہ دربار پونا سے براہِ سٹیل کے پاس کمک اور قوت پہنچ رہی تھی۔ ہم ابھی تین مرتبہ موجودہ مشکلات کے دوران میں پونا سے کمک آنے کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ آخری کمک کی سرکردگی خاص تکوچی ہلکر کے سپرد تھی اور اس واقعے کو سندھیا کے اخلاقی اعتماد و کامیابی ثبوت سمجھا جاتا ہے کہ دربار پونا سے سندھیا کے برابر کا ایک سردار فوج کا قائد بنا کر بھیجا گیا۔ مناسب ابتدائی انتظامات مثلاً تقسیم فراغ و اور

صفحہ ۱۴۱

اندازہ مال غنیمت کے بعد متفقہ فوجیں پٹھانوں کے تعاقب میں روانہ ہوئیں۔ پٹھان مال غنیمت سے اس قدر لدے ہوئے تھے کہ اب تک میرٹھ سے آگے نہیں بڑھ سکے تھے۔ اس مقام پر اُس زمانے میں ایک بڑا قلعہ تھا جس میں غلام قادر خاں اپنے چیدہ ہمراہیوں کو لیکر اس امید پر داخل ہو گیا کہ قرب وجوار کے بعض روہیلہ سرداروں یا سٹیج کے کناروں کے سکھوں کی طرف سے ضرور ملک آجائنگی۔ غلام قادر خاں اگرچہ نہایت ناپاک طینت بلکہ جرائم پیشہ دیوانہ تھا مگر اُس میں بہت و مردانگی کی کمی نہیں تھی۔ لیکن سندھیانے سمجھ لیا تھا کہ اب بھیڑ یا کٹھکھڑے میں پھنس گیا ہے اس لیے محاصرہ پر نہایت شدت سے زور دیا گیا۔ ہر طرف سے قلعہ کی ناک بندی کر دی گئی۔ رسد کی قلت ہوئے لگی اور دو مہینے کی نہایت طویل ممانعت کے بعد آخر کار غلام قادر خاں نے حوالگی قلعہ کی شرائط پیش کیں۔ محاصرین نے ہر قسم کی شرائط طے کر کے بالکل صاف انکار کر دیا اور ۲۱ ستمبر کو دعوا کر دیا قلعہ بند فوج نے چارے کے بھجوتے ۷ دن صبح تا شام تک دیواروں کی حفاظت کی لگیں ہاتھوں کو اُن کے سردار کو معلوم ہو گیا کہ اب ایسے ہمراہیوں سے کچھ امید نہیں رکھنی چاہیے جو اگرچہ اپنے سردار کے جرائم سے متاثر نہیں ہوئے ہیں مگر اپنی ناکامی سے بد دل ہو کر جی ہانتی ہیں اس لیے وہ رات کو اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے مال غنیمت کا لہجائے کے قابل حصہ زین میں بھر کر چورہ راز سے نکل بھاگا۔ صبح کو قلعہ بند فوج نے ہتھیار ڈال دیئے اور غلام قادر خاں کو نہ پا کر سندھیا کی فوج کو جس قدر مایوسی ہوئی اُس کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ مایوسی دیر تک اُن کی قسمت کی نہیں تھی۔ قرب وجوار کے دہقانوں نے ضرور غلام قادر خاں کو گرفتار کر لیا اور اُسے نکلیں بانڈھ کر لے آئے۔ رانا خاں نے فوراً ایک زبردست بدرقہ کے ہمراہ اُسے سندھیا کے حضور میں متھرا روانہ کر دیا جہاں اُسے یقیناً عجز تناک سزا دی جاتی مگر غصہ و نفرت سے بھرے ہوئے سپاہیوں نے اپنے آقا کو اس تصدیع سے بچالیا۔ یعنی راستے میں انھوں نے غلام قادر خاں کو ایسا ذلیل کیا اور ایسا استنگ کیا کہ وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اُسے بد لگام دیکھ کر سپاہیوں نے اول تو اُس کی آنکھیں نکال لیں پھر اُس کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور آخر کار ۳۱ مارچ ۱۸۵۷ء کو اسے شترک کے کنارے ایک دخت پر ٹکرا کر پھانسی دیدی۔ اس سزا کا منظر مقام فرہا پر قرار دیا جاتا ہے جو آگرہ اور متھرا کے بیچ واقع ہے۔ اب سندھیا سوا سے اس کے

کیا کر سکتا تھا کہ اس چشم برآوردہ۔ دست و پا بریدہ نعش کو دہلی بھیج دے جہاں وہ نابینا
ستہم رسیدہ بادشاہ کے سامنے لیجا کر ڈال دی گئی اور شاید اس سے زیادہ ہولناک و عبرتناک
کوئی دوسرا نظارہ اُس دیوان خاص میں نہیں دیکھا گیا ہو گا۔ شہر غوث گڑھ کو بالکل مسمار
کر دیا گیا۔ اور صرف ایک مسجد باقی چھوڑ دی گئی۔ سید اربنت کو قید میں ڈلوادیا گیا اور
تکحرام ناظر کو ہاتھی کے پاؤں سے بندھوا کر مار ڈالا گیا۔

ان ہولناک نظاروں سے نظر بھیر کر جب ہم اُن عالی حوصلہ مساعی کی طرف
دیکھتے ہیں جو سندھیانے اپنے بد بخت بادشاہ کو آرام دینے کے لیے کیں تو ہمارا دل بہت کچھ
ہلکا ہو جاتا ہے۔ اسلام کے قدیم رسوم کے مطابق کوئی نابینا آدمی بادشاہ نہیں ہو سکتا
تھا لیکن سندھیانے بادشاہ کو باضابطہ مغربی کی دشمنی سے بچانے کے لیے ریاست کا
تمام کاروبار اپنے سر لے لیا۔ بادشاہ کو مناسب شان و شوکت کے ساتھ تخت نشین کیا گیا
اور سب سے پہلے پیشوا اور شیل کی طرف سے نذریں گزرائی گئیں۔ اس واقعے کے دو برس
سے کچھ ہی کم بعد ڈی بائن نے لکھا تھا کہ شاہ عالم اب بھی تمام جزیرہ نمائے ہند میں
منج غفلت و شان و خیریت عزت و احترام سمجھا جاتا ہے اور خود سندھیا اس عظمت و احترام کا
سب سے پہلا تسلیم کرنے والا ہے۔ شاہی اخراجات کے واسطے نو لاکھ روپے سالانہ کی
ایک تفصیلی فہرست بنائی گئی جس میں گورنمنٹ برطانیہ نے باوجود خراج دینے سے برابر انکار
کرنے کے بھی اپنی طرف سے بطور ہمدردی کے (!) کچھ وظیفہ (!!) کا اضافہ کر دیا۔ ان
گوگوئی نذر و نیکاروپیہ جو بادشاہ کی حضور میں حاضر ہونا چاہتے تھے بادشاہ کا حق مقرر ہوا۔
زمانہ رفتہ کی ایک پر عظمت سلطنت کا یہ شان و شوکت تک اور برقرار رکھا گیا۔
اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکمرانوں نے اقتدار حکومت ہندوستان میں حاصل کر لیا ہے

صفحہ ۱۲۳

۱۔ یہ ایک کثیر العمود کردہ ہے جو سنگ موٹی کی کچی کاری سے مزین ہے اور اسکی ایک طرف پریشور لکھا ہے
اگر فردس بر روی زمین است۔ زمین است۔ زمین است۔ زمین است۔ زمین است۔
لیکن جیسے جیسے منظر دہان پیش آئے ہیں وہ اس دیوان خاص کو اس صفت کا بالکل ضد قرار دیتے ہیں
۲۔ سنہ ۱۸۵۸ء کی فوج کشی کے بعد لارڈ ولزلی نے شاہ عالم کے لیے توے ہزار سالانہ کا وظیفہ علاوہ
مواضعات جاگیر کے مقرر کر دیا تھا۔ ۱۲ مصنف

اُس کے بہت عرصہ بعد تک جی کمپنی کی سکرٹری بادشاہ کے نام پر ہوتی تھی۔ ۱۵۰ سالوں میں لارڈ مائٹلے صرف اس وجہ سے دہلی جانے سے انکار کر دیا تھا کہ شاہ عالم کے بیٹے اور بانٹین نے اس گورنر جنرل سے برابری کے پیمانے پر ملنے کو کسر شان سمجھا تھا۔ دہلی میں برابر ہینڈھو رائیٹس وقت کہا کرتے تھے ”نملک (خلق) خدا کی نملک بادشاہ کا حکم کمپنی بہادر کا۔“ شاہ دہلی کے ساتھ جو عام عقیدت و ارادت تھی اُس کا سب سے بہتر ثبوت ۱۷۵۷ء میں ملتا تھا جبکہ باغی تلگوں نے شاہ عالم کے پوتے کے گرد جمع ہو کر اپنی مٹی خود خراب کی۔ اس خد کے بعد جب دہلی پر برطانوی قبضہ ہو گیا تو تیموریہ خاندان کا آخری نام لیوا بہادر شاہ برہمچریا گیا جہاں وہ اور اُس کا ولیعہ دونوں قید فرنگ میں وطن سے دور کر گئے اور شاہی خاندان کے دوسرے افراد عام مخلوق میں رمل گئے پڑے۔

صفحہ ۱۴۴

غرض یہ کہ سندھیا کو سلطنت دہلی کا بچکن کہنا صحت و انصاف کے خلاف ہے بیشک جب وہ خود مختار مضاف میں مبتلا تھا تو وہ ایک ایسے ضعیف بادشاہ کی حفاظت و حمایت نہیں کر سکا جو خود بھی اُس کے خلاف سازشوں میں مصروف تھا اور اُس کے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ لیکن تھا کہ سندھیا اُن قابل افسوس واقعات کو روک دیتا جو ۱۷۵۷ء کے موسم بہار میں محل شاہی کے اندر پیش آئے لیکن اس قسم کے ممکنات کا اندازہ لگانے کے ذرائع سندھیا کے پاس ہم سے بہتر تھے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ممکن ہے کہ سندھیا نے ایک جنووا الحواس خلیفہ کی حرکات مذہبی کا صحیح اندازہ نہیں لگایا ہو کیونکہ یہی سفاک موذی اب تک ممتاز قابلیت اور بہت والا سردار سمجھا جاتا رہا تھا اور جب مجبور ہو کر سندھیا کو مداخلت کرنی پڑی تو وہ مداخلت بالکل مفت گھبرائیے کی نہیں تھی بلکہ اُس میں خود سندھیا کو اُس کے حمایتوں کو محنت اور تکلیف اٹھانی پڑی اور آخر کار جب بدقت تمام اُس کی سائی کو کامیابی حاصل ہو گئی تو اُس نے اپنی فطری معاملہ فہمی سے کام لیا اور سلطنت کے جتنے ٹکڑے بچے بچے رکھئے تھے انھیں سنبھال کر رکھ لیا اور بادشاہ کو یہ وہ تمام قوت و اختیار کا دھنی بنگیا تھا مگر اُس نے شاہی آداب و احترام کو اتنا ہی بڑھاتا ہوا رکھا جتنا کہ عام رعایا کھتی تھی پڑے۔

باب منقہ
سندھیا اور جنرل ای بائن

حصہ ۱۲

شاہ عالم کو دوستی بخن بھی تھا۔ فارسی شعر کہتا تھا اور آفتابِ بخشس کرتا تھا۔ ایک خاص نونہ اُس کے کلام کا اب تک محفوظ ہے۔ یہ ایک فارسی غزل ہے جس میں خدا سے اس وقت فریاد کی ہے جبکہ غلامِ قادر نے اُس کی آنکھیں نظو اڑالی تھیں۔ اُس میں کے پانچ مصرعہ ثابت کرنے کے کوئل کیے جاتے ہیں کہ اس سوا خمیری کیسے میر کے متعلق جو خیالات شاہ عالم کے دل میں احیا و اتحادِ اسلامی کے وقت تھے اُن میں کس قسم کا تغیر پیدا ہو گیا تھا۔

داد افغان بچه شکست شاهی بر باد
 شاه تیمور که دار و سر نسبت با سن
 ماه صوبی سندھیا فرزند بکتر بند من است
 آصف الدوله دانگر نیرایه ستور من اند
 راجه ورا ووز میندار امیر وچ فقیر
 کیست جز ذات مبرا که کند یاری ما
 زرد باشد که بیاید به دگاری ما
 هست مصروف تلافی سنگاری ما
 چه عجب گرنایند به دگاری ما
 حیف باشد که سازند بغضواری ما

(۱) اشعار کا اردو ترجمہ گلشن ہند میں اس طرح ہوا ہے :-

کی اس انفاں بچہ نے شوکت شاہی ہر باد
شاہ تہد سے ہے اک سر نسبت مجھ کو
مادھو جی سندھیا فرزند بگ بند کے ہاتھ
آصف الدولہ اور انگریز میر بہلول
جہور اڈنہ اور امیر اور نقیہ

الحمد لله الذي جعلنا من جنس البشر

۱۵۔ یعنی سوائے خدا کے

صفحہ ۱۳۷

یہ اشعار علی سلیم اور امید واثق کا پتہ دیتے ہیں۔ آخر کار افتادہ بادشاہ میں یہ تیز گیس کی قابلیت آگئی۔ کہ پہلی دوست کون ہیں۔ غور شاہ خلعت احمد شاہ درانی نے شاہ عالم کی بیٹی سے عقد کیا تھا اور اُس سمیت سے اگر کوئی امداد آتی تو وہ آخر میں صیبت ہو کر رہتی۔ لیکن اور سب تو ایسے تھے جو مدد کر سکتے تھے۔ آصف الدنہ نواب دھرتھاجسے ہمیشہ اُس سلطنت کے معاملات کے ساتھ دستگی کا اظہار کیا تھا جس کا وہ موردی وزیر تھا خواہ وہ دستگی کتنی ہی اگھڑی ہوئی کیوں نہ ہو۔ یہی انگریزوں کی بلکہ بنگال کی انگریزی گورنمنٹ کی نسبت کہا جاسکتا ہے۔ جن کو شاہ عالم کے فرمان سے مطابق مشرقی صوبوں پر حکمرانی کرنا اور امداد تھا۔ البتہ سندھیا پر نابینا بادشاہ کی آنکھیں ٹٹی ہوئی ہیں اور بجائے اس کے کہ غفلت کا الزام اس کو دیا جائے فرزند کیکر اُس کو خطاب کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ امید موهوم نہیں ثابت ہوئی کیونکہ سندھیا نے حق فرزند ادا کرنے میں کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔

اس کے بعد بھی سندھیا اپنے اس انکسار پر قائم رہا جو اُسے بہت غمزدار اور اپنے سیکس محض پیل اور بیٹو کا ایک ملازم اور ذیل ہی کتار رہا جو سلطنت مغلیہ کا اصلی تین سلطنت تھا چنانچہ ہندوستانی تذکروں میں اُس کا ان لے بے جوڑ نام ہمیشہ مہاراجہ پیل ہی لکھا جاتا ہے۔ بہر حال اب بادشاہ سلامت نے اُسے مدارالمہام عالی جاہ بہادر کا شاندار خطاب عطا فرمادیا تھا اور اب اگر سندھیا محض پیل ہی رہنا پسند کرتا تھا تو وہ پیل شاہی کا پیل ہو گیا تھا۔

صفحہ ۱۳۸

اس انقلاب نے سندھیا کی حیثیت کو بہت بالا کر دیا تھا۔ محمد بیگ اور غلام قادر کی ذات میں اسلامی مخالفت کے دوزخ و دست سیلاب سندھیا کی جان کے لیے موجود تھے مگر وہ دونوں اب خود سیلاب فنا میں بگئے تھے۔ اسماعیل بیگ ابھی باقی تھا مگر اس وقت تو اُس کو بھی قابو میں کر کے امن پسند بنا دیا گیا تھا کیونکہ رانا خاں نے اچھی طرح اُس کی تالیف قلب کر لی تھی۔ سندھیا نے اس بہادر مکران گھڑ منج آزما کے لیے ایک اور وجہ معرفت اس طرح نکال لی کہ نجف قلی خاں کی جاگیر کا کچھ حصہ اُس کو عطا کر دیا کیونکہ نجف قلی خاں کا حال ہی میں انتقال ہو چکا تھا۔ اس سردار کی جاگیر دہلی اور الور کے درمیان ضلع ریلواری میں واقع تھی اور اکثر سیوا تیوں اور

جانوں کیسے دعوے و تکیہ اس پر باز رہتے رہتے تھے چنانچہ اب آئیل بیگ کو ہاکیارا ہی بنا دیئے جانے کا اہزار نہیں مائل ہوا بلکہ اُس کے لیے ایک وجہ مہر و فیست بھی ایسی نکل آئی جو اُسے شر سے باز رکھنے والی تھی۔ سندھیا سمجھتا تھا کہ اگر کبھی افغان ہیر کوئی اسلامی جہاد کرنے کے لیے لوٹ پڑیں تو اسماعیل بیگ کا کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ انکی شرکت نہیں کریگا۔ ہم نے اُس سردار کو غفل میوراٹ کہا ہے۔ بہت خاص بد قسمت شاہ سلس سے کئی قسم کی مشابہت رکھتا تھا اور ایک خاص انداز مشابہت یہ تھا کہ کبھی اُس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ یہ جبر کوئی کام کیے جائیگا یا کچھ کرتے وقت معمولی منہ بونی سے بھی کام لے لے گا۔

ایک اور مشکل جو سندھیا کو درپیش تھی وہ یورپین افسروں کی قلت تھی۔ میڈاک فرانس جدا کیا تھا جہاں وہ ایک مقاتلت (Duel) میں مارا جاتا تھا۔ ڈی بائن لکھنؤ میں نیل کا کار بار کر رہا تھا اور جو افسر اُس کی جگہ مقرر ہوا تھا وہ یکا یک کہیں غائب ہو چکا تھا اور عام خیال یہ تھا کہ جس وقت غلام قادر خاں کو میرٹھ کے دہقانوں نے گرفتار کیا ہے اُس وقت اُس کا جواہرات سے لدا ہوا کوتل گھوڑا اس افسر کے ہاتھ آگیا اور وہ اُس دولت کو لیکر لاپتا ہو گیا۔ اب سندھیا کو پہلے سے زیادہ یقین ہو گیا تھا کہ یورپین افسروں کی تربیت و قیادت میں قواعد داں پیدل سپاہ اور توپ خانے سے زیادہ کوئی فوج کارآمد نہیں ہوتی اس لیے اُس نے نہایت دانائی سے کام لیکر یہ غزم کیا کہ ڈی بائن کو پھر جن شرائط پر وہ آنا چاہے بلالے۔ بعد کے زمانے میں ڈیوک آف ونگٹن نے دیگر معاملات کو زیر نظر رکھ کر یہ رائے ظاہر کی تھی کہ یہ مسلک ضرور مندی کا نہیں تھا اور مرتبے بہت زیادہ زبردست رہتے اگر وہ اپنی ملازمت میں کسی یورپین افسر یا پیدل سپاہ کو نہیں رکھتے۔ مگر اس رائے کو گرد و پیش کے حالات سے تطبیق دیکر پرکھنا چاہیے۔ اُس وقت یہی کہا جائیگا کہ قرون وسطیٰ کے انداز کے مطابق فوجوں کی تربیت صرف آرائی جو کچھ ہو کرتی تھی اُس کے مقابلے کے لیے فلسفیانہ فن حرب کا معمولی شائبہ بھی بہت ہوا کرتا تھا۔ اس کا ثبوت ابھی بہت کچھ گزر چکا ہے اور آگے اور آئیگا۔

صفحہ ۱۴۸

ایم ڈی بائن اُس وقت ہندوستان بھر میں بڑا قابل اور با وفا سپاہی تھا اور ہر گز سخت کام سے جی جراں والا نہیں تھا۔ لیکن اُس نے فن حرب کو کیسی کیسی

نفسیں درسگاہوں میں چل کر گیا تھا۔ یعنی اُس آکڑش بریگیٹ میں جو معرکہ فونٹینے نامے میں شریک ہوئی تھی۔ بلکہ تھمرین کی اُس فوج میں جو ترکوں سے لڑی تھی اور مدراس کی دیسی فوج میں اور وہ بھی میسور کی خاص ٹپل کے وقت۔ اس لئے وہ فلسفیانہ فن حرب کے اصول سے واقف تھا اور وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ان اصولوں کو ہندوستان کی مخلوق اور ہندوستان کے حالات پر استعمال کس طرح کر سکتے ہیں۔ لیکن اس سے بڑھ کر حوصلہ شکن اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ باوجود تمام علم و تجربہ کے آپکو دہلیشنوں کی اور ایک ہلکے سے میدان کی توپ خانے کی قیادت مل جائے اور آپکا سپہ سالار کوئی قسمت کا دھمی بھشتی ہو یا کوئی وہ خود ساختہ مرہٹہ جو جس کے اعلیٰ وسائل جنگ میں فتح کے وقت ایک بائیں کا بھالہ ہاتھ میں ہوا در شکست کے وقت ہوا کی سی تیزی پاؤں میں ہو گا۔

صفحہ ۱۱۹

بہر حال خود سپہ سالار کل ہونا۔ خود ایک باقاعدہ فوج کو ترتیب دینا اور میدان میں لیجانا وہ بھی اس طرح کہ اپنی مرضی کے مطابق ترتیب صفوں کی گئی ہو اور کسی دوسری بیقاعدہ فوجوں کے پیچھے نہ رہنا پڑے۔ یہ ڈی بائیں کے حوصلے برابر اس وقت سے تھے جب سے اس نے کلکتہ چھوڑا تھا۔ اور اس نے فوجی ملازمت سے دستبردار ہو کر دوسرا مسلک صرف اُسی وقت اختیار کیا تھا جبکہ وہ یہ سمجھ گیا تھا کہ اُس سے صرف یہی امید رکھی جاتی ہے کہ وہ ناقابل سرداروں کا ماتحت بنا رہے اور دوسروں کی غلط کاریوں کے خیازد میں تمام جو کچھ اپنے سر لیتا رہے گا۔

سندھیا نے بھی اپنی طرف سے کوئی نا ملائم شرائط نہیں پیش کیں۔ اُس کے سر پر تمام مشکلات سے بڑھ کر یہ مشکل آپڑی تھی کہ اب اُس کی باقاعدہ فوج میں غنڈ بھیل رہا تھا۔ اس فوج کا کرنل آٹھ ماہ کی تنخواہ عین کر کے فرار ہو گیا تھا اور ہینوں تک تنخواہ نہ ملنے کی مصیبت ایسی ہے جو صرف تنخواہ کے لالچ بھرتی ہوئے والے سپاہی خواہ وہ کتنے ہی قواعد داں کیوں ہوں ہرگز نہیں برداشت کر سکتے۔ اور سندھیا کا خراج ایسا تھا کہ خواہ غدر کے اسباب کتنے ہی حق ہوں مگر اُسے غدر کا نام زہر معلوم ہوتا تھا۔ غرض یہ کہ ڈی بائیں سے فوراً معاملہ طے کیا گیا اور اُسے پورے اقتیارات تیزی کام میں لانے کی پروا لگی دیدی گئی۔ ڈی بائیں نے سندھیا کو کسی نہ کسی طرح یہ سمجھا لیا کہ اُس نے جو یہ سوچا ہے کہ باغی پیدلوں پر اپنے رسالے سے دھاوا کر کے انھیں فنا کر دیا جائے اس چل کر نہیں

باز رہے اور تمام باغیوں کے ساتھ بہت جلد مناسب کارروائی کر دی جائیگی۔ اس کے بعد
 ڈی باغیوں نے سزا کی علانیہ دھکیوں سے اور معافی کے خفیہ کنایوں سے نرم گرم کر کے
 باغیوں کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ سب اپنے ہتھیار رکھ دیں اور بلا ہتھیار کے میدان میں
 کھڑے ہو جائیں۔ اس کے بعد تمام باغی پلٹنوں کو ضابطے سے برخاست کر دیا گیا اور پھر
 اس نے سپہ سالار نے سب سپاہیوں کو نئی شرطوں پر بھرتی کر لیا اور ان کی نصف
 بقایا بھی واپس لے لی۔ لیکن اُس نے اُن افراد کو ضرور سزا دیں جو اس
 بے چینی کی تحریک کے باعث ہوئے تھے۔ اس سب کارروائی کے بعد نئے سپاہی اور
 احمدی سیکھنے سے بھرتی کیے گئے۔ یہ وہی دونوں صوبے ہیں جو بعد کو اس بنگالی فوج
 کے گہوارے بننے والے تھے جس نے ۱۸۵۷ء میں خود کشی کی۔ اس نئی اور زبردست
 فوج کے چھوٹے سردار پرانی پلٹنوں کے چیدہ سپاہی مقرر کر دیئے گئے۔ اس ترکیب
 سے ایک نائنٹی سزا ایسے جرم کی پاداش میں دیدی گئی جس میں طرین کی نیت کچھ زیادہ
 مجرمانہ نہیں تھی۔ اور جو نئی مصالحہ یوں ہی برباد ہو جاتا وہ آئندہ ضرورت کے لئے
 لگا سہنے دیا گیا۔

صفحہ ۱۵۰

نئی فوج جو سندھیا کی خاص منظوری کے ساتھ مرتب کی گئی تھی رفتہ رفتہ تین ریگیٹ
 تک ترقی کر گئی اور ہر ریگیٹ میں آٹھ پلٹنیں تھیں۔ کچھ منسل سوار تھے اور چالیس توپیں تھیں۔
 ہر پلٹن میں ایک یورپین قائد تھا اور چند فرنگی یا نیم فرنگی کپتان تھے۔ سپہ سالار کل کی
 تنخواہ اول اول چار ہزار روپے مالانہ مقرر کی گئی مگر بعد میں بڑھا کر چھ ہزار کر دی گئی
 اور اس کے بعد ہی علی گڑھ کے قریب بعض اچھی آمدنی والے اضلاع اُس کے نام
 اس غرض سے کاٹ دیئے گئے کہ ان کی تحصیل سے وہ اپنے سپاہیوں کی تنخواہ اور
 سپاہ کے دیگر اخراجات کا انتظام کرتا رہے۔ اور یہ اضلاع سپہ سالار کل کے بلا واسطہ
 انعام میں تمام وکمال دیدیئے گئے۔ یہ انتظام سلسلہ جاگیرات یا تنخواہ جامداد کا اصلی
 نمونہ ہے اور ہم بعد میں اس پر زیادہ تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے۔

تاثر کوڑمخت و سرگرمی کے ذریعے سے یہ فوج نئے نئے اس درجہ بڑھ چکی
 کہ اُس کو اچھی خاصی تیار کیا جاسکتا تھا اگرچہ ابھی اس کو پابندی ضابطہ کے سندان پر
 غر میں کھانا نہیں آتش جنگ کی بجٹی میں تپایا جاتا تو بجائے خود رہا۔ پھر بھی پورے

صفحہ ۱۵۱

دشکر میں بقیہ فوج کے مقابلے میں ڈی بان کی سپاہ بالکل ایسی تھی جیسی کہ نیزے میں ڈانڈ کے مقابلے میں آئی ہوتی ہے۔ اور بہت جلد ایک ایسا موقع بھی آگیا جس پر اس پورے نیزے کی آزمائش بھی میدان جنگ میں ہو گئی۔ ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ اسماعیل بیگ کی نیت اور اس کی حرکتوں سے کیا نتائج پیدا ہوئے۔ اور کس قدر کم ہمدردی سے دیکھا کہ اس کی قابلیت یا وفاداری پر تھا۔ ہم ابھی راجپوت سرداروں کی اور سندھیا کی خاصیت کا بھی حال لکھ چکے ہیں۔ یہ راجپوت اب تک جبراً قہراً کچھ دبے ہوئے تھے لیکن اب انہیں ایک مرتبہ پھر دست و گریباں ہونے کی ہمت آگئی تھی اور اسماعیل بیگ جو اس قسم کی آویزشوں کو سیر و تکار کی سی تفریح سمجھتا تھا فوراً اپنی سیوات کی نئی زندگی کو خیر باد کہہ کر صیوہ اور جو صیوہ کا شریک ہو گیا جو اس اسید پرانی جارحانہ کارروائیوں کو ابھی ملتوی کیے ہوئے تھے کہ غنقریب کابل و غزنی سے تیمور شاہ حملہ کر لگاؤ۔

اس اتحاد کا شیرازہ توڑنے سے کہہ لئے سندھیا نے ایک زبردست ہم بھیجی جس کی سرکردگی ایک گوبال راؤ بھاؤ۔ دوسرے اگر سے کے مشہور مدافع گوا دادا کے سپرد تھی۔ اس مہم کے ساتھ خیرل ڈی باٹن کی نئی فوج بھی کر دی گئی اور یہ سب جے پور کی طرف اس غرض سے روانہ ہوئے کہ اسماعیل بیگ کو اپنے راجپوت اتحادیوں کے ساتھ شریک ہونے سے روکیں۔ کیونکہ اسماعیل بیگ اپنے ساتھ اپنے خاص مسلح جنگجو اور بہت سے مسلح فوج سے برخاست کیے ہوئے افغانی اور ایرانی زرہ پوشوں کو بھی لایا تھا جنہوں نے اس کی پہلی دعوت پر لبیک کہا تھا۔ اور ان سب کو لئے ہوئے اپنے اتحادیوں سے ملنے مقام مقررہ پر روانہ ہو رہا تھا۔

ہم نے ان لوگوں کو مسلح جنگجو اور زرہ پوش خاص اسی لئے کہا ہے کہ اس وقت سندھیا کے سر جو کام اڑا رہا تھا وہ موجودہ فن حرب کا قرون وسطیٰ کے فن حرب سے اور بند و پنجوں کا شیرازوں اور نیزہ بازوں سے مقابلہ کرنا تھا۔ معرکہ پانی پت کا تفصیلی حال باب دوم میں ہم نے اس غرض سے بھی بیان کیا ہے کہ ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے نوجوان مرہٹے نے اُس معرکہ میں پہلی مرتبہ اس قسم کے فن حرب کی آزمائش ہوتے ہوئے اور اس آزمائش کو بری طرح ناکام ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ دُرانی کے مسلح زرہ پوشوں نے جنوبی ہند کی فوج کو باوجود ابراہیم گار دی کی

زبردست کوششوں کے بالکل فنا کر دیا تھا۔ اس لئے ہم اُس کو سندھیا کی باریک بینی اور معاملہ نمپی کا تین ثبوت سمجھتے ہیں کہ اُس نے اس ہجوم اسباب میں سے حقیقت کو الگ تار لیا تھا اور یہ سمجھ لیا تھا کہ ابراہیم گاردی کی شکست سے جو طریقہ جنگ اختیار کیا گیا تھا اس میں کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا تھا۔ گاردیوں نے ایرانی رسالے کو بانی بیت پر اچھی طرح شکست دیدی تھی اور اگر تمام مرہٹہ سپاہ اُنھی کی سی ہوتی تو جوہر صغوف جنگ میں ہی نوبت آکر رہتی۔ ہم کہتے ہیں کہ سندھیا نے اپنی باریک نظر سے یہ بات دیکھ لی تھی۔ پھر اُس نے کرنل گوڈارڈ کے معرکے میں بھی یہی دیکھا اور شاید بعد کے زمانے میں اُس نے ایم ڈی ہائن کے منہ سے برٹیر کی وہ رائے سنی ہوگی جو اُس نے عروج سلطنت مغلیہ کے زمانے میں ظاہر کی تھی کہ ٹیورین یا کانڈی کی سرکردگی میں کس بہادر عہد سپاہِ ملِ اعظم کے تمام پیش از سرور ملخ لشکر کو پامال کر کے رکھ دینے کیلئے کافی ہے۔ جو غرض یہ کہ اس نتیجے کو اب حقیقی جنگبازی کی کسوٹی پر کستا تھا۔ سندھیا نے اپنی فوج مارچ سنہ ۱۸۰۳ء میں پھر اسے روانہ کی۔ ڈی ہائن اگرچہ اس مہم کا پہلا سالِ اعظم نہیں تھا مگر میدانِ جنگ میں پہنچتے ہی اُس نے پہلی قیادت اپنے ہاتھ میں لیلی۔ اوائل ماہ مئی سنہ ۱۸۰۳ء میں یہ فوج گوالیار پر سے گزری اور یہاں سے سبک سر مرہٹہ رسالے کی ایک ٹکڑی آگے کا راستہ صاف کرنے اور دشمن کے قیام در قنار کی خبریں لانیکیے لئے آگے بھیج دی گئی۔ ۱۰ مئی سنہ ۱۸۰۳ء کو ان گرد آوروں نے خبر بھیجی کہ سمجھل بیگ نے گوالیار اور اجیر کے درمیانی کوہستانی ملک میں مقام پائن پر خندق زنی کر رکھی ہے جو مقام لال سوٹ سے بہت دور نہیں تھا جہاں سنہ ۱۸۰۳ء میں تین روز تک ایک معرکہ ہوا تھا راجپوت قریب ہی تھے اور جن فوجوں کے آپس میں مل جانیکا خطرہ لگا ہوا تھا وہ آسانی سے مل جاسکتی تھیں اور یہ راجپوت کس قدر خطرناک تھے اس کا حال بعد کو لکھا جائیگا۔ باوجودیکہ راجپوت زیادہ چالاک نہیں تھے اور قواعد دانی سے بھی بالکل نااہل تھے پھر بھی وہ فطرۃً بڑے ہانہاز تھے اور خاص کر جوہر صغوف کے راجپوتوں کا ایک قبیلہ موسومہ راٹھور تو ایسا سخت تھا کہ اس زمانے کے کچھ ہی سال بعد اُن کی ایک جمیعت ڈرنیکا کی اُس بریگیڈ کو روندتی چلی گئی تھی جس کی سرکردگی فرانسسی افسروں کے سپرد تھی دران حالیکہ بریگیڈ مذکور کی باتا عہدہ توپوں کے گرابوں نے ان راجپوتوں کے

پندرہ سو سواروں کو خاک و خون میں لوٹا دیا تھا۔ لیکن موجودہ موقع پر ڈی بائن کے لئے سپاہی اس امتحان سے بچے رہے۔ سندھیا کی نظر اس وقت چاروں طرف تھی اور اُس نے نذرانوں اور وعدوں کے گویا انہار لگا دیئے اور ان سپاہیوں کو ہندوؤں سے جو امداد مسلمان حوصلہ مندوں کو ملنے والی تھی وہ رکی رہ گئی۔ اب اپنے ہی ہاں بوتے پر محفل بیگ نے تین ہفتے تک اپنے مورچوں کو مرہٹوں کی یورشوں کے مقابلے میں برابر کچائے کھا آخر کار اُس کا کمزور دامن استقلال ہاتھ سے چھوٹ گیا اور غالباً اُس کا سامان رسد بھی ختم ہو گیا تو اُس نے ۱۹ جون سنہ ۱۸۵۷ء کو بارہا نہ پہلو اختیار کرنے کے لئے اپنے ماس سے خروج کیا۔ محفل زرہ پوش اور مسلح جنگو قرنائیں بھونکتے۔ طبل جنگ بجاتے اور اپنے ہتھیار ہلاتے ہوئے۔ آندھی پانی کی طرح ڈی بائن کے میدانِ توپ خانے پر چڑھ آئے اور توپوں کے منہ پر توپچیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس دھاوے کے دوران میں مورچوں کی توپوں سے ڈی بائن کی پیدل سپاہ پر گرا ب کی بھر مار لگ ہو رہی تھی اور ڈی بائن نے جب دشمن کے سواروں کو بھر دھاوا کرتے دیکھا تو اپنی سپاہ کو مربع کی شکل میں ترتیب دے لیا جس طرح کہ ٹھیک ایک ربع مہدی بعد انگلش نے کیا تھا۔ دن ڈھلے ڈی بائن نے دشمن کی طرف سے کچھ تکان کی علامتیں نمودار ہوتی محسوس کر کے میدان کا پانسا پلٹ دینے کا عزم کر لیا۔ صف جنگ میں سب سے آگے ہو کر اُس نے اپنی اب تک قائم رہنے والی صفوں کو آگے بڑھایا اور دشمن کے مورچوں پر دھاوا کر دیا۔ پہلا مورچہ تو محض اس دھاوے کے صدمے سے ٹوٹ گیا۔ دوسرے مورچے پر سخت رن پڑا لیکن آٹھ بجے رات کو وہ بھی توڑ دیا گیا اور تیسرا مورچہ اُسکے آدھے ٹھنڈے بعد سر ہو گیا۔ اب دشمن نے مدافعت ترک کر دی اور ان کے سرداروں نے اپنے جیدہ ہمارہیوں کو ساتھ لیکر میدان سے فرار ہو کر بے پور میں پناہ لینے کا ارادہ کیا۔ ہلکراس وقت متعاقبین میں قریب ترین تھا اور اُس کی اس وقت کی ضد نے وہی کام کیا جو ۱۸۵۷ء میں بلیو کرنے کیا تھا اور تعاقب ناکمل رہ گیا۔ بہر حال محفل بیگ نے

صفحہ ۱۵

لے ہدیشا کا مشہور جنرل تھا جس نے شام ۱۸۵۷ء میں ڈیوک آف انگلنڈ کا شریک ہو کر سرکار کو لڑو میں نپولین کو شکست دی تھی ۱۲۰ مترم

اپنی توپیں۔ اپنا خیمہ و خرگاہ۔ اپنے ہاتھی اور سب کچھ ضائع کر دیا۔ اور دوسرے دن اس کی باقاعدہ پلٹنیں اور دس ہزار بیقاعدہ فوج آکر مرہٹوں کی شریک ہو گئیں۔ دی بائن نے اس معرکے کی تفصیل میں مغل سواروں کی تعداد پانچ ہزار بیان کی ہے اور اپنی کامیابی کو صرف اپنی پلٹنوں کی پامردی سے منسوب کیا ہے۔ آخر میں وہ کہتا ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ میں نے سندھیا کی تمام دلی تباہی کو پورا کر دیا۔ دی بائن کے سپاہی کیمی پامردی سے لڑے ہوئے اس کا اندازہ ایک سو بیس مقتول اور چار سو ہتھیار محسوس حوں سے ہو سکتا ہے۔ دشمن کی فوجوں کی مجموعی تعداد بیس ہزار سوار اور پچیس ہزار پیدل تھی جنکے ساتھ سو گزرب توپیں تھیں۔ لیکن بہرہ کل سپاہ مصروف کارزار نہیں ہوئی اور جتنی فوج سے کام لیا گیا اُس کو ان دس ہزار کی پامردی کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی جن میں اکثر اہل ان ایسے تھے جنہوں نے کبھی غصہ میں بھی محولی چلی نہیں دیکھی تھی۔

صفحہ ۵۵

امپریل بیگ کو مقتول امداد نہ دینے پر برتاپ سنگھ راجہ چمپو کو یہ الزام دیا جاسکتا ہے کہ اُس نے بہت تہی کا اظہار کیا۔ لیکن کچھ ابا قبیلے کے لوگ جن کا سردار برتاپ سنگھ تھا صلح پسند لوگ تھے اور ان کی بود و باش ایسے مقامات پر تھی جہاں تک کسی دشمن کی رسائی بمقابلہ اُن کے دوسرے مارواڑ یا جو دھپور والے راجپوت برادروں کی سکونتوں کے زیادہ آسانی کے ساتھ ہو سکتی تھی۔ پورہا بجے سنگھ راجہ جو دھپور بھی آخر کار سندھیا کی زبردست فوجوں کے سامنے مغلوب ہو گیا لیکن اس سے پہلے اُس نے ایک دفعہ دست برد کیا ہوا ہونے کی ٹھان لی تھی جس کو اُس نے اس بھونڈے بن سے شروع کیا کہ ڈی بائن کو بھی اُس زمانے کا کوئی ہندوستانی خدمت فروش سمجھا اُس کا ایمان بگاڑنا چاہا۔ چنانچہ اُس نے ڈی بائن کے پاس ایک پیام بھیجا جس میں اول تو بہت کچھ تعریف و توصیف اُس جو انہری وقابلیت کی کی گئی تھی جو بہ سالار مذکور نے حال ہی میں ظاہر کی تھی بعد ازاں اُس کو اجیر اور اُس کے مصافات دینے کا وعدہ کیا گیا تھا بشرطیکہ وہ اگر راجپوتوں کا طرفدار بن جائے اور سندھیا کے خلاف لڑے۔ لیکن دی بائن نے نہایت مہذب و ستم ظریفی کے ساتھ یہ جواب کہلا بھیجا کہ سندھیا نے مجھے نہ صرف اجیر بلکہ تمام علاقہ جے پور و جو دھپور عطا فرما دیا ہے اس لئے میرے معزز مکتوب الیہ کو اپنی پیش کی ہوئی رشوت کی کم مانگی کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔

۲۱ مارچ ۱۸۵۷ء کو سپہ سالار ندکور نے اپنی تعلق پوری کر دکھانے کے لیے شہر اجیر میں داخلہ شروع کیا جو استحکام و قلعہ بند فوج کے اعتبار سے اتنا بھی نہیں تھا کہ کچھ بھی ممانعت کر سکتا۔

میشہور شہر ایک سطح مرتفع کے قلعہ میں اس حصہ اقلیم ہند کا سین الیو (Water shed) ہے جس میں اس کے حدود واقع ہیں اور ہندوستان کی سطح سرزمین میں بلند ترین مقام ہے اس کی حد شمالی پر یا ستہائے جو دھپور و کشن گڑھ میں۔ مغرب میں جو دھپور ہے جنوب میں اودیپور ہے اور مشرق میں کشن گڑھ اور بے پور کے علاقے ہیں۔ کوہستان ارادلی کا سلسلہ اس میں سے ہو کر گزرتا ہے جس کی سب سے بلند چوٹی پر جو سطح سمندر سے ۵۵۰۰ فٹ اونچی ہے قلعہ تارا گڑھ واقع ہے جو راجگان جو دھپور کا ایک نچتہ قلعہ سلطان بابر کے زمانے کا تعمیر کیا ہوا ہے۔ اس پر شہنشاہ اکبر نے قبضہ کر کے پھیل کے کنارے ایک محل تعمیر کرایا اور شہر کے گرد نگین فصیل کچھ اودی اور یہ شہر سلج خانے کا کام دینے لگا۔ سلطنت مغلیہ کے عروج کے زمانے میں یہ شہر برابر بادشاہ کا مقام تفریح بھی رہا اور اردگرد کی راجپوت ریاستوں کو اپنی زد میں رکھنے کے لیے ایک صوبہ مستقر کا بھی کام دیتا رہا۔ محمد شاہی زوال کے زمانے میں اس پر سندھیا قبیلہ کے ایک سردار نسیمی نے اپنے بچے سنگھ کی طرف سے قبضہ کر لیا اور بچے سنگھ نے جے ابا کو قتل کرا کے اس پر خود قبضہ کر لیا۔ ۱۸۵۷ء میں بچے سنگھ پر ملہا رادو ہلکار اور جگلو جی سندھیانے حملہ کیا اور اسکو مجبور کر کے مرہٹہ حکومت کا اس کو مطلع بنایا مگر بعد میں بچے سنگھ ہی کو مرہٹہ سلطنت کے باجگذار کے طور پر اس قلعے پر اور اس کے ملحقہ اضلاع پر قابض رہنے دیا۔ ۱۸۵۷ء میں جب جیپور اور جو دھپور متحد ہو کر سندھیا کے خلاف اٹھے تو جو دھپور کے رائٹھوروں نے اپنے باجگذار کی تعلقات کو منسوخ کر دیا اور اس کے بعد سے سندھیا کو برابر اب تک یہہ آرزو تھی کہ اس تعلق کو از سر نو قائم کرے کیونکہ اس نے سیوج رکھا تھا جس سے راجپوتوں کو بھی اچھی طرح سبق حاصل ہو جائیگا اور خود سندھیا کی بھی ایک ایسی حیثیت حاصل ہو جائیگی جو دونوں ریاستوں کے باہمی ارتباط کو قطع کر دیگی یہہ وجہ تھی کہ بقول جنرل ڈی ہانس سندھیا نے سپہ سالار ندکور کو اجیر دے ڈالا تھا۔

قلعہ تارا گڑھ اجیر کو اپنی زد میں لیے ہوئے ہے اور اس کے چاروں طرف

صفحہ ۱۵۶

صفحہ ۱۵۷

ایسی عمودی چٹانوں کا قدرتی احاطہ کھیا ہوا ہے جن پر چڑھنا ناممکن نظر آتا ہے۔ جہاں یہ چٹانیں نہیں ہیں وہاں چڑھائی کو روکنے کے لیے دیواریں بنی ہوئی ہیں جو تین گز سے زیادہ موٹی اور بیس فٹ تک اونچی ہیں اور ان کی ساخت میں پوری پوری چٹانیں تراش کر جالی گئی ہیں قلعے کے احاطے کے اندر برساتی پانی کے بڑے بڑے تالاب ہیں جن کا پانی کبھی سوکھتا ہی نہیں۔ لیکن باوجود ان تمام خوبیوں اور استحکامات کے اب یہ قلعہ نئے سپہ سالار کی اُستادی و دیدہ دلیری اور اُس کے نئے انداز جنگ کے سامنے سست قدم راٹھوروں کی ملک پہنچنے سے پہلے تخریب ہوتا نظر آ رہا تھا۔

راجپوتوں کی آمد کی اطلاع پا کر جنرل ڈی بائن نے اپنے دام افتاد شکار کو تو چھوڑا اور جو دھور کی سرک پر کوچ کیا۔ البتہ اس قلعے کی ناکہ بندی قائم رکھنے کے لیے ۴۰۰ کی جمیعت چھوڑ گیا۔ اُس نے راجپوتوں کو میرتا کی دیواروں تلے لشکر ڈالے ہوئے پایا جو اجیر سے جھٹھیل فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہ مقام بے سنگہ کے واسطے بڑا مخوس تھا کیونکہ اسی مقام پر سندھیا کے چچانے میں سال پہلے بچہ شیکھ کو شکست دی تھی۔ ۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کی شام کو ڈی بائن کو راٹھور لشکر نظر آنے لگا۔ یہ ایک سطح میدان میں بڑا تھا جس کی پشت پر خاص شہر تھا جو ایک قطعہ مرتفع پر واقع تھا اور اسکے گرد کچھ توپوں کی دیواریں اور کچھ کی فصیل تھی۔ ڈی بائن کے ساتھی گوپال راؤ نے یہ صلاح دی کہ راٹھوروں پر فوراً حملہ کر دیا جائے مگر ڈی بائن کی قابل تسلیم احتیاط و تدفین آخر کار مرہٹہ سپہ سالار کے جوش و خروش پر غالب آگئی۔ ڈی بائن کا عذر بالکل بجا تھا کہ سپاہی لمبا کوچ کر کے آئے تھے اور خواب و خور کے محتاج تھے۔ علاوہ براں اگر اُس وقت وہ دشمن کو شکست بھی دے لیتے تو بھی بڑھتے ہوئے اندھیرے کی وجہ سے تعاقب ناممکن تھا۔ مرہٹہ سردار نے ان عذرات کی معقولیت کو تسلیم کیا اور رات کی رات قیام کرنے اور صبح پھٹنے سے پہلے دھاوا کر دینے کا عزم کر لیا گیا۔ دوسری طرف بے خبر دشمن نے تمام رات عیش و طرب میں بسر کی۔ تعداد کے اعتبار سے دونوں فوجیں تقریباً برابر ہی تھیں۔ اگر راٹھور سواروں کی تعداد زیادہ تھی تو سندھیا کے سوار بہتر قواعد اور مسلح تھے۔ راٹھور سواروں کی تعداد تیس ہزار تھی لیکن ان کی پیدل سپاہ یا ان کی قیادت ایسی زبردست نہیں تھی جیسی سندھیا کی سپاہ کی تھی۔

ابھی بوڑھا راجہ اور اُس کے ہمراہی نیشہ میں خیر پڑے سو ہی رہے تھے کہ تاروں کی چھاؤں میں کرنل ڈی روہن نے ڈی ہائن کی تین پلٹنوں کے ساتھ راٹھوروں کے لشکر پر اچانک حملہ کر دیا۔ لیکن راٹھوروں کی وحشت محض غامضی ثابت ہوئی کیونکہ اُن کے مشہور قبیلہ چاندوت کے ایک رسالے نے جھٹ پٹ ہتھیار سمیٹ لیا۔ ادر گھوڑوں پر سوار ہو کر اُن کی آن میں منہ پلٹنوں کو اپنی حد سے نکال باہر کیا اور سینہ کے مرہٹہ رسالوں پر ٹوٹ کر گرے اور اُن کو اُس طرح اپنے سامنے سے تتر بتر کر دیا جیسے بگولا ٹھیس کو اڑا دیتا ہے۔ اور پھر واپس لوٹ آنے کے لیے اپنی صفیں درست کر لیں۔ لیکن اس عرصے میں یہاں بیدل سپاہ نے اپنے حواس بر جا کر لیے تھے۔ چنانچہ چند دستے سپاہیوں کے اپنی ٹینکین کھڑی کر کے آراستہ ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے توپ خانہ سے مقول آتشباری کر کے اُنھوں نے اُن جانباڑوں کا راستہ روک لیا۔ جہاں جہاں اس گوشت کی دیوار میں خلا تھا وہاں وہاں سے میدانِ توپیں گرا ب اُگل رہی تھیں اور تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اس دہائی میں چار ہزار چاندوت زینیں خالی ہو گئیں اس آندھی بانی کے سے دھاوے سے پناہ لینے کے بعد ڈی ہائن کی پلٹنیں پھر صف بستہ ہوئیں اور راٹھوروں کے لشکر پر ملیں۔ اور اُن کا توپ خانہ اُن کی پشت پناہی کرتا چلا نو بجے تک راجپوت بہت اچھی طرح لڑتے رہے۔ دس بجے دشمن اُن کے لشکر میں ٹپا۔ بھروہ بھاگے اور پسپائی میں اُن کے محفوظ رسالوں نے انھیں اپنی پناہ میں لے لیا۔ تمام خیمہ و خرگاہ مع جملہ ذخائر حرب اور کثیر مال غنیمت کے فاختین کے ہاتھ آگیا اور اسی سہ پہر کو شہر میرتا پر بھی دھاوا کر کے قبضہ کر لیا گیا۔ اُدھر تارا گڑھ نے بھی تنگ آکر ہتھیار ڈال دیئے۔ اور ۱۸ نومبر ۱۹۰۱ء کو بکے سنگھ نے بھی اپنے اُس ناقابل مدافعت دشمن سے صلح کر لی جو اُسی دن جو دھپور میں داخل ہو چکا تھا۔ مانائے اودھ پور نے بھی بہت جلد جو دھپور کی تعلیم کی۔ اور اب سندھیا آفیش بردار کا اقبال اپنی زیادہ سے زیادہ بندی پر تھا۔ یہی شخص تھا جو ایک برباد خاندان اور ہادی ہوئی قوم کا آخری نام لیوا بچا تھا اور جو

چالیس برس پہلے ایک بھلے مانس بھشتی کی مدد سے اپنی جان سلامت لے آیا تھا اور اب وہ تمام وسط ہند اور اکثر حصہ شمالی ہندوستان کا مالک بنا بیٹھا تھا۔ لیکن اُس کی عادت یہ تھی کہ اگر کسی کام میں کچھ بھی بن کیا رہ جاتا وہ بچھتا تھا کہ کچھ بھی نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ دوسری خدمت جو اُس نے اپنے قابل سپہ سالار کے سپرد کی وہ جیپور کی قرار داتی گو شمالی تھی جہاں اسماعیل بیگ کوشکست کے بعد پناہ دیدی گئی تھی۔ راجہ پرتاب سنگھ اب اکیلار گیا تھا۔ اسماعیل بیگ بھی اسے چھوڑ کر نجف قلی خاں کی بیوہ کے پاس پناہ لینے چلا گیا تھا جو حال ہی میں وفات پا چکا تھا۔ بچے سنگھ اور دوسرے راجپوت سردار زیر ہو کر مطیع ہو چکے تھے اور خود جیپور بھی جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں کوئی خاص ادلو الغزنی یا پامروی رکھنے والا نہیں تھا۔ غرض یہ کہ ایک حقیر سی ممانعت کی کوشش کے بعد راجہ پرتاب سنگھ نے بھی ہار مان لی۔

صفحہ ۱۶۰

اُس گرانقدر اقتدار حکومت کو قائم رکھنے کے لیے سندھیانے اپنی اُس سپاہ کو مزید تقویت دینے کا عزم کر لیا جس کے دم قدم سے یہ اقتدار حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ ڈی باؤن کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ اپنی جمعیت کی تعداد بڑھا کر ۱۸۰۰۰ پیدل سپاہ۔ کچھ گھوڑ بڑھی فوج اور سلامی میں توپوں کی مزید ضربوں تک کر لے اور اسکی کفالت کیلئے ایک قطعہ ملک اور کاٹ دیا گیا جو دہلی سے تھمرا تک چلا گیا تھا اور جسکی حد شمالی آج کل کا بلند شہر ہے۔ اس قطعے کا مجموعی حامل اراضی باؤن لاکھ سالانہ تھا۔ اور یہ موازنہ قائم کر دیا گیا تھا کہ انیسویں اور پانچویں کے مشابہات دینے کے بعد جنرل ڈی باؤن کو اس علاقے کی انتظامی خدمات کے صلے میں چالیس ہزار روپیہ سالانہ بھی اسی میں سے ملا کر لیا۔ اور چھ ہزار روپیہ ماہانہ جو سپہ سالار مذکور کو اپنے عہدے کی اہلی تنخواہ ملتی تھی وہ اس حساب سے بالکل علیحدہ تھی اور انعامات و اکرامات بجائے خود رہے۔ ڈی باؤن نے اپنا مستقر علی گڑھ میں قائم کیا جہاں اُس نے ایک مکان اپنے لیے بنوایا جس کا نام صاحب باغ تھا جس کے کھنڈر اب بھی قلعہ علی گڑھ اور شہر کول کے درمیان نظر آتے ہیں۔ ڈی باؤن نے اپنا مخزن حرب

اگرہ کو مقرر کیا تھا۔ لیکن جیسور کی اطاعت نے ابھی خبر لٹی بائیں کو مالی حاکم کی خانہ نشین محبت کی طرف ابھی متوجہ نہیں ہونے دیا تھا کہ اُس کو ایک نئے اور خلافت امید دشمن کے مقابلے میں بھرمیدان جنگ میں آنا پڑا۔
 ۱۸۹۱ء میں لارڈ کارنوالس کو واقعات نے اس پر مجبور کر دیا کہ وہ اپنے صلح جو اصول عمل کو خیر باد کہہ کر ٹیپو سلطان میسور سے معروف جنگ ہو۔ ابتدائی فوجی ناکام ثابت ہوئی۔ سندھیا کا دل، برطانوی سپاہیوں کی ہامردی کی جتنی حقیقی قدر کرتا تھا آتا ہی برطانوی بہترین کی حکمت عملی سے وہ بیزار تھا۔ اس فوجی کے وقت اُس کی رائے میں ایک موقع ایسا اچھا آگیا تھا جس سے وہ کسی طرح غفلت برتنی نہیں چاہتا تھا چنانچہ اُس نے گورنر جنرل کے سامنے ایک تجویز اتحاد پیش کی جس کی صرف ایک شرط یہ تھی کہ وہ انگریزی پلٹنیں عارضی طور پر سندھیا کی ذات خاص کے ساتھ تعینات کر دی جائیں اور بقیہ انگریزی فوج راجپوتانہ کی فوج کشیوں میں مرہٹہ فوج کی امداد کرے اور سندھیا بنفس نفیس ٹیپو سلطان کے خلافت فوجی کارروائی کرنے چاہیگا۔ لیکن یہ معلوم کر کے سندھیا کو کچھ استعجاب سا ہوا کہ لارڈ کارنوالس نے اس ارمان و داد کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ اگرچہ اس موقع پر لارڈ کارنوالس کا انداز و ستانہ راجا اُس کا امتداد و ضرور کج خلقی پر دلالت کرتا تھا۔ سندھیا کا محض استعجاب حدشہ کی صورت اختیار کرنے لگا جب اُس نے یہہ دیکھا کہ جو امداد اُس نے خود پیش کی تھی اور سترہ کروڑی تھی اب اُسی امداد کے لئے لارڈ کارنوالس نے دربار پونا سے استدعا کی ہے۔ اور نانا فرنویس نے پیشوائی طرف سے اُمداد فوجی میں شریک ہونے کا وعدہ بھی کر لیا ہے۔

لیکن چونکہ ۱۸۹۱ء کو جو معاہدہ اتحاد ہوا اُس کی رو سے دربار پونا نے دس ہزار سپاہی دینے کا وعدہ کیا تھا اور حالیکہ نانا فرنویس نے فوراً اپنے کوسیل کو بھی دجاڑی سوتے اُس نہیں ملایا۔ دربار پونا کی امداد بجائے سود مند ہونے کے لارڈ کارنوالس کے لئے اور مضر ثابت ہوئی لیکن انگریزوں نے جلد ہی یہہ ثابت کر دیا کہ اُن کا دارمدار کسی مرہٹہ امداد پر ہرگز نہیں تھا۔ ۱۸۹۲ء میں لارڈ کارنوالس نے مجازت شروع کی کہ یکے بعد دیگرے قلعہ جات فتح کرتا چلا گیا اور فروری کے مہینے میں اپنی نہایت زبردست

اور آراستہ سیاہ سے خاص سرنگاچم کا گھیرا ڈال لیا۔ یہ سلطان کو مجبور ہو کر راجانی پڑی اور
تتلا علاقہ چلائے کرنا پڑا جس کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ سے زائد تھی۔ اور باوجود مرہٹوں
کی اس بددلی کی امداد کے بھی ان کو نئے مقبوضات کا ایک ٹلٹ لارڈ کارنوالس
نے محض قدم بچہ فرمائی کے شکریہ میں نذر کر دیا۔

سندھیا کو اس طرح نچاؤ کھانے اور اکیس لاکھ چھوڑ دینے
کی یہ کوششیں نا فائز نوسر کی طرف سے جاری ہی تھیں کہ ایک اور
خطرہ اُسے ڈراتے لگا۔ مشہوری یورشوں کا خطرہ جس کی ہولناکی حقیقت
اکی یا ابھی تک تازہ ہی تھی پھر سروں پر منڈلاتا نظر آنے لگا۔ سندھیا اکثر
کہا کرتا تھا کہ میں اب تک خواب میں اپنے سائبانہ کے گھوڑے کی ٹالوں
اور باپنے کی آواز سنا کرتا ہوں۔ شہنشاہ کے مہر کے کا اعادہ بروقت ممکن
نظر آتا تھا۔ اور اس کا کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ اس مہر کے کا ایک خاص پہلو یہ
ہو جائے کہ پھر کوئی اسلامی اتحاد قائم ہو جائے جس میں شجاع الدولہ کی ممانعت
اُس کا بیٹا کرتا ہو اور اخیل بیگ اُس کا پشت پناہ ہو۔ اخیل بیگ ابھی تک
سندھیا سے دور تھا اور اُس کی زور سے باہر تھا لیکن نواب اودھ اُس کی نزد
کے اندر تھا اور آرام طلب تھا اور اپنی رعایا میں بدنام بھی تھا۔ مگر یہاں انگریز
اُس کا راستہ روکے ہوئے تھے۔ میجر پامر زینٹ لکھنؤ کو ہدایت کر دی گئی تھی
کہ وہ سندھیا کو صاف لفظوں میں اطلاع دیدے کہ اگر اُس کے کوئی حقیقی دعاوی
اودھ پر ہونگے تو برطانوی گورنمنٹ اپنے بہترین اثر کے ساتھ اُس کی خدمت
کے لیے تیار ہے۔ لیکن اُسے یہ یاد رہے کہ نواب اودھ برطانیہ کا حلیف اور
دوست ہے اس لیے جو نقصان کہ نواب موصوف یا اُس کے صوبہ کی رعایا کو
کسی کے ہاتھ سے پہنچے گا وہ برطانیہ کی ناراضی کا یقیناً باعث ہوگا۔

صفحہ ۱۶۲

باب ہشتم سندھیا کا عروج و کمال

صفحہ ۱۶۳

ڈی بان کی فتوحات راجپوتانہ کے شرعہ جانفزا نے سندھیا کی اس
تشنہ کی بہت کچھ سلائی کر دی جو اسے ہندوستان کی پیچیدہ سیاست پر غور کرتے ہوئے
اپنی دلپسند چھاؤنی خندامیں پیدا ہو گئی تھی۔ ہندوؤں کی نظروں میں اس شہر کا ایک
خاص تقدس و اہمیت تھا لیکن سندھیا کے دل میں جو بات اس شہر کی جیسی ہوئی
تھی وہ شاید اتنی اس کی مذہبی عظمت نہیں تھی جتنی اس کی سیاسی اہمیت تھی۔ یہ شہر
سندھیا کے مخزن حرب آگرہ اور سلطنت کے دار الحکومت دہلی کے بالکل درمیان
واقع ہونے کے علاوہ جاٹ علاقے کو اپنی زد میں لئے ہوئے تھا اور گوالیار کے راستے
ہو کر مالوہ اور دکن پہنچنے کے لیے بڑی آسانی کا مقام تھا۔ فتوحات راجپوتانہ کے بعد
جب سندھیا کو انگریزوں کی اور نانا فرانس کی روش سے کچھ بے چینی سی پیدا ہونے
لگی تو اس نے ڈی بان کو ہندوستان میں اپنے اغراض کا نفاذ بنا کر خود
دربار پونا میں جانیکا عزم کیا۔

صفحہ ۱۶۴

ہم نے باب چہارم میں مرہٹہ دار الحکومت کی صورت حالات کا ایک
خاکہ معاہدہ سالبا لی یعنی سکھ کاکھینچا ہے۔ اس کے بعد سے رگھو بانظر بند
کر دیا گیا تھا اور مادھو راؤ نانی برادر نرائن راؤ مقتول کو پیشوا بنا دیا گیا تھا۔ اونا ناٹھ
نے معاملات سلطنت کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ ملہار راؤ کی بیوہ ہونے اس
انتظام کو پسند کر کے اپنے ملازم کو جی ملکر کو بیوہ اجازت دیدی تھی کہ اندور کی سپاہ کو
کبھی نیوور کے مقابلے میں اور کبھی سندھیا کے راجپوت اور مسلمان دشمنوں کے
مقابلے میں لے جائے۔ ہمارا مثالیں اس معزز خاتون سماء اہلیہ بالی کی خردمندی
ونیک طینتی کی تاریخ کے صفحات کو فرین کر رہی ہیں۔ وہ اپنی تالی عمر سندھیا کی

بڑی دوست رہی۔ ایک موقع پر سندھیا کی اشد ضرورت کے وقت اُس نے تیس لاکھ روپیہ نقد بھی دیا جس کے ساتھ ہی قرض کا نام کر دیا گیا تھا مگر اس قرض کا تقاضا کبھی نہیں ہونے میں آیا۔

اہلیہ بانی اندور میں رہتی تھی جو اس وقت تک ہلکر کے محروسات کا دار الحکومت ہے اور سندھیا کے دار الحکومت مالوہ یعنی امین سے جانب جنوب تھوڑے ہی فاصلے پر واقع تھا۔ مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ تاریخ ہند کے کسی دور میں اس سرسبز ملک کے باشندے کبھی اتنے امن میں نہیں رہے اور کبھی اپنے قدرتی حقوق سے اتنے زیادہ متمتع نہیں ہوتے رہے اور خود حکومت بھی کبھی آتی ہر وغیرہ نہیں رہی مگر ان دونوں ملکیت اور قابل حکمرانوں کے زمانے میں رہی۔ اہل مالوہ کا بہ دور خوش وقتی دیگر مسایوں کی پریشاں حالیوں اور بد قابلیوں کے درمیان اہلیہ بانی کی وفات سے تیس سال بعد تک قائم رہا اور خلق اللہ اس نیک بی بی کو ہمیشہ اوتار کبکریا دیا کرتی تھی۔ ایک مہر خاتون نے کیا سچ کہا تھا کہ اہلیہ بانی کا چہرہ تو بہت خوبصورت نہیں مگر ایک آسانی نور اُس کے چہرے پر ہر وقت جلوہ مکن رہتا ہے۔

سندھ میں اہلیہ بانی بہت ضعیف ہو گئی تھی کیونکہ سرکاری کام میں لے لیا معروف رہنے اور مذہبی ریاضتیں کرنے سے وہ بہت نحیف ہو گئی تھی۔ تگوجی نے اہلیہ بانی کے احکام کی ہمیشہ نہایت احترام و اطاعت کے ساتھ پابندی کی تھی مگر وہ دل ہی دل میں سندھیا کی عظمت و خانہ بد شک کب کرتا تھا اور سلاطین اور آرمی کی تقسیم سے بالکل غیر مطمئن تھا کیونکہ سب کچھ حاصل تو ہو رہا تھا اندور کی سپاہ کی امداد سے اور سندھیا پکا پکا مال کھا لینے پر تیار رہتا تھا۔ آج کل تگوجی مالوے میں تھا اور سندھیا کی قواعد داں سپاہ کے مقابلے کی ایک ویسی ہی قواعد داں سپاہ تیار کر رہا تھا اور اس کام کے لیے اُس نے شیوا لیر ڈیوڈس کی خدمات حاصل کی تھیں جو بڑا تجربہ کار اور سربراہ اور وہ فرانسیسی افسر تھا۔ اندور کے اس نہرو آزما کے بگڑے ہوئے تیور کے علاوہ بھی سندھیا کے پاس دیگر وجوہ ایسے تھے جو دربار پونا میں اُس کا دائمی اثر قائم رکھنے کے متقاضی تھے۔ سندھیا اگرچہ

بیرونی اغراض و معاملات میں اس قدر مستغرق رہتا تھا مگر اس نے نانا فرانسس کیلئے تعلقات قائم رکھنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی تھی اور انہی تعلقات کے طفیل یہ ممکن ہو گیا کہ اُسے وقت پر دربار پونا سے وہ امداد مل گئی جو اول اول کچھ بددلی سے اور پھر نہایت فراخ دستی سے دی جاتی رہی۔ مگر اب ہلکری روش کچھ مخاصمانہ اور نانا فرانسس کی دفع کچھ مشتبہ سی ہوتی جا رہی تھی۔

غرض بہہ کہ سندھیا نے سنٹرل انڈیا میں ہو کر نہایت آہستگی اور پوری تاک جھانک کے ساتھ کوچ شروع کیا اور اپنے ساتھ مختصر سی مگر نہایت منتخب سپاہ لے کر تاکہ کسی کو کوئی بدظنی بھی نہ پیدا ہو۔ اور راستہ بھر یہ مشہور کرتا گیا کہ میں شاہ عالم کی طرف سے نوجوان پیشوا کے لئے خلعت و تحائف لیکر جا رہا ہوں۔ اور جون سلطان کو وہ پونا پہنچا اور برطانوی رزیڈنسی کے احاطے میں اپنا پڑاؤ ڈالا۔ دس دن بعد وہ دربار خاص میں پیشوا کے سلام کے لئے گیا اور اپنے ساتھ بطور زندر کے ہندوستان کے بیش قیمت تحائف و نوا اور لیتا گیا۔ وہ ہندوستان کا صفائی بادشاہ جو جنگ میں اپنے تمام ہتھیاروں اور حرفیوں پر غالب آچکا تھا۔ جو وسیع صوبہ جات اور ناقابلِ ہزیمت افواج کا مالک تھا دربار خاص کے احاطے تک پایادہ گیا اور اپنے ہاتھوں اور بدرتے کو اپنے یورپین افسروں کی ماتحتی میں اپنے تیار گاہ پر چھوڑ گیا۔ شایانے کے تلے بیٹھ کر وہ تمام حاضر دربار سرداروں سے نیچے کھڑا ہو گیا۔ جب پیشوا نمودار ہوا تو سندھیا سب کے ساتھ مجرا بجا لایا اور بیٹھ جانے کے حکم پر ادب سے عذر کر کے اُس نے ایک پلندہ نکالا جس میں سے اُس نے نئی زیر پائیاں کھولیں اور ادب سے عرض کیا کہ یہ میرے باپ کی خدمت تھی اور یہی میری بھی خدمت ہونی چاہیے پھر اُس نے ادب سے وہ زیر پائیاں اٹھالیں جو پیشوا پہنے ہوئے تھا اور نئی زیر پائیاں اُن کی جگہ رکھ دیں اور پرانی زیر پائیوں کو نئی زیر پائیوں کے کپڑے میں لپیٹ کر بیٹھ جانے کے بار دیگر تاکید حکم کی تعمیل کی مگر زیر پائیوں کو بغل میں دبائے رہا۔ دوسرے دن دوسرا اور اس سے زیادہ پر عظمت دربار منعقد ہوا کیونکہ پیشوا اکھین السلطنت کے عہدے اور اُس کے باضابطہ خلعت و اقیاز سے مشرف کرنا تھا۔ خاص شایانے کے آخری کنارے پر ایک خالی تخت بچھا ہوا تھا

جوشاہی تخت کا قائم مقام تھا اس تخت پر پیشوا نے ایک سو ایک اشرفی کی نذر رکھی اس کے بعد وہ سندھیا کے ساتھ پہلو کے پیچے میں چلا گیا جہاں سے وہ ذرا دیر بعد خلعت فاخرہ پہنے ہوئے اور گلے میں پانچ بیش بہا جواہرات کا کنٹھا اور ایک لاکھ میں تلوار اور دوسرے میں نعر اور دو ات لیے ہوئے نکلا۔ برطانویس کے ہتھیار ایک عدد چاندی چڑھاتا مچھام۔ چھ زخیر قبیل اور متعدد نشان و چوب و عصا وغیرہ پر الطاف خسروانہ کی نگین ہوئی۔ اس کے بعد سندھیانے وقطعہ فرمان اجلاس خسروی جمجاہ کے پیش کیے۔ ایک کا منشا یہ تھا کہ سندھیا کو بیہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے بہراپنے وارث کو پیشوا کا نائب مقرر کر سکے اور دوسرے کا منشا یہ تھا کہ آئندہ سے سینکوں والے جانوروں کا بیچ کر نابند کر دیا جائے۔

بیہ تاشا جو ۱۷۹۲ء جون ۱۷۹۲ء کو ہوا اس بارے میں کہ ثبوت دیتا ہے کہ سندھیا کو اپنے تاشائیوں کے خیالات پر اپنا اثر نہیں پائیگا فن اور نہایت مستقل مزاجی سے ہر معاملہ میں پنا یادہ بڑیا وہ فائدہ نکالنے کا نہ خوب جانتا تھا۔ حقیقت سندھیا کو اس سے ایک خرمہرہ کا بھی فائدہ یا نقصان نہ تھا کہ ایک روز ان زوال پذیر برادری کا صدر حکومت پر پہنچے سینے پر ایک بوسیدہ سلطنت کے ماہی مراتب کا ستھ آویزاں کرے نہ اس کو اس کی کچھ پروا تھی کہ ایک شخص آبادی کے لیے گائے کا گوشت کھانا حرام ہو جائے یا حلال رہے۔ لیکن ہم محض پر تو ان باتوں کا آسا برا اثر ہوتا تھا کہ اسے ضرور اس کا لحاظ کرنا پڑا کہ عام کچھ والے اذن و اعلیٰ طبقے کے اس پر خوش دلی کہ اصلی اختیارات اسی شخص کے پاس رہتے داسٹیں بس کے ہاتھوں یہہ انعام و اکرام وصول ہوئے ہیں۔

دربار پونامیں جو تیار اٹھانے اور اپنے میں عام طور سے پھیل کینے کہلانے کے متعلق بھی یہی سمجھ لینا چاہیے۔ ایک باخبر مصنف نے نہایت صحیح رائے ظاہر کی ہے کہ سندھیا اپنے تئیں خادم کہکرسب کا آقا بن گیا۔ رنج صدی بعد جب ملکہ نے مالوے کے واقعات لکھے ہیں تو یہی رائے عام تھی جو بڑے بوڑھوں سبھی آہری تھی بڑے اب ہم سندھیا کو وہ فرانس ادا کرتے چھوڑتے ہیں جن سے ہمیں

سیرن آف بریڈ وارڈین یاد آجاتا ہے اور اُن واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو ہندوستان کے اندر اُس کی عدم موجودگی میں پیش آتے رہے۔ سندھیا نے ابھی زہرا کو عبور بھی نہیں کیا تھا کہ بلکرنے ہندوستان پر پیش قدمی کر دی۔ اسٹیل بیگ کو اُس کے عارضی مامن سے بلا کر بلکرنے سندھیا کے وکیلوں کے ساتھ زبردستی کی حساب بھی کا قصبہ لگا کر واقعات قطع کر لیے گئے۔

سب سے پہلا اور سب سے قریبی خطرہ تھا بجٹ قلی خاں کی بیوہ غلام زرخاں کی ہمشیرہ تھی اور اپنے بھائی کی طرح اُس کو بھی اپنے باپ صاحب خاں کی سی شوق پسند مرنہ کام رہنے والی طبیعت دے دی تھی۔ اب اُس نے سبیل گئی اپنے ایک بہت مست مکر کے مقام پر قلعہ کا نونہ کی فوج کی قیادت سپرد کر دی۔ بجٹ قلی خاں اپنی وفات کے وقت اسی قلعے میں رہا کرتا تھا اور اُس کی بیوہ نے اب اس کے استحکامات اور فوج کو اس لیے اور بھی بہر دست کر لیا تھا کہ اس پر آشوب زمانے میں نہ جانے کس وقت کیا ضرورت آجئے۔ اس قلعے کی تفصیل مٹی کی تھی جس کے اوپر باہر کی طرف پتھر بھی لگا ہوا تھا۔ چونکہ یہ قلعہ ریگستان بیکانیر کے کنارے واقع تھا اور بہر طرف پتلی پہاڑیوں اور سدا بہار جھاڑیوں سے گھرا ہوا تھا اس لیے کسی مخاصمانہ سپاہ کی رسائی وہاں تک بہت مشکل تھی کیونکہ نہ پینے کو پانی کافی مل سکتا تھا نہ توپیں گھسیٹے کو پکی زمین یا شکر تھی۔ بہر حال ڈی بائرن نے نہایت تیزی سے اور نہایت سختی کے ساتھ ضرب لگانے کی ضرورت کو محسوس کر لیا۔ اس لیے اُس نے ایک بریگیڈ کو معہ سیدانی توپوں کے کرنل پیرن کی ماتحتی میں جو بعد کو اُس کا ہاشین بھی ہوا قلعہ کا نونہ پر پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ کرنل پیرن کو ابھی تک جنرل ڈی بائرن محض سیدھا سادہ مگر ایماندار سپاہی سمجھتا رہا تھا مگر اس موقع پر کرنل موصوف نے اس بے آب اور دشوار گزار ملک میں نہایت مستعدی و ہوشیاری سے راستہ نکال کر اپنے تئیں منزل مقصود تک پہنچایا۔ گزشتہ ہزیمتوں سے بالکل دل شکستہ ہو کر اس مرتبہ سمپل بیگ نے خود حملہ کرنے کے لیے خروج کیا لیکن اس حملے سے کچھ کام نہیں چلا۔ اُس کو نہزیمت کھا کر قلعہ بند ہونا پڑا اور کئی ہفتے تک اُس نے مافعت کی کارروائی اپنی بساط و لیاقت کے مطابق جاری رکھی۔ جو

اس فن میں بہت اعلیٰ پائے کی نہیں تھی۔ اتفاقاً کرنل پیرن کی توپ کے ایک گولے نے اُس مرد مار عورت یعنی نجف قلی خاں کی بیوہ کا خاتمہ کر دیا اور اُس کے آدمیوں نے اسمیل بیگ کو ایک منحوس بوجھ سمجھا جس سے خلاصی حاصل کرنا ہی اُن کی رائے میں آفت سے بچا سکتا تھا۔ اُن کے خیالات معلوم کر کے اور اس بات سے ڈر کر کہ کہیں بگڑے ہوئے محصورین اس منحوس بوجھ کو اپنے اوپر سے مدد قے کا بل کر لے کر دیں اسمیل بیگ نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے تئیں فرنگی کرنیل کی انسانیت کے سپرد کر دے۔ کرنل پیرن نے بڑی خوشی سے اُس کی جاں بخشی کا وعدہ کر لیا بشرطیکہ وہ قلعے کو حوالہ کر دے۔ اس کے بعد وہ زبردست تیغ آزما سپر کر کے اگرہ بھیج دیا گیا جہاں کچھ سال بعد وہ انتقال کر گیا۔

جنرل ڈی ہائن کو ابھی اس ایک دشمن سے چھٹکا رہا نہیں ملنے پایا تھا کہ دوسرا صعب تر دشمن نمودار ہو گیا۔ یہ خود ملکوچی ہلکر تھا جس نے غالباً اپنے بیٹے جسونت راؤ کے ایما سے سندھیا کے قائم مقام ہندوستان لکھو اداد کے ساتھ کچھ جگاڑا کھڑا کر کے محاصرانہ ارادہ سے جنرل کو محصور کر لیا تھا۔ راستے میں سب سے پہلے کہ پال راؤ ٹپڑتا تھا اس لیے اُس نے ہلکر کی زبردست فوج سے خصوصاً ڈیوڈنریں کی نئی پلٹنوں سے خوفزدہ ہو کر ڈی ہائن کے پاس فوری امداد کا تقاضا کیا۔ ڈیوڈنریں کے پاس چار پلٹنیں جمع تو ہوں گی مناسب ضروروں کے تھیں اور ڈی ہائن اُن کے مقابلے کے لیے بہت جلد وہ تمام فوج سندھیا کی جمع کر کے روانہ ہو گیا جو سپاہ سلطنت کہلاتی تھی۔ یہ بھی کیا عجیب نام تھا۔ اصلیت کو دیکھتے تو اُس فوج کو ایک مرہٹہ تنخواہ دیتا تھا اور اُس سے کام لیتا تھا اور اُس کے نشان پر سیوا کے کی سپید سیلیب بنی ہوئی تھی جو فرہسی تائیدین کا امتیازی نشان تھا۔ ڈی ہائن اس وقت نونہرا سپاہ کا انتظام کر سکا اور وہی بیکر روانہ ہو گیا لیکن ہلکر سے بڑھ چڑھنے سے پہلے لکھو اداد مرہٹہ سواروں کے ساتھ آ کر ڈی ہائن کا شریک ہو گیا۔ ہلکر کے پاس تیس ہزار سوار اور کثیر السعدا تو ہیں تھیں۔ ۲۰ مرہٹہ سوار ڈی ہائن نے ہلکر کو درہ لاکھیری پر لایا جو قلعہ کا توند سے اجبر جانوالے راستے پر واقع ہے۔

صفحہ ۱۴۰

ڈیوڈنریں ایک تجربہ کار سپاہی تھا اور اُس نے میدان جنگ بھی اپنے

مطلب کے موافق پسند کیا تھا۔ تو اعداء ان پیش اس درجہ کی چوٹی پر قبضہ کئے ہوئے تھے جس کے سامنے کی نشیبی زمین ابھی تک برساتی سیلابوں سے تر ہو رہی تھی۔ اور دونوں بازوؤں پر بڑے بڑے درختوں کی جھاڑیاں تھیں اور اس چوٹی پر موقعہ موقعہ سے توپیں نصب کر لگی تھیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہندوستان میں دونوں جانب سے نئے فن حرب کے مطابق جنگ ہونی لگی تھی۔ اس سے پہلے کی لڑائیاں نئے اور پرانے فن حرب کی ٹکریں تھیں۔ اور یہ لڑائی اُس سلسلے میں کی پہلی تھی جو ششک کے میں مقام گجرات پر ختم ہو گیا۔ یہاں کوئی مسلح زرہ پوشوں کی جماعت تو اعداء کی دہراست کی دیوار سے ٹکریں کھا کھا کر پاش پاش ہو جانے والی نہیں تھی بلکہ میدانی توپ خانے اور جند و قبضوں کی صفیں ایک دوسرے کے خلاف جنگی چالوں کے مطابق نقل و حرکت کر نیوالی تھیں۔ جنرل ڈی بائن سمجھ گیا کہ معاملہ کرار ہے اس لئے اُس نے غیر معمولی احتیاط و دور بینی سے کام لینے کا ارادہ کیا۔ قریب ہی کی ایک پہاڑی پر چڑھ کر اُس نے زمین کے موقعہ کو خوب اچھی طرح جانچا اور دیکھا کہ اُس کی پیدل سپاہ ایک مصنوعی مورچے کے اندر پھری ہوئی ہے جس کی مدد کو ایک زبردست گھوڑ چڑھا توپ خانہ ہے اور جس کے پیچھے دہراست اعداء رہائے ہیں جن کا ذکر کیا جا چکا ہے وہاں سے اپنے مورچوں میں حرکت کر دی بائن نے پانسو و میلہ سواروں کو آگے بڑھایا اور اُن کی آڑ میں اُس نے اپنی پیدل سپاہ کو نکلیں چڑھوا کر اُس دلدل کے اندر بڑھایا جو اس کے اور درجہ کے درمیان واقع تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مشکلات کے اربع عناصر اُس کی قابلیت کا اُس دن امتحان سے رہے تھے۔ ذرا سی دیر میں اُس کی صفیں ہلکر کے میدانی توپ خانوں کی زد میں بے پناہ ہو کر آگئیں اور وہ اپنی صفوں کو اس قدر تیز بڑھالے گیا تھا کہ اس آتشباری کا کچھ جو اب بھی نہیں دے سکتا تھا۔ جب اُس کے توپ خانے کو بل گاڑیاں نزد کے اندر لے آئیں تو ایک بارود کی پٹی پر دشمن کا گولا آ پڑا جس سے وہ بھٹ گئی۔ یہ مصیبت متحدی ہو گئی یعنی آنا خانہ میں دس بار چٹیاں آگئیں اور دھوئیں اور مہیب آوازوں سے ایک تہلکہ پڑ گیا ہلکر نے ڈی بائن کی صف کو اس طرح درجہ درجہ ہوتے دیکھ کر اپنے سواروں کو جھاڑیوں کے اندر سے نکالا اور دھوا کر دیا اور ڈی بائن کے ہلکے اور

قلیل التعداد سواروں نے اس حملے کو روکنے کی جو کوشش کی وہ کارگر نہ ہو سکی۔ مگر ڈی بائن نے اپنی پیدل سپاہ کو جھٹ پٹ جھاڑی کے اندر پسپا کر لیا۔ ہلکر کے سوار جھاڑی کے کنارے پر آکر تم گئے اور کسی طرح اندر نہیں گھسن سکے۔ اُدھ سے ڈی بائن کے سردو گرم چندہ سپاہیوں نے اپنے سپہ سالار کا حکم پاتے ہی ان کی آن میں جھاڑیوں کی اڑلیکر ہلکر کے حیران سواروں پر تار پڑ توڑ باڑھیں مارنی شروع کر دیں جیسے ہی ان حملہ آوروں نے پسپائی کا ارادہ کیا کہ ڈی بائن نے روہیلہ سواروں سے ایک زبردست دھواواں پر کر دیا اور ہلکر کے سوار بدحواس ہو کر بری طرح بھاگ کھڑے ہوئے۔ ادھر سے جنگبائے پاٹن و مرتہ کی فاتح پیدل سپاہ نے جھاڑی کے اندر سے اپنے توپ خانے سے دے پر گولہ باری شروع کر دی۔ ڈیوڈنٹس کے پاس صرف پندرہ سو آدمی تھے جن سے وہ اس درہ پر قہقہہ کیے ہوئے تھا لیکن ان پندرہ سونے بھی جان ہی لڑادی اور جب تک کہ تقریباً تمام افسر اور سپاہی ایک ایک کر کے کام نہ آگئے تب تک اس چوٹی کو نہ چھوڑنا تھا چھوڑا۔ آخر کار ڈی بائن نے خانی چوٹی پر اور وہاں کی اڑ میں توپوں پر قبضہ کر لیا۔ ہلکر بھاگا اور اُس کی شکستہ حال سپاہ اُس کے پیچھے پیچھے بھاگتی ہوئی پھیل بار کر کے شمالی مالوے میں پھیلی اور یہاں ہلکر نے حملے دل کے پھپھوے پھوڑنے کے لئے علاقے کو تاخت کرنا شروع کیا اور سندھیا کے دار الحکومت اجین کو لوٹ لیا۔ ڈی بائن بڑا آزمودہ کار سپاہی تھا۔ اُس نے لال سوٹ والے مصیبت کے تین دن دیکھے تھے چکسان کی نہریت دیکھی تھی۔ رانا خاں کی جان جو حکم کامیابی فتحور سیکری پر دیکھی تھی اور سبیل گیک اور بچے سیکری کی زبردست ٹکریں جھیلی تھیں۔ لیکن اب تک جتنے معرکے اُس کو پیش آچکے تھے یا وہ دیکھ چکا تھا ان سب میں ڈیوڈنٹس کے ان نے بھرتی ملے سپاہیوں کی محنت و بقول اُس کے بہت سخت تھی۔ اس آویزش کو سمجھدار مورخوں نے سندھیا اور ہلکر کی داستان کی جنگ نہیں سمجھا ہے بلکہ یہ تو آپس میں ایک دوسرے سے سمجھ لینے کے لئے دست و گریباں ہونا تھا جو پیش آکر رہا۔ بہر حال اس دن کے بعد سے ہلکر بھی سندھیا کے پہلو میں ایک کانٹا سا ٹھکنے لگا اور یہ جھگڑا ایسا بڑھا کہ ایک سندھیا کو دوسرے سندھیا سے اور ایک ہلکر کو دوسرے ہلکر سے ورغے میں ملا چلا گیا۔

سندھیا پونا میں رہا اور ماہ جولائی میں اُس نے یہہ مشہور کیا کہ فرمانِ حشری
 اس منشہ کا وصول ہوا ہے کہ برطانوی حکمرانانِ بنگال سے خراج وصول کیا جائے
 ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہہ بھی سندھیا کی ایک امتحانی کوشش تھی جس سے مدعا یہہ
 معلوم کرنا تھا کہ لارڈ کارنوالس کا امن پسند اصول عمل کہاں تک اُسے مراعات
 دلا سکیگا۔ اس سے پہلے اس قسم کی ایک کوشش سندھیا اُس وقت کر چکا تھا جبکہ
 اُس نے جنگِ میسور میں شریک ہونے کے لئے اچھے تئیں بطور اتحادی کے پیش کیا
 تھا اور لارڈ کارنوالس نے نخوت کے ساتھ اس امداد کو قبول نہ فرمایا انکار کر دیا تھا بالکل
 وہ سمجھ میں نہیں آتی کہ پھر تازہ امتحانِ برطانوی صبر و ضبط کا لینے کی کوشش کیوں کی گئی
 خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ لارڈ کارنوالس نے کامیابی کے ساتھ جنگِ میسور کو
 اختتام تک پہنچا دیا تھا۔ بہر حال نفسِ الامر یہی تھا اور اس شہہ کردہ فرمان کا اعلان
 جولائی ۱۸۰۱ء میں دہلی کے روپکارِ رضا بطور کے ذریعے سے بھی کر دیا گیا۔ ناظرین کو یاد
 ہو گا کہ ۱۸۰۰ء میں اسی قسم کی ایک حرکت کامیکفرنس کی کورنٹس نے لندن شکن جواب
 دیدیا تھا اور موجودہ صورت میں بھی نتیجہ کچھ امید افزا نہیں نکلا۔ مصلحتِ اندیشی یا خود بینی
 کی وجہ سے کارنوالس اس بات پر رضامند ہونے کو تیار نہیں ہوا جس کو اُس کے پیش رو
 اپنی توہین سمجھ چکے تھے۔ ۲۲ اگست ۱۸۰۱ء کے روزنامہ میں لارڈ کارنوالس نے اس
 معاملے پر پوری سنجیدگی سے بحث کی اور یہہ حکم لکھ دیا کہ ما دھو جی سندھیا کو جو بصورت موجودہ
 دربارِ دہلی کا قسائم مقام ہے صاف الفاظ میں اطلاع دیدی جائے کہ آئندہ
 جتنی تحریریں بادشاہ کی طرف سے وصول ہوں گی ان سب کا ذمہ دار سندھیا کو قرار
 دیا جائیگا اور حکومتِ بنگال پر آئندہ اگر اس قسم کا کوئی دعوئے خراج وغیرہ کا کیا گیا تو
 اُس کا نتیجہ بہت ناگوار نکلیگا۔ اسی سلسلے میں ایک دفعہ پھر یہہ ظاہر کر دیا گیا تھا کہ
 حکومتِ بنگال کا کوئی ارادہ ہندوستان کے معاملات میں مداخلت کرنے کا نہیں
 ہے۔ مگر یہہ ایک فضول سا جملہ تھا جس کی لغویت اُس وقت اچھی طرح ثابت ہو جاتی
 ہے جب صرف دس سال بعد کے واقعات کو یاد کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے کے آخر
 میں ایک معنی نیز فقرہ یہہ بھی لکھ دیا گیا تھا کہ اگر کوئی فریق کو یہ اندیشی سے حکومتِ بنگال
 پر کوئی ناجائز مطالبہ کسی قسم کا یا کسی صورت سے قائم کرے حکومت مذکورہ کی توہین کرے گا

وہ حکومت موزوں نہ تھی تاگو ارجی نہیں گزریگا بلکہ وہ اپنے اہلکاروں کے مطابق اسکی
تکافی کرانے پر آمادہ ہو جائیگی۔ اس ترکیب کی توجیہ و جواز کے متعلق خواہ کچھ ہی کہا جائے
لیکن اس کا اثر اس روشن دماغ مدبر پر جس پر اثر ڈالنے کے لیے یہہ اختیار کی گئی تھی
ایسا بڑا کہ اس کے ٹھکانہ انداز نے ہر طرح کا جواز حاصل کر لیا۔ سندھیانے فوراً اپنے تئیں
اس الزام سے بری اندر قرار دینے کی کوشش کی جو دہلی کے راجہ کی وجہ سے
اس پر عائد ہوتا تھا۔ اس نے کورنر جنرل کو یقین دلایا کہ میں ایک مخلص و سادہ برطانوی
با اختیار حکمران سمجھتا ہوں اور میری غرض صرف یہ ہے کہ شاہی حکومت کو صرف
ان اقطاع ملک میں قائم رکھوں اور پھیلاؤں جو اب تک شاہ دہلی کے حرمات
میں شامل ہیں۔

ان الفاظ میں اس قدر صداقت تھی اس کا اندازہ ہر شخص اپنی مشاہدات
اور اپنے معیار کے مطابق خود کر سکتا ہے۔ ہمارے اپنے زمانے کے ایک سربراہ
مورخ نے سن دیا کہ اسول محل کی تصویر بالکل اس سے مختلف کھینی ہے جو ہم نے
ان صفحات میں دی ہے۔ کرنل سلین کہتا ہے :-

جس سیاہ کوڑی بائیں نے مرتب کیا تھا اور قواعد سکھائی تھی اس نے
سندھیانے کے مسلمان اور ہندو متقابلین کا خاتمہ کر دیا۔ مگر سندھیانے
اس سیاہ کے ہاتھوں کچھ اور بھی امید رکھتا تھا۔ اس امر کو بھی نظر انداز
نہیں کرنا چاہیے کہ مادہ جی سندھیانے کی اصل نیت یہ تھی کہ تمام ہندوستانی
ویشیوں کو انگریزوں کے خلاف ایک زبردست برادری کی صورت
میں متحد کر دے۔ اس لحاظ سے وہ تمام فرزند ان ہند میں سب سے بڑا
و دراندیش اور زبردست مدبر تھا۔ یہ ایک مہتمم با نشان منصوبہ
تھا جو مادہ جی کے ہاتھ سے عمل پذیر ہونے کے قابل تھا مگر صرف وہی
اس پر عمل بھی کر سکتا تھا اور اگر اس کی موت طبع نہ ہو جاتی تو یہ
ضرور پورا بھی ہو کر رہتا۔

صفحہ ۱۵۵

اس میں شک نہیں کہ ایسے منصوبے کو مہتمم بالشان کہا جاسکتا ہے اگر اس کی نگہیں کے ذرائع میرے آجاتے۔ اور ہمارے پاس کوئی یقینی شہادت یہ کہہ سکنے کی موجود نہیں ہے کہ سندھیا پر اس منصوبے کی دلفروزی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا لیکن جن لوگوں نے ہمارے ہیرے کے اقوال و افعال کو نظر غور سے دیکھا ہے ان کو یقیناً کوئی بین ثبوت ایسے قیاس سے قائم کرنے کا نہیں ملتا کہ معاہدہ سالباہی کے بعد بھی سندھیا نے انگریزوں کے خلاف کوئی ایسا منصوبہ بنا دیا بھی ہو چہ جائیکہ اُس نے اپنے میں اسکی تکمیل کا اہل سمجھ لیا ہو۔ اُس کے دل میں برطانیہ کے وسائل حرب کی روز افزاد عظمت تھی کیونکہ وہ پچھتم خود دیکھ رہا تھا کہ ہریورپن یا ایشیائی طاقت سے مقابلے میں برطانوی وسائل حرب برابر کوسے سبقت لے جا رہے تھے۔ اُس نے دومرتبہ قطعی معافی مانگ کر اس ارادے سے انکار ظاہر کیا تھا کہ اوس نے برطانوی گورنمنٹ سے ایسے خراج کے متعلق مطالبہ کیا ہے جو دو طریقوں سے یعنی آئینی رواج اور شرائط معاہدہ کی رو سے متاثر ادا تھا۔ اس نے میور کے خلاف برطانیہ کو ایسے وقت میں بد دینی چاہی تھی جبکہ سلطان شیوا اپنے انتہائے عروج پر تھا۔ ڈی ہائن سے جہان دیدہ سپاہی نے بھی ہرگز اُس کو یہ فریب نہیں دیا ہوگا کہ اُسے ہندوستانی سپاہی و دیوتائیں فرنگیوں یا نیم فرنگیوں کی سرکردگی میں تلگوں کے ان جبار لشکروں کا مقابلہ کر سکنے جن میں برطانوی قائدین بھرے پڑے تھے اور جنھیں گوراکر انڈیوں اور توپچیوں اور ہمسواروں کی موجودگی نے اور زیادہ ناقابل مقابلہ بنا رکھا تھا۔ بلکہ اس کا دستاویزی ثبوت موجود ہے کہ ڈی ہائن نے اپنی روانگی کے وقت سندھیا کے جانشین کو یہ وصیت کی تھی کہ کبھی ہرگز انگریزوں سے نہ الجھا اور بجائے اُسے کہ اس کے کہ اپنی فوج کی انگریزوں سے مقابلہ کر کے مٹی پیدا کرانا اُس فوج ہی کو بالکل توجہ دینا کہ ایسا حوصلہ ہی نہ باقی رہے۔ ہم کو بے تکلف اپنے دل سے یہ شبہ نکال دینا چاہیے کہ مادہ صوبی سندھیا نے جنرل ڈی ہائن کو باقاعدہ فوج جہتی کرنے کا کام کسی اور غرض سے سپرد کیا تھا سوائے اس اعلان کی ہوئی غرض کے کہ بادشاہ کی حکومت کے استحکام و توسیع میں اس سے مدد لی جائے (جو دراصل سندھیا ہی کی حکومت تھی) اور وہ بھی ان علاقوں میں جو بلحاظ واسطہ

صفحہ ۱۵۶

جزیرہ سلطنت دہلی تھے۔ ہنگری پر فتح پانینے کے بعد ڈی ہائن نے جے پور کے تن تنہا اور مغلوب راجہ سے خراج گزاری کا وعدہ لیا اور بطور تاوان جنگ کے ستر لاکھ روپیہ نقد وصول کیا اس کے بعد اُس نے اپنی جائے قیام کا مرنج کیا تاکہ اس طویل طویل اور جانکاہ محنت کے بعد خود کو اور اپنے بہادر سپاہیوں کو آرام دے۔ جنرل ڈی ہائن کی شخصیت اور اُس کی روش ہر موخن کی توجہ کو اس موقع پر اپنی طرف مبذول کیے لیتی ہے کیونکہ اس سے سندھیا کی اُس مردم شناسی کا پتہ ملتا ہے جس کی وجہ سے اُس نے ڈی ہائن کو دیکھتے ہی اپنی ملازمت کے لیے منتخب کر لیا اور اُسے ملازم رکھتے ہی اُس پر کمال اعتماد بھی کر لیا۔ بعد کو ڈی ہائن کے جانشین پیرن میں اور سندھیا کے جانشین دولت راؤ میں جس قسم کے تعلقات رہے وہ اُن دشواریوں کو اچھی طرح واضح کر دیتے ہیں جو معمولی عقل و فہم کے آدمیوں کو ایسے موقعوں پر پیش آجایا کرتی ہیں اور یہی خطر است ڈی ہائن اور سندھیا کے تعلقات کو بھی پیش آجاتے اگر وہ دونوں معمولی درجے کے آدمیوں سے بہت بالا نہ ہوتے۔

جس وقت کے واقعات ہم لکھ رہے ہیں کرنل پیرن کی حیثیت معمولی طاقت سے زائد نہیں تھی جو اپنے محکام بالا دست کے احکام کو قابل تعریف پابندی کے ساتھ بجالاتا تھا۔ جب ڈی ہائن علی گڑھ پہنچا تو اُس نے سندھیا کے احکام کی تعمیل میں دس ہزار باقاعدہ پیدل سپاہ کے ساتھ کرنل پیرن کو سندھیا کی خدمت میں حاضر رہنے کے لیے ہونا روانہ کر دیا اس موقع پر ہجر کرنل سلین یہہہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ سندھیا نے دس ہزار فوج جو اپنے ساتھ ستھین کر ایسے احکام نافذ کیے تھے اُن کی وجہ تحریک وہی خواہش تھی کہ وہ اپنی آخری زندگی کے منصوبہ کی تکمیل میں اپنے برطانوی گورنمنٹ کے خلاف ایک زبردست اتحاد کے قائم کرنے میں امداد دے۔ مگر جب تک کسی موخن کو تین ثبوت نہ دستیاب ہو اُس کیلئے زیادہ سلامت روی یہہہ ہے کہ وہ صرف اسی ظاہری غرض کے قیاس کرنے پر قانع رہے کہ سندھیا اس فیج کے ذریعے سے نوجوان پیشوا کے دربار میں وہ زبردست اقتدار قائم کرنا اور رکھنا چاہتا تھا جو ملکر اور نانا فرانسس کی روز افزوں مخاصمت

اور مخالفت کے مقابلے میں ضروری تھا کہ
 جن منصوبوں کو سندھیانے اپنا بظاہر کیا تھا ان سب میں وہ پورے طور
 سے کامیاب ہو چکا تھا۔ اُس کی سیاسی معاملہ بھی اور اُس کے سپہ سالار کے
 رعب و داب کا ڈنکا جسے وہ پنجاب سے روٹ لکھنے تک اور جہاں سے نرہ اٹک بج رہا تھا۔
 شیوا سیر ڈیوڈنیں نے بھی انہیں بلکر کی ملازمت ترک کر کے پیرن کی ماتحتی میں
 ایک بریگیڈ کی قیادت منظور کر لی تھی۔ اُس کا گھرا ب بھی شہر کول میں سبکو معلوم ہے
 جہاں ہم اُس کی تصویر اپنی آنکھوں میں بلور جزل پیرن کے ہمسائے کے کھینچ سکتے ہیں
 جواب صاحب بلنغ میں بطور دمی بان کے جانشین کے رہنے لگا تھا۔ یہاں
 ڈیوڈنیں اپنے سپہ سالار کو ہر طرح کی امداد دیتا تھا اور ایک شایستہ فرانسیسی کی
 محبت و مودت سے شخصی زندگی میں جو محبت و مسرت حاصل ہو سکتی ہے اُس سے
 بھی مستفید کرتا تھا۔ اس جگہ سے قریب ہی سردھنہ میں اُس قابل اور حوصلہ مند
 خاتون کی قیام گاہ تھی جس کا نام بیگم سردھنہ جو سومبر کے فوجی عہدے پر اور اُس کی
 جاگیر کے مالی انتظام پر اُس کی جانشین کر دی گئی تھی۔ ہندوستان میں صیغہ انتظام اُس
 زمانے تک نہ ایسا سمجھا گیا تھا نہ ایسا باقاعدہ مرتب کیا گیا تھا جیسا کہ آج کل ہے
 چند سال بعد جب یہ علاقہ جزل پیرن کی تغافل شعار حکومت کے تحت میں آ گیا تو
 وہاں کی مخلوق بد نظمی و مصیبت کی طرف رجعت کر گئی تھی جو اسی قدر ناقابل برداشت تھی
 جیسی اُس طوائف الملوکی کے زمانے کی بد نظمی و مصیبت تھی جو نادر شاہ کے حملے کے بعد
 ملک پر طاری ہو گئی تھی اور جس کا ختم سا خاکہ ہندوستانی موزین کے حوالے سے ہم بھی
 پہنچ آئے ہیں۔ اکبر کے مالی انتظام کے کمزور سے اثرات جو باقی رہ گئے تھے وہ عرصے
 سے مٹ چکے تھے۔ کھیت جماعتیوں کے اندر چھپ چکے تھے اور ایسے شکل بن گئے
 تھے جن میں شیر رہتے تھے ابھی پچاس سال سے کچھ ہی ادب کا واقعہ ہے کہ لاڈلہ کلنڈ
 کے ایک انڈی کانگ نے اضلاع مظفرنگر میں خیروں کا شکار کیا تھا جہاں آج کل
 کے زمانے میں ایسا جانور اتنا ہی باعث حیرت ہو سکتا ہے جیسا سا لہری بلکین میں
 جو ماضیات اس تغافل شعاری کا شکار ہو رہے تھے اُن میں جو بچے کچھ کا شکار
 رہ گئے تھے وہ اس قدر تشدد پسند ہو گئے تھے کہ نہ وہ سرکاری لگان دیتے تھے

نہ مالگزاری داخل کرتے تھے اور اپنے چند ضروریات کی پیداوار میں برکت کرنے کے لئے راہگیروں کو لوٹ لیا کرتے تھے اور اپنے خوشحال ہمسایوں کے مویشی اڑا لیا کرتے تھے۔ اس بد نصیب ملک کے عین قلب میں ڈی بانن اور بیگم سروہند نے اول اول اصلاح و انتظام کی کارروائی شروع کی۔ جنرل ڈی بانن کے نام جو علاقہ کاٹا گیا تھا وہ تیس برسوں میں تھاجن کی مجموعی آمدنی کا تھینہ دھانی کر دیا گیا تھا۔ بیگم سروہند کی جاگیر اتنی وسیع نہیں تھی مگر دونوں جگہ ان کا انتظام تقریباً یکساں اختیار کیا گیا تھا۔

مالی انتظام میں جنرل ڈی بانن نے دو محکمے قائم کیے تھے۔ فاریسی کے محکمہ کا کار بار ہندوستانی اہلکاروں کے سپرد تھا لیکن ایک فرانسیسی دفتر بھی تھا جو خاص ڈی بانن ہی کی نگرانی و ماتحتی میں تھا۔ جاگیرات پر ایک کھیتی شرجہ مقرر کر کے اربابست کے مطالبات قائم کر دینے گئے تھے تحصیلات پابندی وقت کے ساتھ کی جاتی تھیں جن کی امداد کے لئے فوجی ملکہ موجود رہتا تھا جن سے لیت و لعل یا تساہل کے وقت بے ضابطہ ضروری کام لیا جاتا تھا۔ ہمارے پاس کوئی ناخذ ایسے نہیں ہیں جن سے ہم ڈی بانن کے زمانے کی دادرسیوں کا کوئی حال لکھ سکیں۔ لیکن بعد کے زمانے میں جب پیرن کا راج پاٹ تھا اس وقت قانونی کارروائی کو دوسرے درجے کی اہمیت دی جاتی تھی۔ نہ کوئی مسلمہ ضابطہ تھا نہ کوئی ایسی عدالتیں تھیں جن میں ضابطے کی تحقیقات ہوتی۔ دیسی حکام عدالت اپنی تحقیقات کا خلاصہ جنرل پیرن کے پاس بھیجا کرتے تھے جو حکم آخر صادر کرتا اور اپنی مرضی کے مطابق جتنی سزا چاہتا دیدیا کرتا تھا۔ لیکن قرن قیاس یہ ہے کہ ڈی بانن حکم آخر بھی زیادہ سلامت روی کے ساتھ دیتا ہوگا کیونکہ وہ پیرن کے مقابلے میں بدرجہا قابل تھا۔ اس کی مصروفیت بھی بہت ہی زیادہ تھی۔ ایک یورپین عینی شاہد کہتا ہے کہ ڈی بانن علی الصبح اٹھ جاتا تھا۔ اپنے نمازن حرب و کارخانجات کو دیکھتا۔ فوجوں کا معائنہ کرتا۔ اپنی خاص بریگیڈ کے دیوانی امور کو انجام دیتا۔ پھر سلاسیوں کی حاضری کی اجازت ملتی۔ فوجداری اور تحصیل کے حکام کی کیسیں پیش ہوتیں۔ سینسارنی خط و کتابت کرتا اور پھر بھی اپنے ذاتی کام کاج کے لئے وقت بچا لیا کرتا تھا۔

یہ سب کچھ بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے جب صرف یہ سمجھ لیا جائے کہ جس سردار کا تذکرہ کیا جا رہا ہے وہ ایک مقول آدمی ہے اور یہ جانتا ہے کہ کیا تو اسے خود کرنا چاہیے اور کیا اپنے ماتحتوں کے لئے چھوڑ دینا چاہیے۔ اور اس سے بھی واقف ہے کہ دولاہ حکومت کی قوت تمہارے کس طرح قائم رکھی جانی ہے اور ذرا سی حرکت رک جائے کس طرح ہاتھ کا اشارہ دیدیا جاتا ہے بیگم سردھنہ بھی اتنی ہی غشی تھی اور اس سے کم کامیاب نہیں رہی ایک اور عیسائی حکمران تقریباً اتنی ہی قابلیت والا جس نے تھوڑے عرصے کے لئے کافی شہرت حاصل کر لی تھی جارج ٹامس تھا جو پہلے بیگم سردو کی ماتحتی میں فوج کے ایک حصے کا قائد تھا اور اب دارالحکومت کے جنوب میں نجف قلی خان کی جاگیرات پر قبضہ کر کے آہستہ آہستہ اپنے لئے ایک ریاست قائم کرتا چلا جا رہا تھا۔

صفحہ ۱۸۰

ہندوستان میں ادھر امن دامان کا دور دورہ ہوتا جا رہا تھا ادھر سندھیا اپنی قواعد داں پلٹنوں کے ساتھ اپنے یورپین ندیوں کے دریاں بنوایں ٹھیرا ہوا تھا اور دکن میں ایسی حیثیت حاصل کرنی چاہتا تھا جو اس کی ہندوستانی حیثیت کا توازن قائم رکھ سکے مگر یہاں کی صورت حالات کو اس نے بہت زیادہ شکلات سے بھرا ہوا پایا۔ اگرچہ اس کا اس داستان سے کوئی براہ راست تعلق نہیں ہے مگر جنرل ڈی ہاٹن کی شخصیت نے جو اثر ایک برطانوی ملاقاتی پر ڈالا تھا وہ یہاں نقل کیے جانے کے قابل ہے۔ وہ وہو کھل

جنرل ڈی ہاٹن کی قابلیت نے جو فوائد پہنچائے ان میں سے صرف ایک ہی نہیں تھا کہ اپنی فوجی حیثیت میں رکھ کر وہ ایسی قابلِ تعریف مسانت و بردباری کا اظہار کرتا رہا جس سے مرہٹوں کی پُغضب بلکہ دشمنانہ طبیعتیں نرم پڑ گئیں۔ اس نے ایسے سپاہیوں کو یورپین فوج کی پابندی ضابطہ و تہذیب کا عادی بنایا جو اب تک سخت جاہل وحشی سمجھے جاتے تھے اور وہ اس میں اس درجہ کامیاب ہوا کہ اس سے جو تیل و غنا تگر کی رخصت ان میں عام ہو گئی تھی وہ رفتہ رفتہ ذلیل سے ذلیل طبیعت کے سپاہی کی بنی نظر میں قابلِ فخر ہو گئی (ماغوزا رنگال جنرل ڈی ہاٹن)

اس اقتباس کے لئے ہمیں کرنل ملین کی تصنیف کا ممنون ہونا چاہیئے جس کا ہم ابھی حوالہ دے چکے ہیں۔ کرنل موصوف اس اقتباس کے بعد اپنی طرف سے یوں اضافہ کرتا ہے :-
 بیہ ڈی بائیں ہی تھا جس نے سندھیا کے لئے بیہ مکن کر دیا کہ وہ
 ہندوستان میں بھی اسی وقت حکومت کرتا رہے جبکہ وہ پوتا کی
 مجلس حکومت پر قبضہ کئے ہوئے تھا۔ بیہ ڈی بائیں ہی تھا جس نے
 ممالک مغربی و شمالی میں اُس مالی انتظام کا بیج بویا جسکی اُسکے بعد
 انگریزوں نے آبیاری کی۔

جنرل ڈی بائیں سندھیا کی وفات کے بعد ہی یورپ کو واپس چلا گیا اور فرینقیاس
 بیہ ہے کہ وہ مشکلات اُس کی نظر میں تھیں جو سندھیا کے کسٹر قابل و کٹر تجربہ کار جانشین
 کے عہد میں پیش آنے والی تھیں۔ جنرل ڈی بائیں نے سن ۱۸۱۷ء میں بمقام سٹامیری
 انتقال کیا۔ وہ بہت دؤر تند تھا اور اپنی دولت کا نہایت قابل فخر استعمال کرتا رہا تھا۔



باب نہم

آخری زمانہ۔ وفات۔ طر زماند و بود

جس منزل تک قابل آدمی رسائی چاہتے ہیں وہاں تک پہنچنے سے وہ محروم نہیں رہتے مگر اہل محرومی زندگی میں ہوتی ہے کہ اس غایت پر پہنچ کر ایک بے نقاب حقیقت اُن کے سامنے آجاتی ہے جو کچھ آرزو پرورد اور حوصلہ افزا نہیں ہوتی۔ جب تک سندھیا ہندوستان میں رہا اُس وقت تک کے لیے بادی النظر میں اُس نے اپنی محنت زندگی کا ثمرہ پایا تھا۔ شاہ دہلی کے لیے وہ بالکل ایسا ہی ہو گیا تھا جیسا پیشوا نسل سیدواہی کے لیے جو ابھی تک ستارا کی بساط شطرنج پر عصائے شاہی اٹھائے ہوئے موجود تھی اور جس کے دستخط دہر کی اب بھی پونا کے خالی تخت کو پر کرنے کے لیے غدرت ہوا کرتی تھی۔ شاہ عالم بھی ابھی تک شاہ جہاں کے محل میں تاج اکبری زیب فرق کیے جلوہ فرما تھا۔ مگر اب وہ ایک مفتاد سار عضو مغل تھا جس کی بات میں محل شاہی کی دیواروں کے باہر کوئی بات نہیں رہی تھی۔ اور سب جگہ دریائے ستلج سے دریائے نربدا تک صلح و جنگ کے معاملات سندھیا کے احکام کے مطابق طے ہوتے تھے۔ پھر بھی سندھیا کی رائے میں اس وقت تک سب کچھ زیر محفوظ تھا جب تک کہ دکن کے دروازے اُس کے اثر و اقتدار کے لیے بند تھے اور جب تک نانا فرانسس نوجوان پیشوا پر یہ اثر ڈال سکتا تھا کہ وہ ایسے احکام نافذ کرے جن کی تعمیل کرنا بالکل ہو نہ ہو۔

صفحہ ۱۸۳

پیشوا سندھیا کا ہمنام مادھوراؤ تھا یہ وہی شخص تھا جس کی ولادت نے سنگا کی میں لگھو باکے تمام منصوبوں کو بگاڑ دیا تھا۔ ناظرین کو یاد ہو گا کہ اس پیشوا کی ماں اُن دو بھائیوں میں سے ایک کی بیوہ تھی جو یکے بعد دیگرے منصب پیشوائی سے سرفراز بھی ہوئے اور ایسے چپ چاپ تھے تخت و تاج چھوڑ کر میل بسے کہ اُن کے چچا لگھو باکے اغراض کو بڑی مدد لگائی اور اُس نے سٹارن بی گورنمنٹی کی امداد سے

اپنے تئیں پیشوا بنا لیا۔ نانا فرنویس کا اس بیوہ سے تعلق تھا اور جب اس بیوہ کا بیٹا خاند کی وفات کے بعد پیدا ہوا اور ایسے موقع پر پیدا ہوا جو رگھو بابا کے مخالفین کے لئے بڑا کام دیگیا تو اس پر کوئی تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ اسی زمانے میں اس بچے کی ولادت کے تعلق چھ بیگونیوں ہونے لگی تھیں۔ غرض یہ کہ یہ نوجوان عمر بانا چلا گیا اور شبہ شک کی نظریں برابر اس پر پڑتی رہیں۔ فرقہ بندی کا آلہ یہ بنا رہا اور سوائے ایک سازشی شخص کی مرضی کا تابع ہونے کے اپنا ذاتی کوئی ارادہ یہ نہیں رکھتا تھا اب وہ سن بلوغ کو پہنچ کر ترکہ پداری کا حامل ہو گیا تھا اور القاب شاہی سے ممتاز و مفتخر تھا مگر بعد کو جو عبرت ناک حشر اس کا ہوا وہ اس کی اصل حیثیت کو بڑے نظارہ شکن رنگ میں دکھاتا ہے :

نانا فرنویس کی ذات پیشوا کی جان کے لئے بالکل ایسی تھی جیسی کہ پیشوا کی ذات شاہ فرانس کوئی سبزدیم کے لئے تھی یعنی وہ بجائے وزارت کے اتالیقی کرتا تھا نانا فرنویس کو سندھیا کے ساتھ اُس وقت تک کوئی مخالفت نہیں رہتی تھی جب تاک دونوں اپنے اپنے راستے چلے جائیں۔ لیکن اس کو عام طور سے مرہٹہ میکیا ول کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اور اُسی سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کہنے والوں کا اس سے مطلب کیا تھا۔ نانا فرنویس کے واسطے بھی اپنے معلم پیشوا کی طرح ایک عبرتناک خاتمہ انتظار کر رہا تھا۔ لیکن آقا کا خاتمہ جمانی تھا اور شیر کا خاتمہ اخلاقی اور سیاسی تھا یعنی منصب و جاہ کے ساتھ ہی اُس کے اُس وقار کا بھی خاتمہ ہو نیا والا تھا جو اہل وطن کے دلوں میں جاگزیں

۱۷۰۷ء میں مدبر شاہی میں ہوئے فلانسیس میں پیدا ہوا اور ۱۷۸۷ء میں ہراچودہ برس کی عمر میں صلح و آزادی کا معتمد رہا بعد اُس کے دیگر سفارتی کاموں پر مامور کر کے یورپ بھیجا گیا جہاں کے سیاسی تجربات سے اُس نے اپنی تصانیف میں کام لیا۔ اسکا ایک مجموعہ سیاسی مفصلت بہت مشہور ہے جس کا نام دی پرنسپلز اور جواب تک جو ناگاہ تنقید بنا ہوا ہے اس میں اُسے وہ اصول بیان کیئے ہیں جن پر ایک مطلق انسان موزوں نہ ہو سکتا ہے۔ اُن ذرائع پر بحث کی ہے جو استبداد کے قوت تھکر کر ہیں۔ اور اُن فنون و خیال پر زور دیا ہے جو حصول مقصد کیلئے جاہل و نادان استعمال کرتے ہیں یہ مدبر شاہی کے کا نام کو اخلاقی معیار سے نہیں جانتا ہے بلکہ حصول مقصد کیلئے ہر جائز و ناجائز اسلئے سے کام لےنا اس کے لئے جائز سمجھا ہے۔ یہی خاص مشابہت نانا فرنویس اور میکیا ول کے طرز نظر ہے اور

صفحہ ۱۸۵

تھا۔ لیکن بہتہ تمام امور ہماری داستان کے جیلے بیان سے خارج ہیں۔ یہاں صرف اتنی سی گزارش کی ضرورت ہے کہ نانا فرنیس اور پیشوا کا اس قدر چولی دامن کا ساتھ تھا کہ ان دونوں کو لازم و ملزوم کہنا بھی ہو گا۔ بصورت موجودہ اس برہمن وزیر کی قابلیت اور اُس کے مقامی اثر نے سندھیا کی نظر میں وہ انداز اختیار کر لیا تھا کہ اُسکی اپنی خفیت اسے مخدوش نظر آنے لگی تھی اور ذاتی کوشش کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ سندھیا کا کبھی ہرگز یہ ارادہ نہیں تھا کہ پونا داربار سے اپنے تعلقات قطع کر لے بلکہ اُس کی قوت کی جڑ اُسی سلطنت میں تھی جس کا حکمران پیشوا تھا اور ہندوستان میں جو حکومت سندھیا کرتا تھا یہ بھی حکومت پیشوا کی ایک شاخ سمجھ کر کرتا تھا۔ خاص پونا میں نانا فرنیس اُس کے مقابلے میں بہت زبردست تھا البتہ دو خاص صفات یعنی بہت و خفیت کے اعتبار سے سندھیا کا بلکہ چاری تھا سندھیا کو اپنی قوت تسخیر پر پورا بھر دسا تھا کہ ہر ملنے والے کو وہ اپنی خوش خلقی سے گرویدہ کر لیگا اور اُس نے اس موتی کو نوجوان پیشوا پر وقت نکل جانے سے پہلے آزمائنے کا ارادہ کر لیا۔

اس مختصر تبصرہ سے اُس تماشے کی نوعیت بھی اچھی طرح سمجھ سکیا جائے گی جو شامیانہ دربار کے تلے کیا گیا تھا اور سندھیا کے پونا آنکی توجیہ بھی تمام مال جو عالمی آخری فیصلے سے پہلے ایک آدیش اور ہونیوالی تھی مگر یہ ایک اخلاقی جہد حیات تھی جو ایسے دو شخصوں کے درمیان ہونیوالی تھی جن میں سے ایک بیادری میں تھل تھا تو دوسرا بے باکی میں اعلیٰ تھا۔ ہمارے پاس یہ فیصلہ کرنے کا بہت کم مصالحہ ہے بلکہ بالکل نہیں ہے کہ اگر یہ کشاکش محض معمولی سیاسی میدانِ ٹل تک محدود رہتی اور جانر طور سے حصولِ انجام تک جاری رکھی جاتی تو اُس کا نتیجہ کیا ہوتا۔ سندھیا تقریباً ساٹھ سال کا ہو چکا تھا اگرچہ وہ عادیۃً اعتدال و سادگی پسند تھا مگر اُنکی زندگی معروضہ میں گزری تھی۔ علاوہ براں پاؤں کی مغذوری کی وجہ سے وہ بہت زیادہ ورزش کر نیکی قابل بھی نہیں رہا تھا اس لیے اُس پر ایک بھدا مٹا پائی گیا تھا اس وقت اُس کے مقابلے کے لئے نہ صرف ایک مٹین اور ہوشیار برہمن وزیر ہی تھا بلکہ دوسرا مگر بھی تھا جو گزشتہ واقعات کے گھاؤ کھائے ہوئے تھا۔ اور جو کچھ وہ کر چکا تھا اُس سے بھی وہ

طغیہ ۱۸۵

اتنا ہی آگ بھبھو کا ہو رہا تھا جتنا اُس سے جو اُس کے ساتھ کیا جا چکا تھا کیونکہ لاکھری پر شکست کھانے کے بعد اُس نے سندھیا کی جاگیراٹ واقع شمالی مالوہ کو برباد کر کے رکھ دیا تھا اور اُس کے دارالحکومت اُجین کو لوٹ لیا تھا۔ اور سندھیا نے ان بد اعمالیوں کے لئے لائق اب تک اُسے کوئی سزا نہیں دی تھی۔ غرض یہ کہ معافی اب ہلکر کے ہی ہاتھ میں رہی تھی یعنی اگر وہ معاف کر سکتا تو اُس کو وہ بھی معاف کرنا چاہئے تھا جو اُس کے ساتھ کیا گیا تھا اور وہ بھی جو خود اُس نے کیا تھا۔ سب سے بڑی اور آخری دشواری یہ تھی کہ پرانی چال کے مردان میدان کا وہ طبقہ جواب افلاس کی حالت میں تھا مگر اپنے کبر و نخوت کو نہیں چھوڑتا تھا اگر سندھیا سے بالکل نفور نہیں تھا تو اُس کے ساتھ بالکل گرمجوشی کا برتاؤ کرنے پر بھی اس لئے رضامند نہ تھا کہ اُس نے مرہٹوں کی قدیم روش کو چھوڑ کر انھیں بیچ بچیا تھا اور کثرت سے غیر ملکیوں پر نوازشیں کر کے ملکوں کے دل دکھائے تھے۔ اس تماش کے لوگ اس وجہ سے اور بھی برا فرختہ تھے کہ سندھیا نے مسلمانوں کے پیچھے مل سیکھ لئے تھے اور بالکل چھوٹا انکسار اختیار کر رکھا تھا جس کے پرہیز میں وہ اپنی نخوت کو چھپانا چاہتا تھا۔

اُس پر آسانی سے یقین نہیں کیا جاسکتا کہ جون ۱۸۵۷ء کے دربار میں جن بھنوی حرکتوں کا سندھیا نے اظہار کیا تھا اُن سے اُس کے خافین کچھ متاثر ہوئے مگر اس انداز روش سے اگر نوجوان پیشوا کی بالکل آنکھوں میں خاک نہیں پڑ گئی ہوگی تو کم سے کم اُس پر روغن و تاز ضرور مل دیا گیا ہوگا کیونکہ ابھی تک وہ دنیا کے دھندوں میں بالکل خامسکار تھا اور سخت نگرانی سے بے انتہا گھبرا گیا تھا۔ سندھیا نے اس پر اصرار کیا تھا کہ پیشوا اپنے ہاتھ سے اُس کو اپنی نیابت کا وہ منصب عطا فرمائے جو دربار دہلی سے مل چکا تھا۔ کچھ تو اپنے ممتاز ماتحت کے اس تعلق کا اثر پیشوا پر ہو ہی چکا تھا اور رہا سہا پورا آخر سندھیا کی خوش طبعی اور بے تکلفی کا اُس پر ہو گیا۔ چنانچہ پیشوا نے بلکہ اپنا ہم پیالہ دہنوالہ اُن شکار گاہوں اور سیر و تفریح کے موقعوں کے لئے بنالیا جن کے لئے گھر گھانا مانا فرمایا نہ موزوں تھا نہ راضی تھا لیکن وہ پختہ کار بہمن بھی ان تمام حرکتوں کو ایک لمحے کے لئے اپنی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیتا تھا اور یہ روایت کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ پیشوا کے ساتھ کشتی پر سفر کرتے وقت نانا فر نويس نے نہایت سنجیدہ الفاظ میں منجھو کو اس بات پر

فہمائش کی کہ اُس نے اس درجہ عنایات کیوں ایک ذلیل کار پر مبذول فرما رکھی ہیں جو اس قدر اپنے قومی شعار و آداب سے بے پروا ہے جب نانا فرنیس کی تمام پسند و نصیحت بے نتیجہ ثابت ہوئی تو اُس نے با چشم پرہیز اپنے عہدے سے استعفیٰ ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اس ملاقات کی خبر سکر سندھیا نے وہ مزید سپاہ طلب کی تھی جو پیرن کی سرکردگی میں آئی تھی۔

لیکن یہ آدیزش ایک ناگہانی جھٹکا کھا کر ختم ہو گئی۔ ۱۲ فروری ۱۹۴۷ء کو یہ اعلان کیا گیا کہ سندھیا کا بعارضہ نجاتیوں کے ایک موضع دناولی میں انتقال ہو گیا۔ وجہ مرگ تو صرف نجاتی ہی بیان کی گئی تھی مگر اس سے پہلے کسی قسم کی علامت کا کوئی دستاویزی ثبوت موجود نہیں ہے۔ تاہم مظفری کا صاحب معلومات معاصر صنف ایک لمبی داستان بیان کرتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شام کے وقت ٹیل کوراتے میں ایک مسلح گروہ نے گھیر لیا جو خاص اسی کام کے لیے نانا فرنیس نے کینگا میں بٹھادیا تھا۔ یہ بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ نانا فرنیس کے پاس سندھیا کو اپنے راستے سے ہٹا دینے کی کوشش کرنے کے معقول وجوہ موجود تھے یہی مومن لکھتا ہے کہ سندھیا اور اُس کے ہمراہیوں نے ایسی سخت مدافعت کی کہ حملہ آوروں کو جھٹکا کر چھوڑا لیکن مدافعت کا سردار اپنے شدید زخم کھا چکا تھا کہ وہ دوسرے ہی دن اسکی ہلاکت کا باعث ہو گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسا واقعہ مرہٹہ سیاسیات میں بالکل غیر معمولی نہیں تھا۔ اس واقعے کے کئی اہل بدگنگا دھرشا ستری کے قتل سے بیخوشی کا بالکل ہی خاتمہ ہو گیا۔ مگر گرانٹ ڈن اس افواہ کا کوئی حوالہ نہیں دیتا ہے اور صرف اتنا کہتا ہے کہ مادھوجی کا انتقال بری سیاسی اہمیت کا واقعہ تھا کیونکہ مادھوجی برہمنوں کے مد سے زیادہ بڑھے ہوئے اقتدار کا جانی دشمن تھا۔

یہی محتاط مومن کہتا ہے کہ مادھوجی سندھیا ایک مردانہ سادگی اپنی طبیعت میں رکھتا تھا جس نے اُس کی شان کو ضابطہ کی آرائش اور عنیش پسندی کی دلہری سے یکساں اٹلی و بالا کر رکھا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مادھوجی اپنی طرز ماند و بود میں ان اصولوں پر چلتا تھا جو اُس نے اپنی ذاتی قوت و ادراک و معاملہ فہمی سے بنائے تھے اگرچہ وہ کسی طرح قدامت پسند طبقے میں شریک نہیں تھا پھر بھی وہ اپنے آبا و اجداد کے

سندھیا کی زندگی

صفحہ ۱۰

نقش قدم پر اتنا سا ضرور چلتا تھا کہ حقیقی عظمت کو کافی سمجھ کر اُس کی شایان شان نمائش سے بے پروا تھا۔ تمام مہٹوں کی خصوصیات کی مثالیں سر جان لکھنے اُس موقع پر دی ہیں جہاں مورخ موصوف نے اُن طریقوں کا تذکرہ کیا ہے جن پر چکر بعض مرثیہ تقدیر نے بعض ممالک حاصل کیے تھے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک مثال یہاں کافی سمجھ کر ہم صوبہ مالوہ ہی کو لیتے ہیں جس کا کثرت سے اس داستان میں بھی تذکرہ آیا ہے یہ وہ قطعہ ملک تھا جو پیشوا بالاجی باجی راؤ نے سلطنت دہلی سے اُس وقت جھین لیا تھا جبکہ نواب آصف جاہ اس کو چھوڑ کر ملک حیدرآباد میں اپنا ایک نیا مقبوضہ قائم کر کے خیال سے گئے تھے۔ نواب آصف جاہ کے جانیکے بعد سب سے ادل اس پر دربار دہلی کی طرف سے ایک ہندو صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ اس نے میں پیشوا نے بعض اہل مالوہ کی سازش سے مالوہ میں داخلہ حاصل کیا۔ اس پر دربار دہلی کے ساتھ نامہ و پیام کی نوبت آئی۔ اس کا اختتام اس طرح پر ہوا کہ پیشوا اس بات پر راضی ہو گیا کہ اس صوبے پر سلطنت دہلی کے باجدار کی حیثیت سے حکومت کرے۔ لیکن پیشوا نے اس صوبے پر حقیقی قبضہ ملہا راؤ ہلکرا در رانوجی سندھیا کو برابر برابر دو حصے کر کے دیدیا دریاں حالیکہ ضابطہ کی دستاویز یہ مرتب کی گئی تھی کہ اس ملک پر پیشوا تاج دہلی کی ماتحتی میں قابض رہے گا۔ دونوں قابضوں نے یعنی ہلکرا در سندھیا نے اس دستاویز پر پیشوا کی قفاداری عہد کی ضمانت لکھی تھی کہ اگر پیشوا انہیں تیس و قفادار صوبہ دار نہیں ثابت کر لے گا تو ہر دو ضمن پیشوا کے دشمن ہو جائیں گے۔ لیکن اس تمام تحریر بازی نے ان دونوں سرداروں کو اس صوبے کی حکمرانی و فوائد کا تقاسمہ کر لینے سے باز نہیں رکھا اور چشیت ملازمان پیشوا کے وہ فائل آمدنی پیشوا ہی کو دیتے رہے۔

غرض یہ کہ مادھوی سندھیا بھی بالکل اپنے آبا کے نقش قدم پر چلا جبکہ اُس نے ظلم و اطاعت کر کے حقیقی مطلع کا درجہ حاصل کر لیا یعنی جبکہ وہ ادنی چاکر کا روپ بھر کر تمام ہندوستان کا مالک بن بیٹھا۔ جب تک حقیقی فوائد اُس کے ہاتھ میں تھے تب تک وہ نہایت خوشی سے اپنے تئیں پیشوا کا نقش بردار اور اُس کا قیل کہتا اور کہہلاتا تھا۔ لیکن وہ اپنے پیشوردوں سے اس بات میں اختلاف رکھتا تھا کہ اُس میں ایک زبردست قوت ادراک اور غیر متزلزل کلین ایسی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنے

۱

یہ عا کے دامن سے لیٹا رہتا تھا اور جب وہ مدعا حاصل ہو جاتا تو اسے ایک قدم اور بڑھانے کے لئے کام میں لاتا تھا۔

اس معاملے کی سطح پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہماری نظر بالکل تہ تک ہی پہنچ کر ٹہرتی ہے اور ہمیں سندھیا کی شخصیت میں ایک نئی وصیت ایسی نظر آتی ہے جس میں بہت کم مشابہ عالم اُس کے شریک نظر آتے ہیں۔ ایوکر اریول اور لارڈ ہٹھم نے وقتاً فوقتاً جو روپ بھرے ہیں وہ سب اس موقع پر ہم کو یاد آجاتے ہیں یہ دونوں بھی خصوصیات مائلت اور اثرات رنگبازی سے بالائیں تھے۔ مگر ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو اپنی اُس مائلت سے خود فریبی کا شکار بن گیا ہو جو اُس نے کسی محمد سپاہ کی یا کسی ایوان آئین سازی کی خاطر اختیار کی ہو۔ اس سے کم ہم کو سندھیا کی خصوصیت کا اندازہ اُس کی شان مائلت میں نہیں کرنا چاہئے۔ وہ کبھی اپنی نہایت پہلی کو عین اُس وقت پر بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتا تھا جبکہ وہ بلا جبر انتہائے انکسار سے کام لیتا ہوتا تھا۔ اگر وہ دیگر اشخاص کو وہ ناشیں پیش کرتا تھا انھیں وہ خود حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا تو وہ علانیہ اس حقارت کا اظہار کر دیتا تھا۔ اور کبھی ان ناشیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھنے کا ادا نہیں کرتا تھا جن کو دیگر اشخاص خراج تحسین سمجھ کر اُس کے ہاتھوں سے بڑے شوق کے ساتھ قبول کر لیتے تھے بہر حال اس معاملے میں جس غلطی کا اُس کو انصافاً الزام دیا جاسکتا ہے وہ یہ تھی کہ وہ جمہور کی معاملہ فہمی کا اندازہ پہلی معیار سے بہت کم کیا کرتا تھا اور اکثر اپنی سمجھ میں اس قدر مبازر کرتا تھا کہ بجائے رنج شکوک کے بدظنی بڑھ جاتی تھی۔ ایک اور نقطہ جو اُس کی طبیعت میں تھا اُس کا پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے یعنی یہ کہ جو بہت مردانہ اسے ولعت لگتی تھی وہ جس طرح اُسے بداقبالی کے وقت مستعد اور دلیر بنائے گئی تھی اسی طرح خوش اقبالی کے وقت اُس کو حدود احتیاط سے باہر بھی نکال دیتی تھی۔

سب سے آخر میں یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اُس کی سیاسی زندگی ہمیشہ بہت محتاط نہیں تھی۔ جولیت وعل کا انداز اُس نے اُس وقت اختیار کیا جب کہ رگھو بابا منصب پیشوا کی پروانٹ جائے ہوئے تھا وہ انداز کمپیٹر قابل توجہ نہیں ہے۔ اگر سندھیا نے اس مدعی حکومت کے جرم کسی وجہ سے بالکل نظر انداز کر دیئے تھے تو پھر

ایک عالی حوصلہ سردار کی طرح سندھیا کا کام یہ تھا کہ وہ اپنی امداد کو برابر جاری رکھتا اور عین اُس وقت پر پہلو نہ بجاتا بلکہ امداد کی اشد ضرورت تھی۔ اس کے بعد یہ الزام بھی قرین قیاس ہے کہ اگر سندھیا نے افراسیاب خاں کے قتل کا خود ایا نہیں کیا تو کم از کم اس کو مسباح ضرور سمجھا۔ قاتل کی سزایابی کا کوئی دستاویزی ثبوت موجود نہیں ہے۔ دریاں حالیکہ اُس کے قاتل ہونے کا کافی سے زیادہ ثبوت موجود تھا اور اُس نے بھاگ کر سندھیا کے لشکر میں پناہ بھی لی تھی۔ دوم مرتبہ سندھیا نے بیچ و بیچ طریقوں سے یہ امتحان کرنا چاہا کہ وہ برطانوی حکام کی غنایات سے یہم خراج مراعات بھی وصول کر سکتا ہے یا نہیں کہ اُن سے خراج بنگال وصول کر لے۔ اس مطالبے پر امداد کے ساتھ قائم رہنے کے جائز وجوہ سندھیا کے پاس موجود تھے اور اُس کو اپنی طرف سے بریت مطلق اتنی جلدی نہیں پیش کرنی چاہیے تھی جو ایک حد تک تو دنیا آمیز تھی۔

یہ کہنا ایک فرسودہ رائے کا ظاہر کرنا ہے کہ سندھیا کے زمانے کے اور سندھیا کی طبیعت کے آدمی کی زندگی کی تنقید کرتے وقت ہم کو وہ محک نہیں استعمال کرنی چاہیے جس پر زمانہ حال کی یورپین معاشرت کسی جاتی ہے۔ پھر بھی حقیقت ہندی کو یاد کر لینا بھی کسی کارآمد ضرور ہو جایا کرتا ہے۔ اور اس خاص معاملے میں ایسا یاد کر لینا غیر ضروری احتیاط سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اس سے زیادہ متعدد زمانوں میں اس سے بڑھ کر بدیہی تہذیب و معاشرت مدتوں کی خصوصیات ہمیشہ خاص خاص کسوٹیوں پر کسی جاتی ہیں۔ ایک ممتاز جرمن بیرن بیوسٹ کا مقولہ ہے کہ سیاسیات کا بھی ایک علمہ علم الاخلاق ہے۔ اور یہ مقولہ بہت پرانے زمانے کا نہیں ہے۔ اور براہیم لنگن بمقابلہ نیپولین ثالث کے ہمارے زمانے سے قریب تر ستشی ہو کر رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سندھیا کے زمانے کے ہند میں جو اشخاص کہ معاملات سلطنت میں پیش پیش ہوتے تھے وہ عموماً بدتماش و بدکردار ہوتے تھے۔ غازی الدین ہی کو دیکھو جس نے اپنے بے تصور بادشاہ کو قتل کر ڈالا اور اپنی ہی رعایا کے قتل و غارتگری کا اہتمام کیا تھا۔ گھوٹاکی اُس خونریزی کو خیال کرو جو اُس نے اپنے ہی خاندان کے اندر روا رکھی۔ پھر بھی ان لوگوں کو برابر کامیابیاں اُس وقت تک ہوتی رہیں جب تک

صفحہ ۱۹۱

یہ ہمہ زور مند رہے اور جس وقت بہ اپنی بساط سے آگے بڑھنے لگے تب انکو ناکامی کا
 منہ دیکھتا پڑا۔ نجیب الدولہ اور میرزا نجف خاں بیشک ایسے اشخاص تھے جو غربت دار
 بھی رہے۔ اور کامیاب بھی رہے۔ لیکن اُن کو اُن مشنات سے زیادہ نہیں سمجھا جاسکتا جو
 کسی کلیہ کے ثبوت کے لئے لازم ہوتے ہیں۔ کم سے کم ایشیا کے سرکاری آدمیوں میں
 کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کو انصافاً ماہو جی سندھیا کا قیل ہی کہا جاسکے۔ اور اُن
 سب کے مقابلے میں اُس کو نہ صرف اپنی کامیابیوں کے اعتبار سے بلکہ اپنے دل
 و دماغ کی قابلیتوں کے لحاظ سے بھی فوقیت حاصل تھی۔ اور اس فوقیت کے کثرت سے
 ثبوت ہمارے اس تذکرے میں دیئے گئے ہیں جو مختلف ماخذوں سے جمع کیے گئے ہیں۔
 جو واقعات کہ اُس نسل سے متعلق جمع کیے گئے ہیں جو سندھیا کے بعد آئی اُسے
 سندھیا کی شخصیت پر اور زیادہ روشنی پڑتی ہے اور اُس استنباط کی تصدیق ہو جاتی
 ہے جو اُس کے افعال سے کیا جاتا ہے۔ نتیجہ اگر جنسیت مجموعی قابل تعریف نہیں ہوتا تو
 قابل اطمینان ضرور ہوتا ہے۔ یعنی معقول منصوبوں کی اصلیت کو سمجھ کر وہ پختہ کرتا تھا اور
 بہادری اور دور اندیشی کے ساتھ اُن کے حصول کی کوشش کرتا تھا اور اپنی حیثیت اور
 اپنے زمانے کی دلفریبیوں کا شکار نہیں ہوتا تھا۔ و خیا نہ طوائف الملوک کے منظر عام
 میں جبکہ معاشرت کی رئیس ڈوریوں میں گتھیاں پڑی ہوئی تھیں اُس کا معاملہ سب
 کے ساتھ سلجھا ہوا تھا (وہ متواضع تھا اور بی رحمیوں سے بالکل مبرا تھا۔ اگرچہ اُسکی طبیعت
 اتنی ذکی الحس تھی کہ وہ کینہ توزی کی حد تک پہنچا ہوا تھا مگر وہ اپنی طبیعت پر قابو رکھتا
 تھا اور رفتہ رفتہ ان رسوم کی اصلاح کرتا جاتا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ سٹائٹس اُسے
 نجیب الدولہ اور رومیوں سے انتقام لینے پر کس قدر زور دیا تھا اور اُن کو معاف
 کرنے میں شرکت کرنے پر یا اتفاقی خیالات کو دل سے نکال دینے پر اُس کو ترجیح
 دی تھی کہ کچھ عرصے کے لئے اپنے حوصلہ مند منصوبوں کے میدان عمل ہی سے اپنے
 تئیں باہر نکال لے۔ اس کے ساتھ ہی جب ہم اُس کی حقارت آمیز درگزر کو ہلکے

صفحہ ۱۹۲

لے ہمارے ماخذوں کی فہرست دیا ہے یہیں دیکھو۔ سندھیا کی اتنے مختلف آدمیوں نے عج و ثنائی ہے
 مثلاً جان مالکرم گرانٹ ڈنٹ۔ ڈی بائسن۔ حاکمین روایات ہمارا شہر اور مسلمان مومنین۔ ۱۲ مصنف

سندھیا نہ بلکہ جیسا نہ طرز عمل کے جواب میں دیکھتے ہیں تو ہم کو اُس اخلاقی ترقی کا اندازہ لگانے کے کچھ ذرائع مل جاتے ہیں جو اُس نے بیس سال کے عرصے میں کر لی تھی۔ ہم نے یہ کہہ دیکھتے ہیں کہ وہ محض بیرونی بلاؤں پر ہی نہیں بلکہ اندرونی بلاؤں پر بھی غالب آتا رہا ہے اور ان اندرونی بلاؤں میں سے ایک اُس کی مغلوب الغضب کو بھی شمار کرنا چاہیے کیونکہ اگرچہ بد فرنگی کو کوشش کر کے ضبط کرنے کی قابلیت سندھیا کی سی زندگی میں بیکار نہیں تھی بلکہ ایسے شخص کے لئے ناگزیر تھی جو خود نیک نیت تھا اور بد قماشوں سے گھرا ہوا تھا۔ پھر بھی مغلوب الغضب کا سقم جو اس قابلیت کے ساتھ اُس میں موجود تھا وہ بھی منزل مقصود کے لئے سنگ راہ سے کم نہیں تھا۔ وہ بے کی طرح غصے کا بھی یہہ قاعدہ ہے کہ شبی جلد آتا ہے اتنی جلدی جلا بھی جاتا ہے۔ مگر سندھیا کے معاملے میں یہہ کلیہ صادق نہیں آتا تھا کیونکہ اُسے جلد غصہ آتا تھا اور دیر سے اور مشکل سے اُترتا تھا۔ لیکن اگر وہ کسی برائی کو بہت کم معاف کرتا تھا تو وہ کسی جملائی کو ہرگز نہیں بھولتا تھا۔ اگر وہ سزا دینے میں جہاں سزا کی ضرورت ہوتی بہت سخت تھا مگر وہ سنگدل بھی نہیں تھا نہ بے ضرورت سزا پہنچانے کا عادی تھا۔ اور جب حسن خدمات کا صلہ دینے پر آتا تھا تو اُس کی احسان شناسی نہ کسی حد کو جانتی تھی نہ کبھی فراموشی کا حیلہ ڈھونڈتی تھی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہہ نکلا تھا کہ اُس کی خدمتگزاری ہمیشہ وفاداری و محبت کے ساتھ کی جاتی تھی اور اُس کی مرضی کا خیال اُس وقت بھی رکھا جاتا تھا جبکہ وہ مرچکا تھا اور اپنی مرضی کو نہیں جلا سکتا تھا۔ ڈی بائن کے تذکرے کو پڑھتے وقت یہہ سمجھنا ناممکن ہو جاتا ہے کہ سندھیا کی کامیابی کس قدر اُن نیک خیالات پر منحصر تھی جو وہ لوگوں میں اپنی اخلاقی خوبیوں کی وجہ سے پیدا ہو جاتے تھے اور اُس اعتماد پر مبنی تھی جو اُس کے ماتحتوں کو اُس کی وضع کاری و فائے عہد اور کھلی ارادہ پر تھا۔ اگر اُس کو بالکل نیکراج نہیں تو خوش مزاج ضرور کہا جاسکتا ہے اور اُس کے چہرے سے بادل جو غیر معمولی سیاہی کے بھی ہوشمندی کے آثار اور دلفریبی کے انداز ظاہر ہوتے تھے حسن اتفاق سے ان صفات کا اہل عکس ایک نامعلوم الاسم ایٹالوی نقاش نے اُتارا ہے جس نے سندھیا کی موت سے کچھ ہی پہلے پونا میں اُسکی تصویر کھینچی تھی۔ یہہ تصویر جو اس وقت رائٹ آریبل سرایم گرانٹ ڈن کے قبضے میں ہے وہ فٹ طویل اور اچھ فٹ عرض کے

چکنے کا غنڈہ پر ہے اور نہایت جموت کے ساتھ کھینچی گئی ہے اگرچہ رنگ میں ذرا بھدی ہے
اس میں ہر طرف سر اور شانے نمودار ہیں جن سے یہم اندازہ ضرور ہو سکتا ہے کہ جسم کی
فہرہ کی کوئی بہت زیادہ نہیں ہوگی۔ سندھیا کہہ اخلاق بالکل ایسے تھے جیسے یہ تصویر
نہایت حال سے بتاتی ہے یعنی باوجود ان فیوضات مہانت کے جو وہ ضرورت وقت
کے لحاظ اختیار کر لیتا تھا وہ سادہ دل اور فصیح سے نفور تھا۔
اسکی ذاتی زندگی نہایت سادہ اور نفس کش تھی۔ اُس نے اپنے زمانے کے
مہذبہ اشخاص سے بہتر تعلیم پائی تھی اس لیے وہ نہ صرف لکھ پڑھ سکتا تھا بلکہ عمدہ
حساب و ان بھی تھا اور فارسی و اردو کی روزمرہ سے واقف تھا۔ وہ کار بار میں ماہر
تھا اور جنگ یا ملکی انتظام کی تفصیلات پر دماغ سوزی کیے بغیر بھی جوینہ ایسے کارکن
منتخب کر لیا کرتا تھا جن پر وہ پورا اعتماد رکھتا تھا اور جو اُس کے اعتماد کے پورے
اہل ثابت ہو جتے تھے جس طرح سندھوستان میں اڑی بان نے اُس کی نہایت
وفاداری سے خدمت کی اس طرح وسط ہند کے وہ حکام جو اُس نے آجین گوالیار
میں مقیم کر دیئے تھے جہاں اُس کو نگرانی یا معائنہ کرنے کا اپنی زندگی کے بڑے حصے
میں موقع نہیں ملا اُس کی طرف سے لڑائیاں لڑنے میں یا اُس کے ملکی معاملات
کے انصرام میں اڑی بان سے کم کامیاب نہیں رہتے تھے۔ خود مصنف سے ہند کے
ایک زبردست مرہٹہ مہاراجا سردار رائے نے یہ کہا کہ پونا کے اعلیٰ طبقے میں ایک
روایت وہ بڑے بوڑھے بیان کیا کرتے ہیں جنہوں نے سندھیا کو دیکھا ہے کہ سندھیا
بڑی خوبیوں کا اور بڑے دل والا آقا تھا اور صرف اُن لوگوں کو معاف نہیں کرتا تھا
جو جنگ میں اظہارِ بزدلی کرتے تھے ورنہ اور سب کے ساتھ اُس کی مراعات و رعایا
یکساں تھیں۔ اور نہ دل غنایات کا معیار بلکہ اخلاقیات یا قومیت کے صرف
اظہار قابلیت تھا۔ اسی اصول عمل سے مخلوق کے دل مسخر کر لیے جاتے ہیں اور
بڑی بڑی سلطنتیں قائم کر دی جاتی ہیں خاص کر مشرق میں جہاں خود مختاری تلون نراچی
پیدا کرتی ہے اور تلون نراچی ماتحتوں کی جانب سے بے اعتباری و بے اعتنائی اور ہری طرح
سے خدمت نزاری کا موجب ہو جاتی ہے جسکا انجام بغاوت اور تباہی ہوتا ہے۔
اس کا بہترین ثبوت کہ ہم سندھیا کی توصیف میں مبالغہ نہیں کر رہے ہیں

اُن مشکلات سے مل سکتا ہے جن کا سندھیا کے جانشین کو سامنا کرنا پڑا۔ سندھیا لا ولد مرا اور اُس نے کسی کو شہنی کرنے کی کوئی باضابطہ رسم ہی نہیں ادا کی اور جو اقتدار اُس نے پیدا کر لیا تھا اُس کو وہ ایسے شخص کے لئے چھوڑ گیا جو اُس کے خاندان بھرتیں سب سے زیادہ قابل ہو۔ اور اپنا وارث پندرہ سال کے ایک نوخیز لڑکے کو زبانی نامزد کر گیا۔ یہ نوجوان دولت راؤ تھا جو سندھیا کے سب سے چھوٹے بھتیجے انندی راؤ کا بیٹا تھا۔ بوڑھے سندھیانے جو وقار و احترام دلوں میں پیدا کر لیا تھا اُسکی واضح ترین علامت یہ ہے کہ باوجود خود سندھیا کی بیوا کی مخالفت کے اس خامکار نوجوان کو عزت و شان والے دادا کی زبانی وصیت کی تعمیل میں فوراً جانشین تسلیم کر لیا گیا۔ گرانٹ ڈف کہتا ہے کہ سندھیا کے جملہ متعلقین خاندان اور جملہ مرہٹے حکام نے مبارکباد کے پیغام بھیجے چنانچہ یہ لڑکا جو ابھی تک پنا پندرہواں سال بھی پورا نہیں کر چکا تھا مادھوجی کی وسیع مملکت کا لاکلام مالک بن گیا۔

۱۹۵ء

جو لوگ ایسے معاملات میں ہندو طبع نظر کو سمجھتے ہیں وہ جب اُس کو دیکھیں کہ سندھیا لا ولد فوت ہوا اور اُس نے کوئی وارث اپنی کریا کرم کے لئے بھی سنبھالی نہیں کیا تو اُن کو متوفی کی حقیقت پسندی کا اچھی طرح ثبوت مل جائیگا اور معلوم ہو جائیگا کہ وہ اپنے ملک دزمانے کے توہمات و رسومات سے کس درجہ بالا تھا۔ آج کل کے زمانے تک بھی ہندو میں متوفی کی روح کی شانتی کے لئے کریا کرم پر وہی عقیدہ ہے جو دور عیسوی شروع ہونے سے پہلے یورپ میں متروک ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ جب کوئی ہندو اپنی موت کا وقت قریب آتا دیکھتا ہے اور اپنا ذاتی وارث نہیں رکھتا تو وہ عموماً ایک صفائی وارث بنالیتا ہے تاکہ نسل کو قائم رکھنے کے فرائض ادا کرتا رہے اور سب سے بڑھکر یہ کہ متوفی کے ذاتی عیش و آرام کو عالم ارواح میں قائم رکھ سکے جب اس اصول کی اہمیت کو ہم سمجھیں تب ہم اُس شخص کی آزاد طبیعت کا اندازہ کر سکیں گے جس نے اپنے عالم ارواح کے آرام کی بھی کوئی پروا نہیں کی اور اپنے جانشین کے معاملے کو صرف زبانی وصیت پر اس لئے چھوڑ دیا کہ اُسے اپنے وفادار حکام پر پورا اعتماد و اعتبار تھا۔ ظاہر ہے کہ مادھوجی کو جتنی کم اس عالم کی شان و شوکت کی پروا تھی اتنی ہی کم اُس عالم کی ہمدیت و جبروت کی فکر تھی۔ چنانچہ اُس نے اپنے محکوموں کو اپنے وارث کے انتخاب سے

بارے میں ہدایات دیں اور جب وہ مر گیا تو انڈی راؤ کا بیٹا شجرہ خاندانی کی ایک شاخ بنا دیا گیا اور متوفی انگریزوں کی زبان پر اور محض بے ضابطہ وصیت کی ہر حیثیت سے انہی ہی تکمیل کے ساتھ تعمیل ہو گئی تھنی کہ اُس وقت ہوتی جبکہ ہونا کے تمام شاستری اُس کی باضابطہ رسم تنہیت کی ادائیگی میں شریک ہوتے رہا یہ امر کہ یہ وارث اپنے مورث کے برابر اقبال مند نہیں رہا اُس کو کیفیت مایوس سے منسوب کرنا چاہیے کہ یہ ہمارے تذکرے کا جزو نہیں ہے کہ ہم با تفصیل اس وراثت کے نتائج بیان کریں لیکن غلط اُن سب کے ہم یہاں معدودے چند کو اُن مشکلات کے ظاہر کرنے کے لئے ضرور نقل کرینگے جو اُس صورت حالات کے راستے میں حاصل ہو گئی تھیں جس پر ہم بحث کر آئے ہیں اور جن سے وہ خاص صفات بھی غنائی ہو جائیں گی جن سے ان مشکلات کے فرو کرنے میں سندھیا کام لیا کرتا تھا۔ اس دوران میں سیاسی میں جو اپنے منصب میں کو خوب سمجھتا تھا اور اپنی قسمت کا خود دھنی تھا اور اُس تلون مہراجہ نوجوان میں جو ناز و نعم میں پرورش پایا تھا اور خوشامدی ندیوں سے بروقت گہرا رہا تھا جو فرق تھا وہ بہت جلد ظاہر ہو گیا۔ بادھوی نے ہمیشہ یہ کام اپنے الٹی سمجھا کہ ایک ایسی حیثیت کے پیدا کرنے کے مسئلہ اور قریبی منصوبے کی طرف متوجہ رہے جس میں اُس کو خود مختار حکومت کی مسرت کے ساتھ اُس عظیم برادری کا رکن عظیم بنا رہنے کے فوائد بھی حاصل ہوتے رہیں جس کا صدر اعظم پیشوا تھا۔ اس منصوبے کے حصول کے لئے اُسے یہ ضروری معلوم ہوا کہ غیر متزلزل پارادری کے ساتھ ہندوستان میں جنگ اور حکومت کیے جائے اور یونانیں بھی اپنی سیاسی حیثیت کا بدلہ لہکا نہونے دے۔ یعنی نانا فرانس کے ساتھ برابر کے جوڑ توڑ قائم رکھے۔ ہلکر کی نظروں میں اپنی عزت بنائے رہے اور انگریزوں کے ساتھ دوستانہ غیر جانبداری برتے جائے۔ لیکن اُس نے مرہٹہ حق نگاہ ادا کرنے میں کبھی تامل نہیں کیا اور جانشینی کے تنازعات میں کبھی تلوار نیام سے نہیں نکالی اُس نے کبھی انگریزوں کو اُس وقت دکانا نہیں چاہا جب انھیں کسی بات پر دل سے آمادہ دیکھا اور اُس نے ہلکر کو مایوسی کی نوبت تک نہیں آنے دیا۔

لیکن جب وہ مر گیا تو اُس کا جانشین اس زبردست حکومت کو چلانیکا باطل اہل نہیں ثابت ہوا۔ سب سے پہلی حرکت تو یہ ہوئی کہ نوجوان پیشوا نے نانا فرانس کی

سخت آتالیتی سے اکتا کر موت کے واسن حمایت میں پناہ ڈھونڈھی اور کوٹھی کرلی
دولت راؤ جانشینی کے تنازعہ میں شریک ہو گیا اور کبھی ایک طرف ہو جاتا اور کبھی
دوسری طرف ہو جاتا۔ آخر کار اُسے اس پر لگا لیا گیا کہ اُس نے علاقہ باجی راؤ کی
طرفداری شروع کر دی جو پرانے مدعی رگھو بکا بیٹا تھا۔ اور جب باجی راؤ پیشوا ہو گیا تو
دولت راؤ نے نانا فرنویس کی بالگیر گرفتاری میں امداد نہ شرکت کی جس نے اگرچہ قید
میں وفات نہیں پائی مگر بڑی ذلت سے جان دی۔ اس کے بعد دولت راؤ نے اپنے
مورث کی بیواؤں سے بدسلوکی کر کے مخلوق کو اپنے سے نفرت کر لیا۔ پھر اُس نے
نانا فرنویس کی جائداد پر قبضہ کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے اُس نے پیشوا سے جھگڑا
مول لیا جس کے تین وزیروں کو اُس نے گرفتار کر کے ہوا ڈالا۔ اسی طرح ہلکر کے
معاملے میں اُس نے ناقابل اصلاح نفاذ کی جس سے بہت کچھ غور و تری
اور عام تباہی پھیل گئی۔ لیکن اُس کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ اُس کا اظہار
اُس نے انگریزوں کے ساتھ اپنے طرز عمل میں کیا۔

مادھوجی سندھیا نے دولت برطانیہ کا ہمیشہ نہایت معقول احترام مد نظر
رکھا تھا۔ جس وقت کہ گوڈارڈ مغربی علاقے میں آیا ہے اور اُس نے برطانیہ کی
عزت کو بحال کیا ہے اُس سے پہلے جبکہ انگریز نہایت آغل کو بچنے تھے اسوقت
بھی مادھوجی سندھیا انگریزی سپاہیوں کے انداز حرب کی دل سے تکرر کرتا تھا۔
گرانٹ ڈفٹ کہتا ہے کہ اجرن اور کرناک کی ہزیمتوں کے وقت جب انگریزی
ویل واڈکانوالی جاں بخشی کے معاملے میں گفتگو کرنے آیا ہوا تھا سندھیا نے اپنے
لشکریوں سے مخاطب ہو کر دبی آوازیں کہا تھا کہ تم لوگ کیا سپاہی ہو۔ اُن کی
صفت بالکل ایک سرخ انیشوں کی دیوار ہوتی ہے کہ جہاں ایک گرتا ہے وہیں فوراً
دوسرا خالی جگہ میں اگھستتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ کسی دن میں بھی اُسی طرف ہو کر
لڑتا ہوں گا۔ سر جان ملن جو اس واقعے کو کسی قدر اختلاف اس کے ساتھ بیان کرتا ہے
یہ بھی کہتا ہے کہ اس کے بعد سندھیا نے یہ کہا تھا کہ بس ایسی سپاہ رکھنے کو
میرا دل بھی چاہتا ہے۔ اسی طرح پائرس نے رومی سپاہیوں کی تعریف اُس وقت
کی تھی جبکہ وہ انھیں ہر قلیہ پر شکست دے چکا تھا۔ اور اسی اسپر وٹ سردار

کی طرح سندھیا نے بھی کبھی بالارادہ کوئی تنازعہ اس حکومت سے نہیں کیا جس کے پاس جنگ کا ایسا عمدہ مصالحہ تھا۔ سندھیا نے حتی الامکان انگریزوں کی نقل و حرکت کی انتہائی کوشش کی لیکن کبھی خود اس نے یا اس کے لائق سپہ سالار نے اس نقل کی اصلیت کے بارے میں مبالغہ نہیں کیا۔ انگریزوں سے کبھی نہ لڑنا بلکہ ان سے لڑیکے بجائے اپنے نئے طرز کے تمام سپاہیوں کو برخواست کر دیا یہ وہ نصیحت تھی جو دولت راؤ کو ڈی بائرن کے توسط سے درتے میں پہنچی تھی۔ لیکن جنرل ڈی بائرن نے ۱۸۴۷ء میں مہندوستان چھوڑ دیا اور سپہ سالاری پر اس کا جانشین جسٹس سپرن ہوا جو اپنے تربیت رکھنے والے خاندان سے تھا اور پرفریب آسپین کے ساتھ جو عام تعصب برتا جاتا تھا اس میں پورا پورا حصہ لینے والا تھا اور نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد بد حال ملک کا منہ دکھنا پڑا۔

دولت راؤ شاید بہترین جانشین تھا جسے سندھیا اپنے خاندان سے منتخب کر سکتا تھا لیکن اس نے بہت جلد اپنی اخلاقی اور ادراکی حیثیت سے اپنے تئیں اپنے دادا کے پیچیدار آلہ حکومت کو چلانے کا یا جلد رکھنے کا نا اہل ثابت کر دیا۔ بجائے شہنشاہ دہلی کے ہاں پیشوا کا نائب نیب بنارہنے کے اس نے بہت جلد اپنے تئیں پیشوا کا متبع بردار بنا لیا۔ اس نے اپنی سپاہ کو غیر ملکی زبائیں سے بھر لیا تھا اور اپنے منیر ایسے نامعلوم اشخاص بنالئے تھے جو اول درجہ کے بد چلن اور بد تماشا رہ چکے تھے۔ اس نے اپنی سفاکیوں سے عام مخلوق کے دل میں تنفر پیدا کر دیا تھا اور اپنے مرہٹہ مددگاروں کو برا کر دیا تھا۔ پونا کے دربار اور مجلس حکومت کے ساتھ اس کا برتاؤ عادتاً کتا خانہ رہتا تھا جو اکثر سند مزاحیہ تک پہنچ جاتا تھا۔ اس نے شہر پونا کو لوٹا۔ بڑے بڑے سرکاری آدمیوں کو قید یا قتل کر ڈالا۔ ہلکے کے خاندان میں تنازعات جاگڑاؤ اور قتل تک کی نوشتیں لاڈالیں اور مرہٹہ برادری کا شیرازہ درجہ ہلاکت تک پرانندہ کر دیا۔ سب سے آخر میں اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ تشدد کا برتاؤ کرنا چاہا جو بد حال ملک کی وجہ سے نقصان اٹھاتا ہی نہ تھا۔ اور بہت جلد ایک ایسے جہاز کی طرح

جسکی رہائی ساحل کی طرف غلط کی گئی ہو تباہ و غارت ہو گیا۔ اُس کی قواعد و اسلحہ سپاہ اُس سپاہ کے مقابلے میں جس کے نمونے پر یہ تیار کی گئی تھی آخر کار کمزور ثابت ہوئی اور اس سے ایک طرف قدامت پرست مرہٹوں کے قبل از وقت خطرات اچھی طرح صبح نکلے اور دوسری طرف اُس جنگجو اور عاقل انگریز کی رائے کی تصدیق ہو گئی جس نے اپنے چند آتش کے برکاتوں سے میدان آسائی میں آگ لگا دی تھی۔ اگرچہ یہ لڑائی مول لینی اول درجے کی نادانی تھی پھر بھی گرانٹ ڈن جیسا سربراہ و رہنما تاریخی نقاد تک یہ نہیں کہہ سکتا کہ سندھیا کی اس اہل تجویز میں کوئی سقم تھا کہ اُس نے انگریزی قواعد و ضابطے کو اپنی فوج میں رواج دیا۔ البتہ وہ ضابطہ و قاعدہ مستقیم اُس وقت ہو گیا جب اُس نے طبیعت میں غرور پیدا کر کے ایک بے جوڑ لڑائی میں مصروف کر دیا۔ اگر مرہٹے جو جس اپنے موزنان علی کے غیر مقامی طرز جنگ پر جمی رہتے تو وہ ایک نہیں دس ولزلیوں اور لیکوں کو پریشان کر دیتے ورنہ ایک ولزلی اور ایک لیک یہ دونوں ہی ایسے بلائے بے دریاں تھے کہ قواعد و ضابطوں اور توپ خانوں کا جب جگر معرکہ پڑتا تو دہرا سی دیر میں خاتمہ کر دیتے۔ مگر جب ہم اُن پنداروں کے حشر کو دیکھتے ہیں جنہوں نے مرہٹوں کی جنگی چالیں اختیار کر لی تھیں تو ہم کو یہی کہنا پڑتا ہے کہ غیر مقامی لڑائیوں میں بھی میدان آخر کار انگریزوں کے ہی ہاتھ رہتا۔ اللہ اللہ۔ اُس اتحاد سے زیادہ سخت کوئی خطرہ نہیں تھا جو شاہیہ میں لارڈ مورٹس سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ لارڈ موصوف نے چار فوجیں جانب شمال حملہ کرنے کے لئے نیاپال بھیج دی تھیں جن میں سے تین کو دولت کے ساتھ ناکام ہونا پڑا تھا مجلس انتظامیہ نے تاکید کی احکام اس نشانے کے پیچھے تھے کہ پنداروں کے خلاف کسی جارحانہ کارروائی کرنے میں شرکت نہ کی جائے خواہ اس مجاہد کی غرض اُن کا استیصال ہو یا انکی طرف سے آئیوائے خطرات کی پیش بندی ہو۔ لارڈ موصوف کے منصوبوں کی مخالفت اُس کی کونسل کے بہترین تجربہ کار ممبروں نے کی تھی۔ دولت راؤ سندھیا ناجی صحت پر آمادہ تھا اور راجہ ناگپور کی شرکت میں ساٹھ ہزار سپاہ سے وسط ہند پر قبضہ کیے ہوئے تھا۔ باجی راؤ پیشوا نے مخدوش انداز اختیار کر رکھا تھا اور دشمنوں کی

ہمت بڑھار ہاتھ ۱۵۸ کے دسہرے پر پندرہ اوروں کا بڑا جتھا جمع ہو کر میدان میں آگیا۔ اُن میں سے آٹھ ہزار کے ایک گروہ نے نرہ کو عبور کر لیا اور ٹکٹ نواب نظام الملک بہادر کو دریائے کرشنا کے جنوب تک روند کر رکھ دیا ایک اور زبردست دستہ شمالی سرکار کے برطانوی اضلاع پر ٹوٹ پڑا اور گشتور کے بل تسلیم حکام کی چھاؤنی کو لوٹ لیا اور قرب دھوار کے علاقے کو براہ کڑ والا نقصان جان بھی شد یہ ہوا اور نقصان مال کا اندازہ کچیس لاکھ روپیہ کیا گیا تھا۔ پنڈاری سہدار کے ویل نے سندھیا کے دربار میں بڑے غور سے یہ دعویٰ کیا کہ ہم پچاس ہزار سرباز میدان میں بھیجینگے جو کلکتہ تک آگے تلوار سے کام لیتے ہوئے پہنچ جائیں گے پندرہوں کی مجموعی تعداد کا اندازہ ایک لاکھ کیا گیا تھا۔ اور اُس زمانے کا میدان جنگ گنگا سے کرشنا تک اور گجرات سے کانپور تک وسیع تھا۔ مصیبت پر مصیبت یہہ نازل ہوئی کہ انگریزی لشکر میں ہیضہ پھوٹ پڑا جس سے معہ غیر مبارزین کے بیس ہزار جانوں کا نقصان ہوا۔ باجی راؤ نے اٹھارہ ہزار کی جمعیت سے میدان منجمال لیا اور پونا کے برطانوی ریڈینٹ پر حملہ کر دیا راجا گپور نے بھی اُس کی تقلید کی۔ وسط اکتوبر ۱۸۱۷ء میں متحدہ افواج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سوار و پیدل تھی جس کے ساتھ پانسو ضرب توپیں تھیں۔

یہ تمام خطرات چار ماہ میں رفع کر دیئے گئے، دولت راؤ کی تمام جنگی قوت قابلاً نقل و حرکت کے دریغ سے ایک جگہ گھونٹ کر رکھ دی گئی بلکہ کئی فوج بالکل کا لہدم کر دی گئی۔ پیشوا باجی راؤ کو فرار پر فرار کرنا پڑا۔ پنڈاری سرخنداؤں کا اُن کے ہمراہیوں سے ساتھ چھڑا دیا گیا اور انھیں ہتھیار ڈالنے پر یا جنگل میں جا کر تباہ ہو جانے پر مجبور کر دیا گیا۔

اس سے یہ پورے طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ کسی قسم کا ایشیائی فن حرب یورپین وسائل جنگ کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا تھا اور سندھیا نے کوئی غلطی نہیں کی تھی کہ اس نے اپنے اولوالعزمانہ منصوبوں کو ایک تو اعداؤں سپاہ کی بنیاد پر قائم کیا تھا جس کی تربیت و قیادت یورپین افسروں کے سپرد تھی اور اس طرح پرانے ایشیائی فن جنگ کے مقابلے میں وہ پوری طرح میدان جیت گیا تھا۔ غلطی جو کچھ تھی وہ سندھیا کے جانشین کی تھی جس نے یہ گمان کر لیا کہ اُس کی حقیقتہً دوسرے

درجے کی سپاہ اُس اول درجے کی سپاہ پر غالب آجائیگی جس کے نمونے پر یہ تیار کی گئی تھی۔ یہی غلطی بعد کے زمانے میں شکموں نے کی اور اگرچہ اس خود فہرہی کے لیے اُسکے پاس سامان بہت عمدہ اور مضبوط موجود تھا مگر گھسان کی لڑائی کے بعد نتیجہ واضح رہا نہ۔

المختصر زمانہ حال کے شائقین تاریخ کی طرف سے مندرجہ ذیل سوالات کیے جاسکتے ہیں۔
(۱) ماہ صوبی سندھیا نے کیا کیا۔۔۔۔۔ (۲) جن واقعات پر ہم تبصرہ کر آئے ہیں اُن کا اہم ہند میں برطانوی سلطنت کی ترقی پر کیا اثر پڑا ہم دیکھ چکے ہیں کہ جو واقعات معاہدہ سالباہی کے محرک اہل ہوئے تھے انھوں نے سندھیا کے دل پر انگریزوں کی جنگی قابلیت کا نقش فی الجبر کر دی تھی۔ اُن کی سفارتی قابلیت کے متعلق اُس کی رائے ایسی اعلیٰ نہیں تھی خواہ اُن کا نمائندہ خود وارن ہسٹنگز ہی کیوں نہ ہوتا۔ اس کی ایک خاص مثال گرانٹ ڈن نے بیان کی ہے۔ اُس زمانے میں وارن ہسٹنگز کے متعلق یہ علم ہوا تھا کہ وہ مسٹر ملیٹ کو پیشوا کے دربار میں کابل بنا کر پونا بھیجے والا ہے اس پر ماہ صوبی نے جو اعتراض کیا تھا وہ قابل غور ہے۔ اُس نے کسی قسم کی دھمکیاں نہیں دیں نہ اُس نے انگریزوں کی اس حرکت کو اپنی طرف کسی قسم کی دھمکی پر محمول کیا کہ براہ راست اُس کے آقا کے ساتھ معاملات طے کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ پھر بھی اُس نے اس کو ایک خطرناک دست اندازی سے تعبیر کر کے اس کی سخت مخالفت کی۔ اُس نے یہ لکھا کہ انگریزوں کی طرف سے کسی وکیل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں خود مرہٹہ برادری کے بیانے انگریزوں کے حقیقی قائم مقام کی حیثیت رکھتا ہوں۔ اس عذر کو قبول نہیں کیا گیا۔ مگر یہ بات ضرور قابل ملاحظہ ہے کہ سندھیا کو بالآخر اس پر اثر رہنا چاہیے تھا کیونکہ فی الواقع اس تمام نامہ و پیام کے دوران میں نہ اُس سے زیادہ کسی سے کام لیا گیا نہ اُس سے زیادہ کسی پر اعتماد کیا گیا۔ علاوہ براں اُس کے ذاتی اغراض بھی اس معاہدے سے ایسے وابستہ تھے کہ جو فوائد اُسے اس پر منفعت معاہدے سے حاصل ہوئے اُن سے اُس کو ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کر لینے کا اطمینان ہو گیا ہوگا۔ جبکہ وہ اپنی تمام مشکلات پر غالب آچکا تھا اور جبکہ وہ اُس میں وہ بالآخر

صفحہ ۲۰۴

سلطنت دہلی کا مالک اور مرہٹہ سیاسیات میں ثالث بالآخر کا رتبہ حاصل کر چکا تھا اُس وقت بھی اُس نے برطانیہ کی ترقی میں حقیقی امداد کی۔ اگرچہ یہ بطور اثبات کے دعوے نہیں کیا جاسکتا کہ اُسی نے نامافرنویس اور ہلکر کو انگریزوں اور اُن کے اتحادیوں پر حملہ کرنے سے روکے رکھا پھر بھی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اُن نے نامافرنویس اور ہلکر کو دوسرے مشاغل میں ضرور الجھا دیا تھا۔ سنہ ۱۷۹۸ء میں جس وقت لارڈ کارنوالس سلطان ٹیپو کیساتھ جنگ کرنے پر مجبور ہوا اُس وقت سندھیا لارڈ موصون کے خلاف ہر قسم کی شرکت سے محترز رہا تھا بلکہ اپنا ہاتھ مدد کے لئے بڑھایا تھا جسے بد اخلاقی کے ساتھ جھٹک دیا گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ انگریز ہمیشہ سندھیا کی قوت اور اُس کے اقتدار کو تشویش کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ اُس زمانے کی اعلیٰ حکومت کی دستاویزات میں کثرت سے بدگمانی کی نظر میں ڈالنے کی نشانیاں موجود ہیں لیکن گرانٹ ڈف کی یہ رائے ہے۔ اور اُس سے بہتر رائے بھی کسکی ہو سکتی ہے کہ انگریزوں کی یہ بظنی معقول وجہ پر مبنی نہیں تھی۔

اس لئے ہم اپنے تبصرے کو منصفانہ اعتراضات کے دو بول پر ختم کرتے ہیں سینے جو کچھ سندھیانے کیا اور جو کچھ کرنے سے وہ محترز رہا۔ جو فتوحات اُس نے بحالت جنگ حاصل کیں اور جو انتظامات اُس نے بحالت صلح رائج کیے اُن سب میں مادہ صوبی سندھیا اپنے تئیں نہایت عاقل نہایت مبارک حکمران ثابت کیا۔ اور جو حکومت کہ اُس کی حکومت سے بہتر اور زیادہ مضبوط تھی اُس کے قدم آگے بڑھانے کے لئے اُس نے راستہ بھی صاف کیا اور سہارا دیکر آگے بھی بڑھایا۔

— — — — —

غلطنامہ مادھوکی سندھیا

صحیح	غلط	۲	۱	صحیح	غلط	۲	۱
۴	۳	۲	۱	۴	۳	۲	۱
رسوئیں کو	ستوں کو	۱۸	۲۸	ہیٹنگز	ہیننگز	۳	۴
اور	اور	۱۲ و ۱۱	۳۰	کارروائیوں	کارروائیوں	۱۱	۱۱
قائدوں	قائدوں	۲	۳۱	ایمپیل گزٹیر	ایمپیل گزٹیر	۱۲	۱۲
کھینچی جاتے ہیں	کھینچی جاتے ہیں	۲۳	۳۱	ایماٹر	ایماٹر	۱۱	۱۱
صفات حسنہ	صفات حسنہ	۱	۳۶	جزیرہ نمائے	جزیرہ نمائے	۱۱	۹
بھرتیہ	بھرتیہ	۱۴	۱۱	عیش پسندی	عیش پسندی	۲۰	۱۳
موقع پر	موقع پر	۱۱	۴۴	طبیعت	طبیعت	۹	۱۸
محکمہ خارجہ	محکمہ خارجہ	۱۲	۴۴	طبیعت	طبیعت	۱۱	۱۱
طبیعت	طبیعت	۶	۴۵	کفالت	کفالت	۱۲	۲۱
غیر مستحکم سی	غیر مستحکم سی	۲۵	۴۵	اس اثنا	اس اثنا	۴	۲۲
طبیعت	طبیعت	۴	۴۶	سرگردگی	سرگردگی	۹	۲۲
لمحہ	نحقہ	۱۴	۱۱	دیکھی	دیکھیں	۱۴	۱۱
بڑنگال	بڑنگال	۹	۴۷	کھوٹ	کھوٹ	۱	۲۳
آویزش	آویزش	۱۱	۵۱	صرف اس	طرف اس	۱۱	۲۶
پھینکتے	پھینکتے	۱۲	۵۴	لینے	لینے	۱۲	۱۱

صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط	صحیح	غلط
۴	۳	۲	۱	۴	۳	۲	۱
وہ اس	دو اس	۱۰	۱۳۸	حایتوں کو	حایتوں کو	۲۰	۱۱۵
سزا	سزا	۱۹	۱۴۲	کینتھن	کینتھن	۲	۱۱۹
ریشلیو	ریشلیو	۱۰	۱۴۵	ڈی باٹن	ڈی باٹن	۱۳	۱۲۱
لوئی سیز دم	لوئی سیز دم	۱۱	۱۴	برنیر	لوئیر	۸	۱۲۲
میں مرا	میں ہرا	۱۱	۱۴	ڈی باٹن	ڈی باٹن	۱۲	۱۲۲
		۱۱	۱۴	سپاہ	سپاہ	۱۱	۱۲۳
جھوٹا	جھوٹا	۱۲	۱۵۰	دیگرے	دیگرے	۵	۱۲۹
زرا شناؤں	زرا شناؤں	۱۲	۱۶۱	ایک کروڑ	ایک کروڑ	۲	۱۳۰
نظر میں	نظر میں	۱۰	۱۶۵	نانا فر نويس	نانا فر نويس	۶	۱۳۱
دو یوں پر	دو یوں پر	۱۳	۱۷	لے لی	لے لی	۷	۱۳۲

— — — — —

